www.KitaboSunnat.com
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تابناک نقوش
مختصر سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
دار السلام
تالیف
فضیلۃ الشیخ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری
حفظہ اللہ تعالیٰ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تابناک نقوش

مختصر سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جامعہ بیت العتیق (رجسٹرڈ)
کتاب نمبر

مختصر سیرۃ النبی ﷺ
رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت کے تابناک نقوش

نام کتاب

مختصر سیرۃ النبی ﷺ

تالیف

فضیلۃ الشیخ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ تعالیٰ

ناشر

دار الاندلس

ملنے کا پتہ

دار الاندلس

۴۔ لیک روڈ، چوبرجی لاہور فون: 7240940 - 7230549-7231106

سلفی کتب خانہ جات اور جماعۃ الدعوۃ کے
تمام مراکز سے دستیاب ہے

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَ شَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ»

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ○ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَآءَلُونَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ ؕ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ○ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ○

---

① آل عمران: ۱۰۲/۳۔ ② النساء: ۱/۴۔ ③ الاحزاب: ۷۰/۳۳۔ ۷۱۔

④ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب خطبته ﷺ فی الجمعة: ۱۵۳/۶۔ ابوداؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة۔ نسائی، کتاب صلاة العیدین باب کیف الخطبة۔ ابن ماجه، باب اجتناب البدع والجدل۔ دارمی، باب اتباع السنة۔ مسند احمد: ۱۲۷/۴۔ ۱۲۶۔

”بلاشبہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں' اس سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں۔ ہم اپنے نفوس کے شر اور اپنی بداعمالیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اپنے در سے دھتکار دے اس کے لیے کوئی رہبر نہیں ہو سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

حمد وصلوٰۃ کے بعد یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور تمام کاموں سے بدترین کام وہ ہیں جو (اللہ کے دین میں) اپنی طرف سے نکالے جائیں، دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا انجام جہنم کی آگ ہے۔

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔“

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور (پھر) اس جان سے اس کی بیوی کو بنایا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلایا۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے ذریعے (جس کے نام پر) تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں (کو قطع کرنے) سے ڈرو (بچو)۔ بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔“

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ایسی بات کہو جو محکم (سیدھی اور سچی) ہو، اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

مختصر سیرۃ النبی ﷺ

محمد ﷺ

خاندان،نشوو نما اور نبوت سے پہلے کے حالات

نبوت و دعوت

اسلام کی اعلانیہ تبلیغ

مقابلے کی مختلف تدبیریں

مسلمانوں کو تعذیب

رسول اللہ ﷺ پر دست درازیاں

غم کا سال

رسول اللہ ﷺ طائف میں

مشرکین کی طرف سے نشانیوں کی طلب

اسراء اور معراج

قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت

مسلمانوں کی ہجرت

نبی کریم ﷺ کی ہجرت

مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کے اعمال

قریش کی فتنہ خیزیاں

غزوۂ بدر کبریٰ

غزوۂ احد

حادثے اور غزوات

غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق

غزوۂ بنو قریظہ

غزوۂ بنو المصطلق یا غزوۂ مریسیع

عمرۂ حدیبیہ

بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط

غزوۂ غابہ یا غزوۂ قرد

غزوۂ خیبر

غزوۂ ذات الرقاع

عمرۂ قضاء

معرکۂ موتہ

غزوۂ فتح مکہ

غزوۂ حنین

غزوۂ تبوک

غزوات کے بارے میں چند کلمات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حج

حجة الوداع

رفیق اعلیٰ کی جانب

خانۂ نبوت

صفات و اخلاق

پیش لفظ

(از : پرو فیسر حافظ محمد سعید، امیر جماعۃ الدعوۃ پاکستان)

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو ساری انسانیت کے لیے اور قیامت تک کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ جس طرح آپ پر نازل ہونے والا ''اللہ کا کلام'' قرآن کی شکل میں محفوظ ہے، اسی طرح آپ کے اقوال و افعال اور کریمانہ اخلاق بھی محفوظ و مدون ہیں۔ جہاں تک آپ کے اخلاق و سیرت کا تعلق ہے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

((فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنُ))[1]

''نبی ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جو جملہ کہا تو قرآن کے مزاج کے مطابق کہا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ﴿٨٠﴾ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اسی طرح سورۃ الشوریٰ میں اللہ اپنے نبی ﷺ کی راہنمائی کے بارے میں فرماتے ہیں :

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٢﴾ (الشوریٰ: ۵۲)

''اے نبی ﷺ ! بلاشبہ تم بہر صورت سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتے ہو۔''

اب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ سیدھا راستہ کیسے دکھایا۔ اس کو ہمارے محدثین اور سیرت

---

① مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب جامع صلاۃ اللیل ومن نام عنہ او مرض : ۷٤٦۔

نگاروں نے کتابوں میں محفوظ کر دیا۔ چنانچہ صحت کے ساتھ سیرت پر لکھی ہوئی کتابوں میں ہمارے بزرگ محترم شیخ صفی الرحمان مبارکپوری حفظہ اللہ کا نام موجودہ دور میں سرفہرست ہے۔ آپ ۱۹۴۲ء کو مبارکپور کی چھوٹی سے بستی حسین آباد (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ سلفیہ (انڈیا) میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے اور آج کل سعودی عرب میں علمی اور تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔ آپ دو درجن سے زائد کتابوں اور رسائل کے مصنف ہیں...... مدینہ منورہ میں شیخ حفظہ اللہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ''مختصر سیرت النبی'' کا مسودہ مجھے دیا، جسے میں نے بھائی امیر حمزہ کے حوالے کر دیا۔ یہ مسودہ اب کتابی شکل میں پیش کر دیا گیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو اذہان وقلوب میں سمونے کا موقع ملے گا اور اسوۂ حسنہ کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگا۔ مجھے ''مختصر سیرت النبی'' کو دیکھ کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان یاد آیا کہ آپ نے فرمایا:

''میری امت کے سارے لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس کے جس نے (جنت میں داخل ہونے سے) انکار کر دیا۔'' پوچھا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون ہے جو انکار کرتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے انکار کر دیا۔''[1]

صحابہ تو اس قدر اطاعت کرنے والے اور پختہ عقیدے کے حامل تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب حجر اسود کو بوسہ دینے لگے تو حجر اسود سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

''میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ ہی نقصان۔ اگر میں نے اللہ کے رسول کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی بوسہ نہ دیتا۔''[2]

آج امت مسلمہ کے لوگوں کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ سیرت النبی سے راہنمائی لے کر سنت رسول کو مضبوطی سے تھام لیں۔ شیخ صفی الرحمان مبارکپوری حفظہ اللہ کی لکھی ہوئی کتب کا یہی پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں قبول عام عطا فرمائے اور آخرت میں مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین!)

---

① بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء...... : ۷۲۸۰

② بخاری، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الأسود: ۱۵۹۷

حرف چند

(از: پروفیسر ظفراقبال، مدیر شعبہ تعلیم جماعۃ الدعوۃ پاکستان)

اللہ نے توفیق بخشی، عمرہ کے لیے بیت اللہ کا سفر کیا، اسی سفر میں مدینۂ رسول بھی گیا، محترم جناب مولانا صفی الرحمان مبارکپوری حفظہ اللہ سے ملاقات ہوئی۔ موصوف محبت والفت کا پیکر ہیں، نہایت شفقت سے پیش آئے۔ میں دنیا میں شہرت پانے والی سیرت کی کتاب ''الرحیق المختوم'' کے حوالے سے آپ سے متعارف تھا۔ یہ کتاب عربی زبان سے اردو قالب میں بھی ڈھل چکی ہے اور علمی دنیا میں ایک مقام حاصل کر چکی ہے۔ میں کافی دیر تک آپ کی مجلس میں الجھے سوالوں کے جواب حاصل کرتا رہا۔ عالمی سطح پر امت مسلمہ کی زبوں حالی، مسلمانوں کے مسائل کا حل، غرضیکہ بے شمار باتیں ہوئیں۔

آپ سے یہ معلوم کرکے کہ...... آپ نے سیرت کی ایک مختصر کتاب ''مختصر سیرت النبی'' کے عنوان سے لکھی ہے ...... بڑی خوشی ہوئی۔ اس سے بھی بڑی خوشی یہ کہ اس کتاب کو شائع کرنے کی سعادت ہمارے حصے میں آئی ہے۔ میں اس کتاب کے چھپنے میں اس لیے بھی دلچسپی رکھتا تھا کہ ہم اسے ملک بھر میں چلنے والے الدعوۃ ماڈل اسکولز کے نصاب میں شامل کرکے بچوں کی ''سیرت النبی ﷺ'' سے محبت پیدا کرنا چاہتے تھے تاکہ بچوں کے سامنے محمد ﷺ ایک آئیڈیل کی صورت میں نظر آئیں اور عوام الناس تک جب کتاب پہنچے تو آپ ایک عظیم نبی، ایک عظیم مجاہد اور مثالی قائد ﷺ کی صورت میں نظر آئیں۔ یہ کتاب

ان شاء اللہ لوگوں کی زندگیوں میں زبردست انقلاب پیدا کرے گی۔ اللہ اس کام کو قبو
فرمائے اور محترم مولانا صفی الرحمان مبارک پوری ﷾ کو بھی جزائے خیرعطا فرمائے
(آمین!)

تقریظ

(مولانا امیر حمزہ، مدیر ھفت روزہ غزوہ ،لاھور)

بحمداللہ محض اللہ کی توفیق سے شیخ صفی الرحمان مبارکپوری ﷾ کی کتاب ''مختصر سیرت النبی ﷺ'' محبان رسول ﷺ کے ہاتھوں میں ہے۔ سیرت مصطفیٰ ﷺ کو نمونہ بنانے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ آپ کی سیرت کے نمونہ کو ہر دور کے علماء نے اپنے اپنے انداز سے مرتب ومدون کیا۔ ہمارے موجودہ دور میں سیرت النبی ﷺ کو پیش کرنے کی سعادت اللہ نے شیخ صفی الرحمان مبارکپوری کو عطا فرمائی ہے کہ جن کی سیرت پر لکھی ہوئی کتاب ''الرحیق المختوم'' کو ۱۹۷۹ء میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے دنیا بھر میں اول انعام سے نوازا۔

۱۹۹۴ء میں شیخ سے مدینہ منورہ میں ملاقات ہوئی تو پتہ چلا کہ شیخ نے سیرت پر ایک اور مختصر مگر جامع کتاب مرتب فرما دی ہے۔ چنانچہ میں نے ان سے درخواست کی کہ سیرت نبوی کی روشنی سے امت کے سینوں کو منور کرنے کی سعادت سے ہمیں بہرہ ور کیا جائے۔ شیخ نے ہماری اس درخواست کو قبول فرما لیا۔ چنانچہ آج مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ ہم سیرت کی یہ مستند کتاب شائع کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ علم نبوت سے زندگیوں کو منور کرنے سے کس طرح اللہ کا نور بندے کے شامل حال ہوتا ہے؟ اس کا ایک منظر صحیح بخاری (کتاب الصلوٰۃ) میں مرقوم اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے دو صحابہ حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما ایک رات کافی دیر تک اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھے رہے،

علم نبوت سے فیض یاب ہوتے رہے، جب یہاں سے فارغ ہوئے تو رات اندھیری ہو چکی تھی۔ چنانچہ دونوں مسجد سے نکلے، گھر کو جانے لگے تو دو چراغ دونوں کے ساتھ ہو لیے۔ وہ آگے آگے روشنی دے رہے تھے، اندھیرا چھٹتا جا رہا تھا اور علم نبوت سے فیض یاب ہونے والے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ایک ایسا موڑ آیا کہ دونوں اپنے اپنے گھروں کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک چراغ ہو لیا اور گھر پہنچنے تک ساتھ دیتا رہا۔

اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ نے قرآن میں ''سراج منیر'' (کرنیں بکھیرنے والا آفتاب) قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں آفتاب ہوگا وہاں سے اندھیرا چھٹ جائے گا اور جو لوگ اس آفتاب سے یعنی سیرت کی روشنی سے چراغ لے کر شرک وبدعت کے اندھیروں میں نکلیں گے تو اندھیرے چھٹ جائیں گے۔

''مختصر سیرت النبی ﷺ'' ایک چراغ ہے۔ جسے مبارکپوری صاحب نے تیار کیا ہے۔ ہم نے اسے روشن کر دیا ہے اور ایک کے کئی چراغ بنا دیئے ہیں۔ آیئے! اسے تھامیے اور اندھیرے ختم کیجیے...... اللہ کے حضور دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مؤلف اور اشاعت میں حصہ لینے والے تمام احباب کی اخروی کامرانی کا ذریعہ بنائے۔ (آمین!)

ابتدائیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدِ نِالْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ وَهُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ، وَعَلٰی آلِهِ وَصَحْبِهِ حَمَلَةِ لِوَاءِ الدِّیْنِ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ مِّنَ الْاَئِمَّةِ وَالدُّعَاةِ وَالْاَتْقِیَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَعَلٰی كُلِّ مَنْ سَلَكَ سَبِیْلَهُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنَ ...... اَمَّا بَعْدُ !!

سیرت نبوی کا موضوع بڑا اشرف اور بلند مرتبہ موضوع ہے۔ اس سے مسلمان کو اپنے دین اور اپنے نبی ﷺ کے احوال کا علم ہوتا ہے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو کیسی نسبی شرافت بخشی اور کس طرح وحی ورسالت اور دعوت دین کی لیے منتخب کیا، پھر آپ ﷺ نے کیسی جانفشانی سے کام لیا، اس راستے میں کیسے کیسے مصائب جھیلے اور اللہ تعالیٰ کے کیسے کیسے انعامات سے بہرہ ور ہوئے، اس نے پردۂ غیب سے فرشتے بھیج کر، اسباب موڑ کر، برکات نازل فرما کر، معجزات ظاہر کر کے کیسی کیسی نصرت وتائید سے نوازا...... یہ ساری باتیں سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہیں۔

ابتدائے اسلام سے آج تک اس موضوع کے مطالعہ اور تصنیف وتالیف کا بڑا اہتمام ہوتا آرہا ہے کیونکہ یہ عمل گہرے ایمان اور محبت ووفا کے جذبات کا نتیجہ ہے۔ مگر عموماً اس موضوع پر لکھتے ہوئے تحقیق کا اہتمام نہیں کیا گیا، بلکہ افکار وخیالات اور جذبات واحساسات کی نظر میں جو چیز جچ گئی اسے داخل کتاب کرلیا گیا۔ خواہ صحت وثبوت کے لحاظ سے وہ صفر ہی کیوں نہ ہو، بلکہ بسا اوقات ایسی باتیں بھی قبول کرلی گئیں جو دین کے اصول سے متصادم

اور معقول کے دائرے سے خارج ہیں۔

اس کیفیت کے پیش نظر بعض اخوان نے یہ تجویز رکھی کہ اس موضوع پر اوسط درجے کی ایک کتاب تالیف کروں، جس میں ایسی معلومات جمع کی گئی ہوں جو اس فن کے ائمہ کے نزدیک ثابت اور مسلّم ہوں۔ میں نے یہ تجویز قبول کرتے ہوئے اللہ سے توفیق و اعانت طلب کی اور قرآن کریم، معتمد کتبِ تفاسیر اور کتبِ احادیث و سیرت کی مدد سے یہ کام انجام دیا۔ واقعات کی داخلی اور خارجی شہادتوں سے بھی استفادہ کیا اور کوشش کی کہ جہاں تک ممکن ہو اختصار و انتخاب کے ساتھ روایات کے الفاظ اور اگلوں کی زبان استعمال کی جائے۔ مجھے امید ہے کہ میں نے بڑی حد تک یہ مقصود ادا کر دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور میرے لیے سعادت دارین کا ذریعہ بنائے۔ (آمین!)

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

صفی الرحمان مبارکپوری

(۱۲ شوال ۱۴۱۵ ہجری)

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ اَمَّا بَعْدُ!

ارشادِ ربانی ہے:

لَقَدْ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا۟ مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾ (آل عمران:١٦٤)

''اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر یہ احسان کیا ہے کہ ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو (شرک اور عقیدے کی گندگیوں) سے پاک و صاف کرتا ہے اور ان کو اللہ کی کتاب (کا علم) اور حکمت سکھاتا ہے۔ اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔''

اس آیۂ کریمہ کے علاوہ بھی بے شمار مقامات پر خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کی سیرت بیان کی ہے بلکہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تو انتہا کر دی۔ جب ان سے آپ کی سیرت و اخلاق سے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

((فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ كَانَ الْقُرْآنَ)) [1]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق تو قرآن تھا۔''

---

[1] مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب جامع صلوٰۃ اللیل ومن نام عنه او مرض: ٧٤٦۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت پر آج تک لاکھوں کتب لکھی جا چکی ہیں اور مختلف زبانوں میں لکھی جا رہی ہیں۔

جب سے مجھے دارالاندلس کی ذمہ داری ملی تو دل میں یہ خواہش تھی کہ سیرت طیبہ کے موضوع پر ایک جامع کتاب ہمارے ادارے کی طرف سے آنی چاہیے۔ اسی خواہش کو دل میں لیے ایک دن میں مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ کے مکتبہ میں گیا تو وہاں مجھے ''مختصر سیرت النبی ﷺ'' نظر آئی جو عالم اسلام کے ممتاز عالم دین اور سیرت نگاری میں بین الاقوامی شہرت رکھنے والے محترم مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ کی ممتاز کتاب ''الرحیق المختوم''، کتاب کا جامع خلاصہ ہے اور اس سے قبل بھی کئی دفعہ جماعت کی طرف سے مولانا امیر حمزہ کی نگرانی میں شائع ہو چکی ہے۔ امیر حمزہ صاحب سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ دارالاندلس کو اس کی اشاعت کا فوری اہتمام کرنا چاہیے۔

اس طرح میرے دل میں انگڑائیاں لینے والی خواہش کی اللہ تعالیٰ نے تکمیل فرما دی۔ فوراً کام شروع کیا۔ کتاب میں خوبصورتی قائم کرنے کیلیے قرآنی آیات کے حسن کا باقاعدہ اہتمام کیا۔ دارالاندلس کے احباب خصوصاً بھائی محمود الحسن اسد نے بھرپور محنت کر کے اس کی تحسین کی۔ اس دوران مجھے بھی کتاب کو پڑھنے کا موقع ملا۔ کتاب ایسی ہے کہ ایک دفعہ آدمی پڑھنا شروع کرے تو پڑھتا ہی چلا جائے پھر رکنے کو جی نہیں چاہتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس عظیم کتاب کو تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنائے۔ خصوصاً مؤلف محترم، ان کے رفقاء، اعزاء و اقرباء کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ ادارۂ دارالاندلس کے تمام رفقاء بھی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ کہ جنھوں نے شبانہ روز محنت کر کے احباب کے لیے یہ خوبصورت تحفہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فردوس بریں میں اپنے حبیب ﷺ کے پڑوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

محمد سیف اللہ خالد

مدیر دارالاندلس

محمد ﷺ

خاندان، نشو ونما اور نبوت سے پہلے کے حالات

نسب نامہ:

آپ ﷺ کا نسب نامہ یہ ہے: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ابن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

عدنان بالاتفاق سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں لیکن دونوں کے درمیان کتنی پشتیں ہیں؟ اور ان کے نام کیا کیا ہیں؟ اس بارے میں بڑا اختلاف ہے۔

آپ کی والدہ کا نام آمنہ تھا اور ان کے والد وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب تھے۔ یہ وہی کلاب ہیں جو والد کی طرف سے بھی آپ کے نسب نامہ میں پڑتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا اصل نام عروہ یا حکیم تھا۔ لیکن وہ کتوں کے ذریعہ بکثرت شکار کھیلا کرتے تھے اس لیے ''کلاب'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔ عربی میں کلاب کتوں کو کہتے ہیں۔

قبیلہ:

آپ ﷺ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے جو پورے عرب میں سب سے زیادہ معزز قبیلہ تھا۔ قریش دراصل فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کا لقب تھا۔ بعد میں اس کی اولاد اسی نسبت سے مشہور ہوگئی۔ یوں تو اس قبیلے کو ہر دور میں سیادت حاصل رہی لیکن قصی کو ایک منفرد مقام حاصل ہوا۔ اس کا نام زید تھا اور وہ بچپن میں یتیم ہو کر والدہ کے ساتھ ملک شام کے قریب قبیلہ عُذرہ میں جا رہا اور وہیں پلا بڑھا لیکن جوان ہو کر مکہ آ گیا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد خانہ کعبہ کا متولی بن بیٹھا۔ یہ قبیلہ قریش کا پہلا شخص تھا جو خانہ کعبہ کا متولی ہوا۔ اسی کے ہاتھ میں خانہ کعبہ کی کنجی ہوتی تھی۔ وہ جس کے لیے اور جب چاہتا تھا کعبہ کا دروازہ کھولتا تھا۔ اس سے پہلے قریش مکہ سے باہر آباد تھے۔ اس نے انہیں اندر لا کر آباد کیا۔ اسی نے حاجیوں کے لیے میزبانی کا طریقہ بھی ایجاد کیا۔ وہ حج کے دنوں میں بڑے پیمانے پر کھانا تیار کراتا اور چمڑے کے بڑے بڑے حوضوں میں کھجور، شہد یا کشمش سے میٹھا شربت بنواتا اور حاجیوں کو پیش کرتا۔ اس نے کعبہ کے شمال میں ''دارالندوہ'' کے نام سے ایک گھر بھی بنایا جو قریش کی اجتماعی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہی ان کی پارلیمنٹ تھی اور اسی میں وہ شادی وغیرہ کی رسمیں بھی انجام دیتے تھے۔ قریش کا جھنڈا اور کمان بھی قصی ہی کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ لڑائی کا جھنڈا اس کے سوا کوئی نہیں باندھ سکتا تھا۔ وہ بڑا کریم اور عقلمند تھا۔ قریش اس کی بات بے چون و چرا تسلیم کرتے تھے۔

خاندان:

آپ ﷺ کا خاندان، آپ کے پردادا ہاشم کی نسبت سے ''خاندان ہاشمی'' کہلاتا ہے۔ ان کو قصی کے مناصب میں سے حاجیوں کی میزبانی کا منصب حاصل ہوا۔ جو ان کے بعد ان کے بھائی مطلب کی طرف منتقل ہو گیا۔ مطلب کے بعد پھر ہاشم کی اولاد کو یہ منصب حاصل ہوا اور اسلام کی آمد تک ان ہی کے ہاتھ میں رہا۔

ہاشم اپنے زمانے کے سب سے عظیم انسان شمار ہوتے تھے۔ انہیں ''سید بطحا'' کہا جاتا

تھا۔ وہ روٹی توڑ کر گوشت اور شوربے میں بھگوتے اور لوگوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ چونکہ عربی میں اس طرح کسی چیز کے توڑنے کو ''ہشم'' اور توڑنے والے کو ''ہاشم'' کہتے ہیں اس لیے ان کا نام ''ہاشم'' پڑ گیا۔ ورنہ ان کا اصل نام عمرو تھا۔ قریش تجارت پیشہ تھے۔ ہاشم نے ان کے لیے جاڑے میں یمن اور گرمی میں شام کا تجارتی سفر منظم کیا۔ اس کے لیے دونوں ممالک کے ذمہ داروں سے ضمانتیں حاصل کیں۔ اس سفر کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ قریش میں اللہ کے ایک زبردست احسان کے طور پر کیا گیا ہے۔

ہاشم ایک بار تجارت کے لیے ملک شام جاتے ہوئے یثرب (مدینہ منورہ) سے گزرے تو وہاں ...... بنوعدی بن نجار کی ایک خاتون سلمٰی بنت عمرو سے شادی کر لی۔ کچھ عرصہ ٹھہر کے ملک شام چلے گئے اور وہیں سرزمین فلسطین کے مشہور شہر غزّہ میں انتقال کر گئے۔ ان کی روانگی کے وقت سلمٰی حاملہ تھیں۔ بعد میں بچہ پیدا ہوا۔ جس کے سر کے بالوں میں سفیدی تھی اس لیے اس کا نام ''شیبہ'' رکھ دیا۔ یہ بچہ مدینہ میں پرورش پاتا رہا لیکن مکہ میں ہاشم کے بھائیوں اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو اس کا علم نہ تھا۔ آٹھ برس بعد مطلب کو اس کا پتہ لگا تو وہ مدینہ جا کر اس کو اپنے ساتھ لے آئے۔ جب مکہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ ان کا غلام ہے۔ چنانچہ اسے ''عبدالملطلب، عبدالمطلب'' کہنے لگے اور بالآخر وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔

عبدالمطلب بہت خوبصورت اور عظیم تھے۔ ان کے دور میں ان کا ہم مرتبہ کوئی نہ ہوا۔ وہ قریش کے سردار اور مکہ کے قافلۂ تجارت کے ذمہ دار تھے۔ جود وسخا اس قدر کرتے تھے کہ ان کا لقب فیاض پڑ گیا تھا۔ ان کے دستر خوان کا پس خوردہ مسکینوں، جانوروں اور چڑیوں کو کھانے کے لیے ڈال دیا جاتا تھا۔ اس بنا پر ان کا یہ عرف بن گیا تھا کہ ''زمین پر انسانوں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر وحشی جانوروں اور چڑیوں کو کھلانے والا۔''

انہیں ''زمزم'' کا کنواں بھی کھودنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کنویں کو ''بنوجُرہم'' نے مکہ سے جلا وطن ہوتے وقت پاٹ دیا تھا۔ اس وقت سے اس کی جگہ نامعلوم چلی آ رہی تھی۔ عبدالمطلب کو خواب میں اس کی جگہ بتلائی گئی اور کھودنے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے کھودا تو پرانا

کنواں برآمد ہو گیا۔

انہی کے زمانے میں خانہ کعبہ پر ہاتھی والوں کے حملے کا واقعہ بھی پیش آیا۔ یہ سب حبشی تھے۔ ان کے سردار کا نام "ابرہہ" تھا۔ جو یمن پر قابض اور حکمران تھا۔ وہ خانہ کعبہ ڈھانے کے لیے ساٹھ ہزار کا لشکر جرار لے کر آیا۔لیکن جب مکہ کے مشرق میں مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان "وادئ محسر" میں پہنچا اور مکہ پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار ہو گیا تو اللہ نے اس کے لشکر پر چڑیوں کا جھنڈ بھیج دیا۔ جنہوں نے اس پر ٹھیکری جیسے پتھر برسا دیے اور وہ کھائے ہوئے بھس کی طرح ہو گیا۔ یہ واقعہ نبی ﷺ کی پیدائش سے ۵۰ یا ۵۵ دن پہلے پیش آیا۔

نبی ﷺ کے والد عبد اللہ، عبد المطلب کے سب سے خوبصورت، پاکدامن اور چہیتے لڑکے تھے۔ انہیں "ذبیح" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمزم کی کھدائی کے دوران جب کنویں کے نشانات برآمد ہوئے تو قریش نے بھی شرکت کرنا چاہی اور اس کے لیے عبد المطلب سے جھگڑا کیا جو بڑی مشکل سے فرو ہو سکا۔ یہ دیکھ کر عبد المطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے ان کو دس لڑکے دیے اور ہر ایک مقابلے کے لائق ہوا تو ان میں سے ایک کو اللہ کی راہ میں ذبح کر دیں گے۔ اب اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کی یہ مراد پوری ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے سب لڑکوں کے درمیان قرعہ ڈالا۔ قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا۔ لہٰذا ان کو ذبح کرنے کے لیے خانہ کعبہ کے پاس لے گئے مگر قریش نے انہیں روک دیا۔ بالخصوص عبد اللہ کے بھائی اور ماموں سخت آڑے آئے۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ ان کے بدلے ایک سو اونٹ ذبح کیے جائیں۔ چنانچہ عبد المطلب نے ایسا ہی کیا۔ اسی لیے نبی ﷺ کو "دو ذبیحوں کی اولاد" کہا جاتا ہے۔ ایک ذبیح سیدنا اسماعیل علیہ السلام تھے اور ایک آپ کے والد عبد اللہ۔ اسی طرح آپ کو "دو فدیہ دیے گئے بزرگوں کی اولاد" بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو مینڈھے کا فدیہ دیا گیا تھا اور آپ کے والد کو سو اونٹوں کا۔

عبد اللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے ہوئی جو اس وقت قریش کی سب سے بلند پایہ خاتون تھیں۔ ان کا باپ وہب بھی "بنو زہرہ" کا سردار اور عالی نسب تھا۔ آمنہ شادی کے بعد ہی امید سے ہو گئیں۔ ادھر کچھ عرصہ بعد عبد المطلب نے عبد اللہ کو تجارت کے سلسلے میں مدینہ

یا شام بھیجا۔ واپسی میں وہ مدینہ کے اندر انتقال کر گئے اور انہیں نابغہ ذبیانی کے مکان میں دفن کر دیا گیا۔ اس وقت تک نبی ﷺ پیدا نہیں ہوئے تھے۔

پیدائش:

آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر موسم بہار میں پیدا ہوئے۔ یہ دوشنبہ کی صبح تھی۔ ربیع الاول کی ۹...... اور کہا جاتا ہے کہ ۱۲...... تاریخ تھی۔ سال وہی تھا جس میں ابرہہ نے مکہ پر حملہ کیا تھا۔ چونکہ وہ اپنے ساتھ ہاتھی بھی لایا تھا اور عربی میں ہاتھی کو ''فِیل'' کہتے ہیں۔ اس لیے اس سال کا نام ''عام الفیل'' پڑ گیا۔ اس روز اپریل کی ۲۲ تاریخ تھی اور سن عیسوی ۵۷۱ تھا۔

پیدائش کے وقت دایہ کا کام سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ شفاء بنت عمرو نے انجام دیا۔

جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ کے جسم سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محل روشن ہو گئے۔ پھر والدہ نے عبدالمطلب کے پاس آپ کی پیدائش کی خوشخبری بھجوائی۔ وہ شاداں و فرحاں تشریف لائے۔ آپ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کا شکر ادا کیا۔ اس توقع پر کہ آپ کی تعریف کی جائے گی، آپ کا نام ''محمد'' رکھا۔ پھر عرب کے دستور کے مطابق ساتویں دن عقیقہ اور ختنہ کیا اور لوگوں کی دعوت کی۔

آپ ﷺ کو آپ کے والد کی لونڈی ام ایمن گود کھلایا کرتی تھیں، وہ حبشن تھیں اور ان کا نام ''برکت'' تھا، اللہ نے ان پر بڑا فضل کیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی نبوت کا دور پایا، اسلام لائیں اور ہجرت بھی کی۔ پھر آپ ﷺ کی وفات کے پانچ چھ مہینے بعد وفات پا گئیں (رضی اللہ عنہا)۔

رضاعت:

آپ ﷺ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے ابولہب کی لونڈی ''ثویبہ'' نے آپ کو دودھ پلایا اس وقت اس کا اپنا جو بچہ دودھ پیتا تھا اس کا نام ''مسروح'' تھا۔ ثویبہ نے آپ سے پہلے سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب کو اور آپ ﷺ کے بعد ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی دودھ

پلایا تھا، لہٰذا یہ تینوں رضاعی بھائی ہوئے۔

حلیمہ سعدیہ کی گود میں:

عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری بیماریوں سے بچانے کے لیے انہیں دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے تا کہ ان کے اعصاب مضبوط اور ان کی عربی زبان خالص اور ٹھوس ہو جائے۔ اسی دستور کے مطابق عبد المطلب کو بھی دودھ پلانے والی دایہ کی تلاش تھی۔ ادھر بنو سعد بن بکر بن ہوازن کی کچھ عورتیں اسی غرض سے مکہ آئیں اور ان پر نبی ﷺ کو پیش بھی کیا گیا۔ مگر جب انہیں معلوم ہوتا کہ آپ یتیم ہیں تو وہ آپ کو لینے سے انکار کر دیتیں۔ ایک خاتون حلیمہ بنت ابو ذویب کو کوئی بچہ نہ ملا۔ لہٰذا انہوں نے مجبوراً آپ ہی کو لے لیا۔ مگر جب لے لیا تو ان پر خوش قسمتی کا ایسا دروازہ کھلا کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ تھوڑا ذکر آگے آ رہا ہے۔

سیدہ حلیمہ کے والد ابو ذویب کا نام عبد اللہ بن حارث تھا اور وہ آپ ﷺ کے رضاعی نانا ہوئے۔ حلیمہ کے شوہر کا نام حارث بن عبد العزیٰ تھا اور دونوں ہی قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن سے تعلق رکھتے تھے۔ حارث کے بچے بچیاں آپ کے رضاعی بھائی بہن ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں: عبد اللہ، انیسہ، جدامہ، ان کا لقب شیماء تھا اور اسی سے وہ مشہور ہوئیں۔ وہ قدرے بڑی تھیں اور نبی ﷺ کو گود کھلایا کرتی تھیں۔

حلیمہ کے گھر برکتیں ہی برکتیں:

جیسا کہ اشارہ کیا گیا جب تک نبی ﷺ حلیمہ کے گھر موجود رہے ان کا گھر برکتوں سے مالا مال رہا۔ حلیمہ کا بیان ہے کہ وہ جب آئی تھیں قحط سالی کا دور تھا۔ ان کے پاس ایک گدھی تھی جو اس قدر کمزور اور دبلی تھی کہ پورے قافلے میں سب سے سست اور مریل چال چلتی تھی۔ ایک اونٹنی بھی تھی مگر وہ ایک قطرہ دودھ نہ دیتی تھی۔ حلیمہ کا اپنا بچہ بھوک کی بے قراری سے پوری رات بلکتا اور چیختا رہتا۔ نہ خود سوتا، نہ ماں باپ کو سونے دیتا۔ مگر جب وہ نبی ﷺ کو لے کر اپنے ڈیرے پر آئیں اور گود میں رکھا تو سینہ دودھ سے بھر گیا حتیٰ کہ آپ

نے شکم سیر ہو کر دودھ پیا اور آپ کے ساتھ حلیمہ کے بچے نے بھی جی بھر کر پیا۔ پھر دونوں آرام کی نیند سو گئے۔

ادھر شوہر اٹھ کر اونٹنی کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ تھن سے دودھ ابلا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس قدر دودھ دوہا کہ دونوں نے خوب آسودہ اور سیراب ہو کر پیا اور نہایت پرسکون رات گزاری۔

مکہ سے واپسی پر سیدہ حلیمہ اسی خستہ حال گدھی پر سوار ہوئیں اور اپنے ساتھ نبی ﷺ کو بھی لیا مگر اب وہی گدھی اس قدر تیز چلی کہ پورے قافلے کو کاٹ کر آگے نکل گئی اور کوئی گدھا اس کا ساتھ نہ پکڑ سکا۔

سیدہ حلیمہ کا وطن ''دیار بنو سعد'' سب سے زیادہ قحط زدہ تھا۔ مگر اس کے باوجود مکہ سے واپسی کے بعد یہ حالت ہوئی کہ جب بکریاں چر کر واپس آتیں تو ان کی کوکھ نکلی ہوتی اور تھن دودھ سے لبریز ہوتے۔ میاں بیوی خوب دوہتے اور پیتے، جبکہ کسی اور انسان کو دودھ کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا۔

یوں اس خانوادے کو مسلسل خیر و برکت نصیب ہوتی رہی یہاں تک کہ دو سال گزر گئے اور مدت رضاعت پوری ہوگئی۔ چنانچہ سیدہ حلیمہ نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔ اس دوران آپ پختہ اور مضبوط ہو چکے تھے۔

کچھ اور عرصہ حلیمہ کے پاس:

سیدہ حلیمہ کا معمول تھا کہ وہ نبی ﷺ کو ہر چھ مہینے بعد مکہ لاتیں، والدہ اور خاندان کے لوگوں سے ملاتیں اور پھر اپنے دیار بنو سعد میں واپس لے جاتیں۔ جب مدت رضاعت پوری ہوگئی۔ وہ دودھ چھڑا کر آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لائیں تو اب تک جو خیر و برکت دیکھ چکی تھیں اس کے پیش نظر چاہتی تھیں کہ آپ کو ان ہی کے پاس رہنے دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی والدہ سے کہا کہ کیوں نہ آپ بچے کو میرے پاس ہی رہنے دیں کہ وہ ذرا اور مضبوط ہو جائے کیونکہ مکہ کی وبا سے ڈر لگتا ہے۔ والدہ اس پر راضی ہوگئیں اور حلیمہ آپ کو لے کر خوش خوش اپنے گھر واپس ہوئیں۔ آپ تقریباً مزید دو برس تک وہیں رہے۔ پھر آپ

کے سینہ مبارک چاک کیے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے ڈر کر حلیمہ اور ان کے شوہر نے آپ کو آپ کی والدہ کے حوالہ کر دیا۔

سینہ مبارک چاک کیا جاتا ہے:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ کو لٹا کر سینہ چاک کر دیا، پھر آپ کا دل نکالا، اس میں سے ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا کہ یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے۔ پھر دل کو سونے کی طشت میں زمزم کے پانی سے دھو کر جوڑ دیا اور اس کی جگہ پلٹا دیا۔ ادھر بچے دوڑ کر آپ کی ماں یعنی دایہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا گیا۔ وہ لوگ جھٹ پہنچے دیکھا تو رنگ اترا ہوا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں آپ ﷺ کے سینے پر سلائی کا اثر دیکھا کرتا تھا۔

ماں کی آغوش محبت میں:

اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ کو مکہ پہنچا دیا گیا اور آپ نے اپنی ماں کے سایۂ محبت میں اپنے خانوادے کے اندر کوئی دو برس گزارے۔ پھر والدہ، دادا اور ام ایمن کے ساتھ مدینہ کا سفر کیا۔ وہاں آپ کے والد کی قبر بھی تھی اور دادا کا ننھیال بھی۔ آپ مدینہ میں ایک ماہ رہ کر واپس ہوئے تو راستہ میں آپ کی والدہ بیمار ہو گئیں اور ابواء پہنچ کر رحلت کر گئیں، وہیں انہیں دفن بھی کر دیا گیا۔

دادا کے سایۂ شفقت میں:

اب بوڑھے عبدالمطلب آپ ﷺ کو لے کر مکہ پہنچے۔ ان کے دل پر آپ کی اس نئی مصیبت کے احساس کا گہرا زخم تھا۔ چنانچہ آپ کے لیے ان کے دل میں ایسی رقت پیدا ہوئی کہ خود ان کے اپنے بیٹوں کے لیے ویسی رقت نہ تھی۔ وہ آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہتے۔ خوب اکرام کرتے۔ ان کا خاص فرش جس پر کوئی دوسرا نہ بیٹھ سکتا تھا اس پر آپ کو بٹھاتے، پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے، آپ کی نقل و حرکت دیکھ کر خوش ہوتے اور یقین رکھتے تھے کہ آئندہ آپ کی ایک نرالی شان ہونے والی ہے۔ لیکن ابھی نبی ﷺ کی

عمر صرف آٹھ برس دو مہینے اور دس دن ہوئی تھی کہ عبدالمطلب بھی انتقال کر گئے۔

چچا کی کفالت میں:

اب آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کا بیڑا اٹھایا۔ یہ آپکے والد کے سگے بھائی تھے۔ انہوں نے آپ سے خاص رحمت وشفقت برتی۔ وہ مالدار تو نہ تھے لیکن آپ کی کفالت کے بعد اللہ نے ان کے تھوڑے سے مال میں اس قدر برکت دی کہ ایک آدمی کا کھانا پورے کنبے کے لیے کافی ہو جایا کرتا۔ خود نبی ﷺ بھی صبر وقناعت کا نمونہ تھے۔ جو کچھ ملتا اسی پر قناعت فرماتے۔

ملک شام کا سفر اور بُحیرا راہب سے ملاقات:

جب آپ ﷺ کی عمر بارہ برس...... اور کہا جاتا ہے کہ مزید دو مہینے دس دن...... ہوئی تو ابو طالب نے تجارت کے لیے ملک شام جانے کا قصد کیا۔ آپ کو ان کی جدائی بہت گراں گزری، جس سے وہ بھی متاثر ہوئے اور اپنے ساتھ لے لیا۔ جب قافلے نے ملک شام کی حدود میں پہنچ کر شہر ''بصریٰ'' کے قریب پڑاؤ ڈالا تو ''بُحیرا'' نامی عیسائیوں کا ایک بڑا راہب اپنے گرجے سے نکل کر ان کے پاس آیا۔ قافلے کے درمیان سے گزر کر نبی ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا:

> ''یہ دنیا کے سردار ہیں، پروردگار عالم کے رسول ہیں اور اللہ انہیں رحمت عالم بنا کر بھیجے گا۔''
>
> لوگوں نے کہا: ''آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟''
>
> اس نے کہا: ''تم لوگ جب گھاٹی سے ادھر ظاہر ہوئے تو کوئی پتھر یا درخت ایسا نہ بچا جو سجدہ کے لیے جھک نہ گیا ہو۔ یہ دونوں چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور کو سجدہ نہیں کرتیں۔ پھر میں انہیں مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے نرم ہڈی کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انہیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں۔''

پھر اس نے قافلے کی ضیافت کی، ابو طالب سے کہا کہ آپ کو واپس کر دیں اور ملک شام نہ لے جائیں کیونکہ یہود اور رومیوں سے خطرہ ہے۔ اس پر ابو طالب نے آپ کو مکہ بھیج دیا۔

جنگ فجار:

جب آپ ﷺ کی عمر بیس برس کی ہوئی تو ذی قعدہ کے مہینے میں بازار عکاظ کے اندر ایک لڑائی پیش آئی۔ جس میں ایک طرف قریش اور کنانہ کے قبائل تھے اور دوسری طرف قیس اور غیلان کے قبائل۔ دونوں میں گھمسان کا رن پڑا اور فریقین کے کئی کئی آدمی کھیت رہے۔ لیکن پھر انہوں نے صلح کر لی اور طے کیا کہ دونوں طرف کے مقتولین گنے جائیں۔ جدھر زیادہ ہوں ادھر والے زائد مقتولین کا خون بہا لے لیں۔ اس کے بعد جنگ ختم ہوگئی اور باہمی شر و عداوت کو میٹ دیا گیا۔

اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے اور اپنے چچاؤں کو تیر تھمایا کرتے تھے۔ اس کا نام ''جنگ فجار'' اس لیے پڑا کہ اس میں حرام مہینے کی حرمت پامال کی گئی تھی۔ ''فجار'' نام کے واقعات چار بار پیش آئے۔ ہر سال ایک ایک واقعہ پیش آتا رہا، مذکورہ واقعہ آخری تھا۔ اس سے پہلے کے تین واقعات میں ہلکے پھلکے جھگڑے پیش آئے۔ لڑائی صرف اس چوتھے واقعے میں پیش آئی۔

حلف الفضول:

اس جنگ کے بعد ہی ذی القعدہ کے مہینے میں پانچ قریشی قبائل کے درمیان ایک عہد نامہ طے پایا جسے ''حلف الفضول'' کہتے ہیں۔ ان قبائل کے نام یہ ہیں:

① بنو ہاشم، ② بنو المطلب، ③ بنو اسد، ④ بنو زہرہ، ⑤ بنو تیم۔

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ زبید (یمن) کا ایک آدمی سامان تجارت لے کر مکہ آیا، عاص بن وائل نے اس سے سامان خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس نے بنو عبدالدار، بنو مخزوم، بنو جمح، بنو سہم اور بنو عدی سے فریاد کی لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ چنانچہ اس نے جبل ابو قبیس پر چڑھ کر چند اشعار میں اپنی مظلومیت کا نقشہ کھینچا اور آواز لگائی کہ کوئی اس کا حق دلانے کے لیے اس کی مدد کرے۔ اس پر زبیر بن عبد المطلب نے دوڑ دھوپ کی، چنانچہ مذکورہ قبائل کے افراد بنو تیم کے سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اکٹھے ہوئے اور آپس میں عہد و پیماں کیا

کہ مکہ میں جو بھی مظلوم آئے، خواہ مکہ کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا یہ سب اسکی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کا حق دلا کر رہیں گے۔ اس کے بعد یہ لوگ عاص بن وائل سہمی کے پاس گئے اور اس سے زبیدی کا حق لے کر اس کے حوالے کیا۔

اس عہد و پیماں میں رسول اللہ ﷺ بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ شرف رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک ہوا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر میں اس کے لیے دور اسلام میں بلایا جاتا تو یقیناً قبول کرتا۔

عملی زندگی:

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ یتیم پیدا ہوئے اور اپنے دادا پھر چچا کی کفالت میں پرورش پائی۔ والد سے وراثت میں جو کچھ ملا تھا اس سے کچھ ہونے والا نہ تھا۔ لہٰذا جوں ہی آپ ہلکے پھلکے کام کے لائق ہوئے...... اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ دیار بنی سعد میں بکریاں چرانے لگے۔ پھر جب مکہ آئے تو وہاں بھی چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرائیں۔ قیراط...... ایک دینار کا بیسواں یا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے جس کی قیمت اس زمانے میں بمشکل اسی نوے روپے ہو سکے گی۔

اوائل عمر میں بکریاں چرانا انبیاء کی سنت ہے۔ ایک بار نبی ﷺ نے عہد نبوت میں فرمایا: ''کوئی بھی نبی نہیں گزرا مگر اس نے بکری ضرور چرائی ہے۔''

پھر جب آپ ﷺ جوان ہو گئے تو غالباً تجارت کرنے لگے کیونکہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ آپ سائب بن ابی سائب کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے اور آپ بہترین ساجھی تھے۔ نہ حجت بحث کرتے تھے، نہ جھگڑتے تھے۔

آپ ﷺ معاملات میں حد درجہ امانت، سچائی اور پرہیزگاری کے لیے مشہور تھے اور زندگی کے سارے میدانوں میں آپ کا یہی وطیرہ تھا۔ چنانچہ آپ کا لقب ہی ''امین'' پڑ گیا تھا۔

ملک شام کا سفر اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کی تجارت:

آپ ﷺ کا یہی شہرہ سن کر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تجارت کے لیئے اپنے مال کی پیش کش کی۔ وہ شرف اور مال دونوں لحاظ سے قریش کی سب سے معزز خاتون تھیں اور لوگوں کو کچھ اجرت پر اپنا مال تجارت کے لیے دیا کرتی تھیں۔ انہوں نے پیش کش کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ وہ آپ کو سب سے اچھی اجرت دیں گی۔ آپ نے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا، خرید وفروخت کی، خوب نفع ہوا اور اس قدر برکت ہوئی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ پھر مکہ واپس آئے اور امانت ادا فرمادی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی:

ادھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے امانت و برکت کا یہ حال دیکھا تو دم بخود رہ گئیں۔ پھر میسرہ نے آپ کے شیریں شمائل، بلند اخلاق ...... اور کہا جاتا ہے کہ دھوپ میں دو فرشتوں کے سایہ کرنے کا حال ...... بیان کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ان کا گوہر مطلوب انہیں مل گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے پاس اپنی ایک سہیلی کو بھیج کر شادی کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ نے تجویز پسند کی اور چچاؤں سے گفتگو کی۔ انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد کو پیغام بھیجا۔ بات طے ہوگئی۔ بنو ہاشم اور سرداران قریش کی ایک مجلس میں بیس اونٹ ...... اور کہا جاتا ہے کہ چھ اونٹ ...... مہر پر نکاح ہوگیا۔ خطبہ نکاح ابو طالب نے دیا جس میں اللہ کی حمد وثنا کی پھر نبی ﷺ کے فضل وشرف کا ذکر کیا۔ اس کے بعد ایجاب وقبول کے کلمات کہے اور حق مہر بیان کیا۔

یہ ملک شام سے واپسی کے دو مہینے، چند دن بعد کی بات ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال تھی اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مشہور قول کے مطابق چالیس سال تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ۲۸ سال تھی۔ کچھ اور اقوال بھی ہیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی پہلے عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی تھی مگر وہ انتقال کر گیا تو ابو ہالہ تیمی سے ہوئی اور اس سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا مگر پھر ابو ہالہ بھی انتقال کر گیا۔ اس کے بعد بڑے بڑے سرداران قریش نے شادی

کرنا چاہی مگر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا راضی نہ ہوئیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے شرف زوجیت سے نوازا اور ایسی سعادت عطا فرمائی کہ پہلوں اور پچھلوں سب کے لیے باعث رشک ٹھہریں۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی پہلی بیوی تھیں۔ ان کے جیتے جی آپ نے کسی اور سے شادی نہ کی...... آپ کی تمام اولاد بھی ان ہی سے تھی۔ صرف ابراہیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے تھے۔ ان کی اولاد کے نام ترتیب وار یہ ہیں: پہلے قاسم، پھر زینب، پھر رقیہ، پھر ام کلثوم، پھر فاطمہ، پھر عبداللہ۔ کچھ لوگوں نے تعداد اور ترتیب دونوں اس سے مختلف بتائی ہے۔ آپ کے تمام لڑکے بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ البتہ تمام بچیوں نے عہد نبوت کو پایا، اسلام لے آئیں، ہجرت بھی کی اور سب کی سب آپ کی زندگی ہی میں انتقال بھی کر گئیں۔ صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں۔

بیت اللہ کی تعمیر اور حجر اسود کے جھگڑے کا فیصلہ:

آپ ﷺ کی عمر کا پینتیسواں (۳۵ واں) سال تھا کہ ایک زوردار سیلاب آیا جس سے خانہ کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں۔ یہ دیواریں ایک بار کعبہ میں آگ لگ جانے کی وجہ سے پہلے ہی کمزور ہو چکی تھیں۔ اب قریش مجبور ہوئے کہ از سر نو تعمیر کریں۔ اس موقع پر انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس تعمیر میں صرف حلال مال ہی خرچ کریں گے۔ چنانچہ رنڈی کی اجرت، سود کی دولت اور کسی کا ناحق لیا ہوا مال اس میں استعمال نہیں کریں گے۔ انہیں خانہ کعبہ گراتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں اللہ کا عذاب نہ ٹوٹ پڑے۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے یہ کہہ کر ڈھانا شروع کیا کہ اللہ مصلحین کو ہلاک نہیں کرتا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ نہیں ہوا تو انہوں نے بھی ڈھانا شروع کر دیا اور جناب ابراہیم علیہ السلام والی بنیاد تک گرا ڈالا۔

اس کے بعد تعمیر شروع کی۔ تعمیر کے لیے ہر قبیلہ کا الگ الگ حصہ مقرر تھا۔ اشراف اپنے کندھوں پر پتھر لاتے اور ڈھیر لگاتے۔ آپ اور آپ کے چچا ابو طالب بھی پتھر ڈھو رہے تھے۔ تعمیر کا کام ”باقوم“ نامی ایک رومی معمار کر رہا تھا۔ چونکہ مال اتنا جمع نہ ہو سکا تھا کہ عمارت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر مکمل کی جا سکتی۔ اس لیے شمال کی طرف سے تقریباً چھ

ہاتھ چھوڑ کر اس پر ایک چھوٹی سی دیوار اٹھا دی گئی تا کہ علامت رہے کہ کعبہ کا حصہ ہے۔ اسی کو حجر اور حطیم کہتے ہیں۔

جب دیوار حجر اسود تک اٹھ چکی تو ہر سردار نے چاہا کہ وہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف حاصل کرے۔ اس پر سخت جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا جو چار پانچ روز تک جاری رہا اور قریب تھا کہ حرم ہی میں خون خرابہ ہو جاتا۔ لیکن ابو امیہ نے ...... جو سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھا...... یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجد حرام کے دروازے سے جو شخص پہلے داخل ہو اسے اس جھگڑے کا حکم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ کی مشیت کہ اس کے بعد سب سے پہلے جو شخص داخل ہوئے وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ قریش نے دیکھتے ہی کہا: ''هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَاهُ، هٰذَا مُحَمَّدٌ...... ''یہ امین ہیں، ہم ان سے راضی ہیں، یہ محمد ہیں۔''

پھر آپ ان کے پاس پہنچے تو آپ کو تفصیل بتائی گئی۔ آپ نے اس کا یہ حل نکالا کہ ایک چادر لی، اس میں حجر اسود رکھا اور سب سرداروں سے کہا کہ اس کا کنارہ پکڑ کر اوپر اٹھائیں۔ سب نے ایسا ہی کیا جب چادر حجر اسود کی جگہ تک پہنچ گئی تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ یہ اتنا عمدہ فیصلہ تھا کہ اس پر سب خوش ہو گئے۔

حجر اسود زمین سے ڈیڑھ میٹر بلندی پر ہے اور دروازہ تقریباً دو میٹر اونچا ہے قریش نے اسے اتنا اونچا اس لیے رکھا تا کہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کعبہ میں داخل نہ ہو سکے۔ دیواریں اٹھارہ ہاتھ بلند ہیں۔ جبکہ پہلے نو نو ہاتھ تھیں۔ اندرون کعبہ دو لائن میں چھ کھمبے کھڑے کیے گئے ہیں اور پندرہ ہاتھ کی بلندی پر چھت لگائی گئی ہے جبکہ پہلے نہ کھمبے تھے نہ چھت۔

بعثت سے پہلے آپ کی سیرت:

آپ ﷺ بچپن ہی سے سلیم العقل، پاکدامن اور بھرپور قوت کے مالک تھے۔ جوانی اور پختگی کا زمانہ آیا تو آپ کی خوبیاں اور نکھر آئیں۔ آپ درست سوچ، صحیح نظر، بہترین اخلاق اور عمدہ عادات کا سب سے بلند نمونہ تھے۔ سچائی اور امانت، مردانگی اور شجاعت، عدل اور حکمت، زہد اور قناعت، بردباری اور عفت، صبر اور شکر، حیا اور وفا، خیر خواہی اور تواضع سب

میں ممتاز تھے۔ بھلائی اور احسان میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ابو طالب نے کیا خوب کہا:

وَ اَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

"آپ ﷺ گورے اور خوبرو ہیں، آپ کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ یتیموں کے ماویٰ اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔"

آپ ﷺ بڑی صلہ رحمی کرتے تھے۔ لوگوں کا بوجھ اپنے سر لے لیتے تھے۔ بے مال کی ایسی مدد فرماتے کہ مالدار ہو جاتا یا روزگار سے لگ جاتا۔ مہمان کی میزبانی کرتے اور مصیبت کے مارے ہوؤں کا تعاون فرماتے۔

اللہ نے آپ ﷺ کی حفاظت و مہربانی کا خاص انتظام فرمایا تھا اور قوم کے اندر پھیلی ہوئی خرافات اور برائیوں کے خلاف آپ کے دل میں نفرت ڈال دی تھی۔ چنانچہ آپ نہ بتوں کی عید پر حاضر ہوتے تھے اور نہ شرک کے میلوں میں جاتے تھے۔ نہ آستانوں یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور کھاتے تھے۔ بتوں کو چھونا یا ان سے تقرب حاصل کرنا تو دور رہا، لات وعزیٰ کی قسم سننا بھی گوارا نہ فرماتے تھے۔

شراب نوشی اور لہو ولعب کی مجلسوں سے آپ انتہائی دور تھے۔ ایسی کسی مجلس میں آپ نے کبھی شرکت نہ فرمائی، حالانکہ یہی مجلسیں جوانوں کی تفریح گاہ اور دوستوں کی جائے ملاقات ہوا کرتی تھیں۔

نبوت کے آثار اور سعادت کی جھلکیاں:

پیچھے جو حالات بیان کیے جا چکے ہیں ان کی وجہ سے نبی ﷺ اور آپ کی قوم کے درمیان فکری اور عملی فاصلہ بڑھتا گیا۔ آپ قوم کی بدبختی اور بگاڑ دیکھ کر رنجیدہ رہنے لگے۔ ان سے الگ تھلگ اور تنہا رہنے کی خواہش بڑھنے لگی اور یہ سوچ بھی گہری ہونے لگی کہ انہیں ہلاکت اور تباہی سے کیوں کر بچایا جائے۔

عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ رنج اور یہ خواہش بڑھتی ہی گئی اور بالآخر آپ کو کشاں کشاں ''غار حرا''[1] تک لے گئی۔ جہاں آپ سال میں رمضان کا ایک مہینہ دین ابراہیم کی بچی کھچی تعلیمات کے مطابق اللہ کی عبادت کرتے۔ مہینہ پورا کر کے صبح دم مکہ تشریف لاتے اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے گھر کی راہ لیتے۔ تین سال تک آپ نے یہی کیا۔

چالیس سال عمر پوری ہوگئی...... اور یہی سن کمال ہے اور عموماً اسی عمر میں پیغمبر بھیجے جاتے ہیں...... تو نبوت کی چمک دمک اور سعادت کی جھلکیاں نظر آنا شروع ہوئیں۔ چنانچہ آپ نیک خواب دیکھتے اور جیسا دیکھتے ویسا ہی پیش آتا۔ پھر روشنی نظر آنے لگی اور آواز سنائی دینے

---

[1] حرا پہاڑ اب ''جبل نور'' کے نام سے مشہور ہے۔ اصل مکہ سے اس کا فاصلہ تقریباً دو میل ہے، اس کی بلند چوٹی دور سے نظر آتی ہے۔ اس چوٹی کے بائیں طرف کچھ نیچے اترنے کے بعد غار واقع ہے۔ اس کی لمبائی چار میٹر سے کچھ کم ہے اور چوڑائی ڈیڑھ میٹر سے کچھ زیادہ ہے۔

لگی۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔

نبوت کا آغاز اور وحی کا نزول:

پھر تیسرے سال کے رمضان میں...... جبکہ آپ کی عمر کا اکتالیسواں سال چل رہا تھا ......آپ غارِ حرا کے اندر ذکر الٰہی اور عبادت میں مشغول تھے کہ یکا یک جناب جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو وحی و نبوت سے نوازا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی شروعات نیند میں اچھے خواب سے ہوئی۔ آپ جو خواب دیکھتے وہ سفیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا۔ پھر آپ کو تنہائی پسند آنے لگی۔ چنانچہ آپ غار حرا میں خلوت اختیار فرماتے، کئی کئی رات گھر آئے بغیر عبادت کرتے اور اس کے لیے توشہ بھی لے جاتے۔ پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آتے اور اسی جیسی مدت کے لیے پھر توشہ لے جاتے۔ یہاں تک کہ آپ غار حرا ہی میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حق آ گیا۔ یعنی آپ کے پاس فرشتہ آیا اور کہا:

''پڑھو!۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں پڑھنا نہیں جانتا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس پر اس نے مجھے پکڑ لیا اور اس زور سے دبوچا کہ مجھے چور کر ڈالا۔ پھر چھوڑ کر کہا: ''پڑھ!''

میں نے کہا: ''میں پڑھنا نہیں جانتا۔''

اس نے دوبارہ پکڑ کر دبوچا اور چور کر ڈالا۔ پھر چھوڑ کر کہا: ''پڑھ!''

میں نے کہا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔''

اس نے تیسری بار پکڑ کر دبوچا اور کہا:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ اقْرَأْ

وَرَبُّكَ ٱلْأَكْرَمُ ﴿٣﴾ ٱلَّذِى عَلَّمَ بِٱلْقَلَمِ ﴿٤﴾ عَلَّمَ ٱلْإِنسَٰنَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿٥﴾ (العلق: ۱-۵)

"پڑھ اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ! تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ علم دیا۔ انسان کو وہ بات سکھائی جسے وہ جانتا نہ تھا۔"

ان آیات کو لے کر رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے۔ آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر فرمایا:

"مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔"

انہوں نے چادر اوڑھا دی۔ یہاں تک کہ دہشت جاتی رہی۔ پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ سنا کر فرمایا:

"مجھے اپنی جان کا ڈر لگتا ہے۔"

انہوں نے کہا:

((كَلَّا، وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا۔ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَ تَقْرِئُ الضَّيْفَ وَ تُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ))(صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي، حديث : ۳)

"اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، خالی ہاتھ والوں کا بندوبست کرتے ہیں۔ مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کی مصیبت میں مدد فرماتے ہیں۔"

اس کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ یہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی لکھنا جانتے تھے۔ چنانچہ عبرانی میں توفیق الٰہی کے مطابق انجیل لکھتے تھے۔ اس وقت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا:

''بھائی جان: آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔''

ورقہ نے کہا: ''تم کیا دیکھتے ہو......؟''

آپ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرما دیا۔

ورقہ نے کہا: ''یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا۔ کاش میں! اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟''

ورقہ نے کہا: ''ہاں! کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمہارے جیسا پیغام لایا ہو مگر اس سے دشمنی نہ کی گئی۔ اگر میں نے تمہارا زمانہ پالیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔''

اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔

آغاز نبوت اور نزول وحی کی تاریخ:

یہ ہے نبی ﷺ پر پہلی بار وحی اترنے اور آپ کی نبوت شروع ہونے کا واقعہ۔ یہ رمضان کے مہینے میں لیلۃ القدر کے اندر پیش آیا۔

اللہ کا ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ ﴿١٨٥﴾

(البقرۃ: ۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ ہی (وہ مہینہ ہے) جس میں قرآن اتارا گیا۔''

نیز ارشاد فرمایا:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ﴿١﴾ (القدر: ۱)

''ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں اتارا۔''

صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ واقعہ رات کے پچھلے پہر دوشنبہ (سوموار) کی فجر طلوع ہونے سے پہلے پیش آیا۔

چونکہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کسی طاق رات میں ہوا کرتی ہے۔ اس سال دوشنبہ ۲۱ رمضان کو پڑا تھا۔ اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی نبوت آپ کی پیدائش کے اکتالیسویں سال ۲۱ رمضان دوشنبہ کی رات شروع ہوئی۔ [①] اس روز اگست کی دس تاریخ تھی اور ۶۱۰ عیسوی۔ قمری حساب سے اس وقت آپ کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن تھی اور شمسی حساب سے انتالیس سال، تین مہینے بائیس دن۔ لہٰذا آپ کی بعثت چالیس سال شمسی کے سرے پر ہوئی۔

وحی کی بندش اور دوبارہ نزول:

جیسا کہ بتایا گیا غار حرا میں پہلی بار وحی اتر کر بند ہوگئی تھی۔ یہ بندش کئی روز تک قائم رہی۔ اس کی وجہ سے نبی ﷺ کو سخت رنج و ملال ہوا لیکن مصلحت الٰہی اسی میں تھی۔ کیونکہ اس طرح خوف جاتا رہا، معاملے کی نوعیت سمجھنے کا موقع ملا اور دوبارہ وحی کی مشقت جھیلنے کے لیے صرف یہی نہیں کہ طبیعت آمادہ ہوگئی بلکہ ایک گونہ شوق وطلب بھی پیدا ہوگئی اور آپ دوبارہ وحی آنے کا انتظار فرمانے لگے۔ ادھر گوشہ نشینی کی بقیہ مدت پوری کرنے کے لیے آپ ﷺ ورقہ کے پاس سے پلٹ کر دوبارہ غار حرا میں تشریف لا چکے تھے۔ پھر جب ماہ رمضان ختم ہوگیا اور آپ کی مدت اعتکاف پوری ہوگئی تو حسب عادت پہلی شوال کی صبح حرا سے اتر کر مکہ روانہ ہوئے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں پہاڑ سے اتر کر میدان میں پہنچا تو مجھے پکارا گیا۔ میں نے دائیں دیکھا تو وہاں کچھ دکھائی نہ دیا، بائیں دیکھا تو وہاں بھی کچھ دکھائی نہ دیا۔ پھر آگے دیکھا تو وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا، پھر پیچھے دیکھا تو وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا۔ اس کے بعد میں نے سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جو فرشتہ حرا میں میرے پاس آیا تھا وہی آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر میرا پورا وجود اس کے رعب سے بھر گیا، یہاں تک کہ زمین کی طرف جا جھکا۔ پھر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا:

---

① مسند احمد کی ایک صحیح حدیث کے مطابق نزولِ قرآن کی تاریخ ۲۴ رمضان المبارک (۲۵ ویں رات) ہے۔ (مسند احمد ۴/۱۰۷)

"مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو، میرے اوپر کمبل ڈال دو اور ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارو۔"

انہوں نے کمبل اوڑھا دیا اور ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے۔ پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ قُمْ فَأَنذِرْ ﴿٢﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿٤﴾ وَٱلرُّجْزَ فَٱهْجُرْ ﴿٥﴾ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ﴿٦﴾ (المدثر: ۵،۶)

"اے کمبل پوش! اٹھ اور (لوگوں کو انکی بد عملی کے نتائج سے) ڈرا، اپنے رب کی بڑائی بیان کر، اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے الگ تھلگ رہ۔"

یہ واقعہ نماز فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس کے بعد وحی میں گرمی آ گئی، چنانچہ پے در پے وحی آنے لگی۔ ان آیات سے آپ ﷺ کی رسالت شروع ہوئی۔ آپ ﷺ کی یہ رسالت آپ ﷺ کی نبوت سے اتنے دنوں پیچھے شروع ہوئی جتنے دنوں وحی بند تھی۔ ان آیات میں آپ کو دو طرح کے کام سونپے گئے ہیں اور دونوں کے نتائج بھی بتا دیے گئے ہیں۔

ایک طرح کا کام یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کا حکم بتائیں اور بد عملی کے نتائج سے ڈرائیں۔ آپ کو یہ حکم ﴿قُمْ فَأَنذِرْ﴾ (اٹھ اور ڈرا) کے ذریعہ دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ لوگوں کو یہ بتلا اور سمجھا دیں کہ وہ جس طرح کی گمراہی اور بد عملی میں مبتلا ہیں اور غیر اللہ کی پوجا، اس کی ذات و صفات اور حقوق و افعال میں دوسروں کو شریک ٹھہرانے کا جو کام کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر ان کو عذاب دے گا۔

دوسری طرح کا کام یہ ہے کہ آپ ﷺ خود اپنے اوپر اللہ کے احکام لاگو کریں تاکہ آپ کو اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہو اور آپ دوسروں کے لیے نمونہ بھی ٹھہریں۔ یہ حکم بقیہ آیات میں دیا گیا ہے۔

چنانچہ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑائی اور کبریائی کے ساتھ اللہ ہی کو خاص کر لیں، اس میں کسی اور کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔

اور ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ کا بظاہر معنی یہ ہے کہ کپڑے اور جسم پاک رکھیں کیونکہ اللہ کے

سامنے نجاست اور گندگی کے ساتھ کھڑے ہونا ٹھیک نہیں۔ مگر محققین کے نزدیک اس کا یہ معنی ہے کہ اپنی روح کو پاک اور منزہ رکھیں۔

اور ﴿ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی ناراضگی و عذاب کے اسباب سے، قوم کی بداعمالیوں، گندگیوں اور آلودگیوں سے الگ ہو جائیں۔

اور ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ ''زیادہ چاہنے کے لیے احسان نہ کر'' کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں احسان کے بدلے کی خواہش اور امید نہ رکھیں۔ بلکہ یہ سمجھ لیں کہ یہ مشکلات اور آزمائشوں کا راستہ ہے۔ لہٰذا اپنی قوم کا دین چھوڑنے اور اللہ کی طرف بلانے پر تکالیف اور دشواریاں سہنے کے لیے تیار رہیں۔

﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ ''اپنے رب کے لیے صبر کر۔''

تبلیغ کا آغاز:

ان آیات کے اترنے کے بعد آپ ﷺ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگ گئے۔ چونکہ آپ کی قوم اکھڑ اور بت پرست تھی۔ باپ دادا سے جو کچھ ہوتا آیا تھا اسی کو حق سمجھتی تھی۔ اس میں اکڑ اور تکبر بھی بہت تھا اور وہ اپنے معاملات کے فیصلے تلوار سے کیا کرتی تھی۔ اس لیے اللہ نے آپ کے لیے یہ راستہ چنا کہ تبلیغ کا کام خاموشی اور راز داری سے کریں، صرف اسی کو مخاطب کریں جو بھلا، حق پسند اور قابل اطمینان ہو۔ ان میں بھی سب سے پہلے اپنے گھر بار، کنبے، قبیلے اور دوست واحباب کو دعوت دیں۔

پہلے پہل ایمان لانے والے:

اس پروگرام کے مطابق نبی ﷺ نے دعوت و تبلیغ شروع کی تو کئی خوش قسمت لوگوں نے اسے لپک کر قبول کیا اور آپ پر ایمان لے آئے۔

① ان میں سب سے پہلا نام سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ وہ آپ ﷺ کی بیوی ہونے کی وجہ سے آپ کے بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کو سب سے زیادہ اچھی طرح جانتی تھیں۔ انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ ایک آخری نبی کی آمد ابھی باقی ہے۔ وہ آپ کے تعلق سے کچھ

معجزانہ حالات و واقعات بھی سن چکی تھیں اور آپ میں نبوت و رسالت کی جھلک بھی دیکھ چکی تھیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ ورقہ جیسے صاحب علم و بصیرت نے بتایا تھا کہ غار حرا میں جو فرشتہ آپ کے پاس آیا تھا وہ جناب جبرائیل علیہ السلام تھے اور جو کچھ لائے تھے وہ وحی الٰہی تھا۔ سب سے آخری بات یہ کہ سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات جب اتر رہی تھیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنفس نفیس وہاں موجود تھیں۔ اس لیے یہ بالکل فطری بات تھی کہ وہ سب سے پہلے ایمان لاتیں۔

② ادھر ان آیات کے اترتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جگری دوست ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں اپنی نبوت و رسالت سے آگاہ کرتے ہوئے ایمان لانے کی دعوت دی۔ انہوں نے بے کھٹک ایمان قبول کیا اور فوراً تصدیق کرتے ہوئے حق کی شہادت دی۔ چنانچہ وہ اس امت کے سب سے پہلے مومن ہیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال چھوٹے تھے اور آپ کا کھلا چھپا سب کچھ جانتے تھے۔ لہٰذا ان کا ایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا بہترین ثبوت ہے۔

③ پہلے پہل ایمان لانے والوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر کفالت تھے، آپ ہی کے پاس رہتے تھے اور آپ ہی ان کے کھانے پینے کا بندوبست اور ان کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ کیونکہ قریش قحط سالی سے دوچار تھے اور ابو طالب کے پاس مال کم اور اولاد زیادہ تھی۔ لہٰذا ان کے بیٹے جعفر رضی اللہ عنہ کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ پال رہے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پالا۔ وہ آپ کے بچوں کی طرح آپ کے یہاں رہتے تھے اور آغاز نبوت کے وقت بلوغت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ایک قول کے مطابق ابھی دس سال کے تھے۔ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے وہی وہ بھی کرتے تھے۔ لہٰذا جب آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہوگئے اور وہ بچوں میں سب سے پہلے مومن تھے۔

④ اسی طرح پہلے پہل ایمان لانے والوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ دور جاہلیت میں گرفتار کر کے بیچ دیے گئے تھے۔ پھر انہیں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے خرید کر اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دیدیا تھا اور سیدہ

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیا تھا۔ جب ان کے والد اور چچا کو ان کی موجودگی کا علم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ عرض کی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیں اور فدیہ لینے میں بھی احسان فرمائیں۔ آپ نے زید کو بلایا اور اختیار دیا کہ چاہے آپ کے پاس رہیں چاہے والد اور چچا کے ساتھ چلے جائیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ آپ نے اسی وقت قریش کے مجمع میں جا کر اعلان فرمایا کہ آج سے زید (رضی اللہ عنہ) میرا بیٹا ہے۔ وہ میرا وارث ہوگا، میں اس کا وارث ہوں گا اور اسی دن سے ان کو ''زید بن محمد'' کہا جانے لگا۔ والد اور چچا یہ منظر دیکھ کر بخوشی واپس چلے گئے۔ یہ سارا واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے۔ اسلام آیا تو اس نے منہ بولے بیٹے کا رواج ختم کر دیا اور حضرت زید کو ''زید بن حارثہ'' کہا جانے لگا۔

یہ چاروں حضرات اسی دن ایمان لائے تھے۔ جس دن سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئی تھیں۔ کہنے والوں نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق کہا ہے کہ سب سے پہلے وہی ایمان لائے۔

اس کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی تبلیغ میں سرگرم ہو گئے اور رسالت کی ادائیگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں بازو بن گئے۔ وہ بڑے پاکدامن، پسندیدہ، نرم مزاج، شریف، دریا دل اور معزز تھے۔ عرب کے انساب و واقعات کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ ان کے کردار و اخلاق، جود و سخا، علم و فضل، لین دین اور میل جول کی خوبیوں کی وجہ سے ان کے پاس ہر قسم کے لوگوں کی آمد و رفت برابر رہا کرتی تھی۔ اب جس کو وہ بھلا اور بھروسہ کے لائق محسوس کرتے اسے اسلام کی دعوت دے دیتے۔ اس طرح فضلاء صحابہ کی ایک جماعت نے ان کے ذریعہ اسلام قبول کیا۔ جن میں سر فہرست عثمان بن عفان اموی، زبیر بن عوام اسدی، عبدالرحمٰن بن عوف زہری، سعد بن ابی وقاص زہری اور طلحہ بن عبید اللہ تیمی رضی اللہ عنہم کے نام آتے ہیں۔ ان سب سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی حقیقت بیان کی اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔

ان کے بعد درج ذیل لوگوں نے اسلام قبول کیا:

امین الامت ابوعبیدہ عامر بن جراح، ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کی بیوی ام سلمہ، ارقم ابن ابی الارقم، عثمان بن مظعون، ان کے بھائی قدامہ بن مظعون، عبداللہ بن مظعون، عبیدہ ابن حارث بن مطلب بن عبدمناف، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی سیدنا عمر کی بہن فاطمہ بنت خطاب، خباب بن ارت، جعفر بن ابی طالب اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس، خالد بن سعید بن عاص اور ان کی بیوی امینہ بنت خلف اور ان کے بھائی عمرو بن سعید بن عاص، حاطب بن حارث اور ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلّل، ان کے بھائی خطاب ابن حارث اور ان کی بیوی فکیھھ بنت یسار، نیز ان کا ایک اور بھائی معمر بن حارث، مطلب بن ازہر اور ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف اور نعیم بن عبداللہ بن نحام رضی اللہ عنہم یہ سب لوگ قریشی تھے اور قریش کی مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔اس ابتدائی دور میں قریش کے علاوہ دوسرے قبائل سے جو لوگ اسلام لائے ان کے نام یہ ہیں:

عبداللہ بن مسعود ہذلی، مسعود بن ربیعہ قاری، عبداللہ بن جحش، ان کے بھائی ابواحمد بن جحش، صہیب بن سنان رومی، عمار بن یاسر عنسی، ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم۔

اوپر ذکر کی گئی خواتین کے علاوہ مزید جن عورتوں نے اسلام کی طرف سبقت کی ان کے نام یہ ہیں:

ام ایمن برکہ حبشیہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں گود کھلایا کرتی تھیں اور آپ کے والد کی لونڈی تھیں۔ سیدنا عباس کی بیوی ام الفضل لبابۃ الکبریٰ بنت حارث ہلالیہ اور اسماء بنت ابی بکر صدیق رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

یہ لوگ اور ان کے ساتھ مزید جو لوگ اسلام لائے انہیں ''سابقین اولین'' کہا جاتا ہے۔ تلاش و جستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کو قدیم الاسلام یا سابقین اولین کہا گیا ہے ان کی تعداد قریب قریب ایک سو تیس تک پہنچ جاتی ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کے اسلام لانے کا وقت ٹھیک ٹھیک معلوم نہ ہو سکا۔ غالباً اس میں ایسے صحابہ بھی ہیں جنہوں نے کھلم کھلا اسلام کی دعوت شروع ہونے کے بعد اسلام قبول کیا۔

اہل ایمان کی عبادت و تربیت:

جیسا کہ گزر چکا ہے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کے بعد وحی پے در پے آتی رہی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی وہ سورۂ فاتحہ ہے۔ اس میں اہل ایمان کو حمد اور دعا کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اللہ کی ہستی کی چند جامع صفات بیان کر کے اس کا ٹھیک ٹھیک تصور دیا گیا ہے۔ یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ اس دنیا میں اچھے یا برے جیسے کام کرو گے ٹھیک ویسا ہی نتیجہ اور بدلہ پاؤ گے۔ یہ بدلہ آگے ایک دوسری دنیا میں ملے گا۔ اس کے علاوہ کامیابی اور سعادت کے راستے کی پہچان بھی بتائی گئی ہے۔ اس طرح دین حق کا سارا ماحصل اس سورت کی چند آیات میں آ گیا ہے۔ حمد اور دعا کی شکل میں بندے کو اس کی تعلیم دی گئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ رسالت شروع ہونے کے بعد سب سے پہلے جو حکم دیا گیا وہ نماز کا حکم تھا۔ جناب جبریل علیہ السلام نے تشریف لا کر نماز اور وضو کا طریقہ بتایا اور صبح و شام دو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

یوں مکمل طہارت اہل ایمان کی علامت ٹھہری، وضو کو نماز کی شرط قرار دیا گیا۔ سورۂ فاتحہ نماز کی اصل اور حمد و تسبیح نماز کے وظائف قرار پائے۔ اب نماز ہی اہل ایمان کی اصل عبادت تھی جو انہیں قائم کرنا تھی۔ اس کے لیے وہ نظروں سے دور جگہوں کا انتخاب کرتے اور کبھی کبھی وادیوں اور گھاٹیوں میں بھی چلے جاتے تھے۔

اسلام کے ابتدائی دنوں میں نماز کے علاوہ کسی عبادت یا امر و نہی کا پتہ نہیں چلتا۔ وحی آتی تھی، توحید کے مختلف گوشوں کو بیان کرتی تھی، صحابہ کو نفس کی صفائی کی ترغیب دیتی تھی، مکارم اخلاق پر ابھارتی تھی، جنت و جہنم کے حالات بیان کرتی تھی، ایسی زبردست نصیحتیں لے کر آتی تھی کہ ان سے سینے کھل جاتے تھے اور روح کو غذا ملتی تھی۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کتاب و حکمت کی تعلیم کے ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پاک و صاف کرتے تھے۔ انہیں دلوں کی صفائی، اخلاق کی پاکیزگی، معاملات کی سچائی اور نفس کی عفت کی تربیت دیتے تھے۔ تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتے تھے۔ صحیح راستہ بتاتے تھے

اور اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑنے، اس کی رسی کو اچھی طرح تھامنے اور اسکے معاملے میں ثابت قدم رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔

یوں تین برس گزر گئے اور صرف افراد کو دعوت دی جاتی رہی۔ مجمعوں اور محفلوں میں کہیں اعلانیہ تبلیغ نہیں کی گئی۔ لیکن قریش کو اس کا علم ہو گیا اور بعض نے اس پر نکیر بھی کی۔ بعض اہل ایمان پر کچھ زیادتیاں بھی کی گئیں لیکن عمومی طور پر قریش نے اب تک اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ ادھر نبی ﷺ نے بھی ان کے دین سے کوئی تعرض نہیں کیا اور نہ ان کے معبودوں کے بارے میں کوئی بات کہی۔

اسلام کی اعلانیہ تبلیغ

قرابت داروں میں تبلیغ:

جب اکا دکا افراد کو خاموشی سے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے تین برس گزر گئے۔ قریش اور دوسرے قبیلوں کے کچھ اچھے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور یوں اسلام کی اعلانیہ تبلیغ کے لیے حالات میں تھوڑی سی گنجائش ہو چلی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ اب آپ اپنے نزدیکی قرابت داروں کو ڈرائیں۔ پھر جو ایمان لائیں اور آپ کے پیروکار بن جائیں ان کے لیے اپنا بازو جھکائے رکھیں، جو آپ کی بات نہ مانیں ان سے آپ اپنی لاتعلقی کا اعلان کر دیں۔

اس حکم پر نبی ﷺ نے اپنے سب سے نزدیکی قرابت داروں یعنی بنو ہاشم کو اکٹھا کیا۔ ان کے ساتھ بنو مطلب کے بھی کچھ آدمی تھے۔ آپ نے ان کے سامنے اللہ کی حمد و ثنا کی۔ اس کی وحدانیت کی شہادت دی۔ پھر بڑے اچھے انداز میں ان کے لیے اپنے اخلاص کا اظہار کیا۔ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی قسم کھا کر بتلایا کہ میں تمہارے لیے خصوصاً اور تمام انسانوں کے لیے عموماً اللہ کا رسول ہوں۔ واللہ! تم لوگ اسی طرح مر جاؤ گے جیسے سوتے ہو پھر اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جیسے جاگتے ہو، اس کے بعد تم سے تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ بھلائی کا بدلہ بھلائی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا۔ پھر یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہوگی یا ہمیشہ کے لیے جہنم۔

آپ ﷺ کی یہ باتیں سن کر سب نے نرمی سے گفتگو کی۔ صرف آپ کے چچا ابولہب نے کہا کہ

”اس کا ہاتھ اس سے پہلے پکڑ لو کہ عرب اس کے خلاف اکٹھا ہوں۔ ورنہ اس وقت اگر اس کو ان کے حوالہ کرو گے تو ذلت اٹھاؤ گے اور اگر اسے بچانا چاہو گے تو مارے جاؤ گے۔“

مگر آپ کے چچا ابو طالب نے کہا کہ:

”واللہ! ہم جب تک زندہ رہیں گے اس کا بچاؤ کریں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ”تمہیں جو حکم ملا ہے اسے کر گزرو، واللہ! میں مسلسل تمہاری حفاظت اور تمہارا بچاؤ کرتا رہوں گا۔ البتہ میرا جی نہیں چاہتا کہ میں عبدالمطلب کا دین چھوڑ دوں۔“

صفا پہاڑی پر:

ان ہی دنوں اللہ نے ایک اور حکم اتارا کہ:

”تمہیں جس بات کا حکم دیا جا رہا ہے اسے کھلم کھلا بیان کر دو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔“

اس حکم کے آنے کے بعد ایک روز رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور سب سے اونچے پتھر پر چڑھ کر پکار لگائی کہ (يَا صَبَاحَاه)...... ”ہائے صبح۔“

یہ پکار اس بات کی علامت ہوا کرتی تھی کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے یا کوئی بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے قریش کے ایک ایک خاندان اور کنبے کو نام بنام پکارنا شروع کیا کہ:

”اے بنی فہر! اے بنی عدی! اے بنی فلاں! اے بنی فلاں! اے بنی عبد مناف! اے بنی عبدالمطلب!......“

جب لوگوں نے یہ آواز سنی تو کہا: ”یہ کون پکار رہا ہے؟“ کچھ لوگوں نے بتایا کہ ”محمد۔“ اس پر ہر طرف سے لوگ دوڑ پڑے، یہاں تک کہ اگر کوئی آدمی خود نہ آ سکا تو اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیج دیا کہ دیکھ آئے کیا بات ہے؟

یوں جب سب اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”یہ بتاؤ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے وادی میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟“

لوگوں نے کہا: ”ہم نے کبھی آپ کو جھوٹا نہیں پایا، ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا ہی پایا ہے۔“

تب آپ ﷺ نے فرمایا:

”اچھا تو میں ایک سخت عذاب سے پہلے تمہیں ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں، میری اور تمہاری مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی آدمی نے دشمن کو دیکھ لیا اور جھٹ پٹ دوڑا کہ گھر والوں کی حفاظت کا بندوبست کرلے لیکن اس نے خطرہ محسوس کیا کہ دشمن اس سے پہلے انہیں آدبوچے گا۔ لہٰذا وہ زور زور سے پکارنے لگا، (یَا صَبَاحَاہ)...... ”ہائے صبح۔“

اس کے بعد آپ نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ)) کا سچے دل سے اقرار کریں۔ بتلایا کہ یہی کلمہ دنیا کی کامیابی اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے، سمجھایا کہ اگر وہ اپنے شرک پر جمے رہے اور آپ کی لائی ہوئی باتوں پر ایمان نہ لائے تو اللہ کا عذاب انہیں آ پکڑے گا اور آپ رسول ہونے کے باوجود انہیں نہ عذاب سے چھڑا سکیں گے، نہ اللہ سے بچا سکیں گے۔ آپ نے یہ ڈراوا عام لوگوں کو بھی سنایا اور خاص لوگوں کو بھی۔ چنانچہ فرمایا:

”اے قریش کے لوگو! جہنم سے نجات کے بدلے اللہ تعالیٰ سے اپنی جانوں کا سودا کر لو اور اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے چھڑا لو کیونکہ میں تمہارے نفع و نقصان کا مالک نہیں اور نہ تمہیں اللہ سے بچانے کے لیے کچھ کام آ سکتا ہوں۔“

اے بنی کعب بن لؤی!

”اپنے آپ کو جہنم سے بچا لو کیونکہ میں تمہارے نفع و نقصان کا مالک نہیں۔“

اے بنی مرّہ بن کعب!

”اپنے آپ کو جہنم سے بچا لو۔“

اے بنی قصی!

''اپنے آپ کو جہنم سے بچالو، میں تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں۔''

اے بنی عبد شمس!

''اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔''

اے بنی عبد مناف!

''اپنے آپ کو جہنم سے بچالو کیونکہ میں تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں۔''

اے بنی ہاشم!

''اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔''

اے بنی عبد المطلب!

''اپنے آپ کو جہنم سے بچالو کیونکہ میں تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں اور تمہیں اللہ سے بالکل نہیں بچا سکتا۔ میرے مال میں سے جتنا چاہو مانگ لو مگر میں تمہیں اللہ سے بچانے کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔''

اے عباس بن عبد المطلب!

''میں اللہ سے بچانے کے لیے تمہارے بھی کچھ کام نہیں آ سکتا۔''

اے رسول اللہ کی پھوپھی!

''میں اللہ سے بچانے کے لیے تمہارے بھی کچھ کام نہیں آ سکتا۔''

اے رسول اللہ کی بیٹی!

''جو مال چاہو مانگ لو مگر اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ میں تمہیں بھی اللہ سے بچانے کے لیے کچھ کام نہیں آ سکتا۔''

ہاں! تم لوگوں سے نسب وقرابت کا تعلق ہے جسے اسکی تری کے مطابق تر کروں گا۔''

اس ڈراوے کے بعد لوگ ادھر ادھر بکھر گئے اور ایسا کوئی بیان نہیں ملتا کہ فوری طور پر لوگوں نے کسی قسم کی مخالفت یا تائید کی ہو۔ البتہ ابولہب بدسلوکی سے پیش آیا۔ اس نے کہا:

''تو سارے دن غارت ہو۔ تو نے اسی لیے ہم کو اکٹھا کیا تھا؟''

اس کے جواب میں سورۂ ﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ﴾ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ وہ، اس کی بیوی، اس کا مال سب غارت ہو جائیں گے اور جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے تو لگتا ہے کہ وہ یہ ڈراوا سن کر حیرت اور تعجب میں پڑ گئے اور فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے، لیکن جب گھروں کو واپس ہوئے اور پھر طبیعتوں کو قرار آیا، حیرت و تعجب ختم ہوا اور مطمئن ہو گئے تو متکبرانہ خیالات نے اپنی راہ بنائی اور انہوں نے اس تبلیغ اور ڈراوے کو حقارت اور استہزاء کی نظر سے دیکھا۔ چنانچہ نبی ﷺ جب ان کے بڑوں کے پاس سے گزرتے تو وہ اس طرح کی باتیں کہتے:

''یہی ہے جسے اللہ نے رسول بنا دیا؟ ابو کبشہ کا یہ لڑکا آسمان سے مخاطب کیا جاتا ہے؟''

ابو کبشہ نبی ﷺ کے ننھیالی نسب میں پڑتا ہے۔ اس نے قریش کا دین چھوڑ کر نصرانیت اختیار کر لی تھی۔ اس لیے جب نبی ﷺ نے ان سے الگ دین کا اعلان کیا تو انہوں نے آپ کو تحقیر اور طعنہ زنی کی نیت سے ابو کبشہ کی طرف منسوب کیا اور اس کے مثل قرار دیا۔ بہر حال نبی ﷺ اپنی تبلیغ میں لگے رہے۔ مجمعوں اور محفلوں میں بھی اس کا اظہار شروع کر دیا۔ آپ کتاب اللہ کی آیتیں پڑھتے اور پچھلے رسولوں نے جو پیغام سنایا تھا وہی پیغام سناتے کہ:

اَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ ﴿٨٥﴾ (الأعراف: ٨٥)

''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔''

اس کے ساتھ ہی آپ نے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے کھلم کھلا اللہ کی عبادت شروع کر دی۔ چنانچہ آپ دن دھاڑے سارے لوگوں کے سامنے صحن کعبہ میں نماز پڑھتے۔ آپ کی تبلیغ دھیرے دھیرے کامیاب ہوتی گئی۔ ایک ایک کر کے بہت سے لوگ مسلمان ہوتے گئے اور جو مسلمان ہوئے ان میں اور ان کے گھر کے دوسرے لوگوں میں دوری اور نفرت بھی پیدا ہوتی گئی۔

حاجیوں کی آگاہی کے لیے قریش کے مشورے:

قریش اس پوری صورت حال کو تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ اس پر بھی تھوڑا ہی

عرصہ گزرا تھا کہ حج کا وقت آن لگا اور انہیں حاجیوں کے بارے میں تشویش نے آ گھیرا۔ چنانچہ ان کی ایک جماعت ولید بن مغیرہ کے پاس آئی۔ یہ ان میں عمر رسیدہ اور مرتبے کا آدمی تھا۔

اس نے کہا: ''دیکھو! حج کا وقت آ گیا ہے۔ اب ہر طرف سے لوگ تمہارے پاس آئیں گے اور وہ صاحب کا معاملہ سن ہی چکے ہیں۔ لہٰذا کوئی ایک رائے طے کر لو اور مختلف باتیں نہ کہنا ورنہ ایک دوسرے کو جھٹلا بیٹھو گے۔''

لوگوں نے کہا: ''آپ ہی کہیں اور ہمارے لیے کوئی رائے طے کر دیں۔''

اس نے کہا: ''نہیں! بلکہ تم لوگ کہو، میں سنوں گا۔''

لوگوں نے کہا: ''اچھا تو ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہے۔''

اس نے کہا: ''وہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ (اس میں) نہ ان کی سی گنگناہٹ ہے نہ تک بندی۔''

لوگوں نے کہا: ''تب ہم کہیں گے کہ وہ پاگل ہے۔''

اس نے کہا: ''وہ پاگل بھی نہیں ہے۔ ہم پاگل پن کو بھی جانتے پہچانتے ہیں۔ اس میں نہ پاگلوں کی سی گھٹن ہے، نہ الٹی سیدھی حرکتیں، نہ بہکی بہکی باتیں۔

لوگوں نے کہا: ''تب ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔''

اس نے کہا: ''وہ شاعر بھی نہیں ہے۔ ہمیں شعر و شاعری کی تمام قسمیں معلوم ہیں۔ وہ شاعر نہیں ہے۔''

لوگوں نے کہا: ''اچھا تو یہ کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔''

اس نے کہا: ''وہ جادوگر بھی نہیں ہے۔ ہم نے جادو اور جادوگر سب دیکھے ہیں۔ اس میں نہ ان کی جھاڑ پھونک ہے نہ گرہ بندی۔''

لوگوں نے کہا: ''تب ہم کیا کہیں گے؟''

اس نے کہا: ''واللہ! اس کی بات میں مٹھاس اور رونق و تازگی ہے۔ اس کی جڑ پائیدار اور اس کی شاخ پھلدار ہے۔ تم جو بھی کہو گے واضح ہو جائے گا کہ وہ باطل ہے۔ ویسے زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ کہو کہ جادوگر ہے اور اس کی

بات جادو ہے۔ وہ اس کے ذریعہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، میاں بیوی میں، آدمی اور اس کے خاندان میں تفرقہ ڈال دیتا ہے۔''

یہ بات طے کر کے لوگ وہاں سے اٹھے اور حج کے لیے آنے والوں کی راہ میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ اب جو بھی ان کے پاس سے گزرتا اس سے آپ کی بات ذکر کرتے اور ڈراتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے آپ کو دیکھنے سے اور سننے سے پہلے ہی آپ کا معاملہ جان لیا۔

اس کے بعد جب حج کے دن آ گئے تو آپ ﷺ نے حاجیوں کے مجمعوں اور ڈیروں پر جا جا کر انہیں اسلام کی طرف بلانا شروع کیا۔ آپ ﷺ فرماتے:

''لوگو! ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهَ)) کہو کامیاب رہو گے۔''

ادھر ابولہب کا یہ حال تھا کہ آپ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا، جھٹلاتا جاتا اور تکلیف بھی پہنچاتا۔ اس طرح اس حج سے حجاج واپس ہوئے تو پورے عرب میں آپ ﷺ کا چرچا پھیل گیا۔

مقابلے کی مختلف تدبیریں

پھر خاتمہ حج کے بعد جب قریش اپنے گھروں کو واپس آ کر مطمئن ہو چکے تو انہوں نے اس مسئلے کے مکمل حل کی طرف توجہ کی اور غور وفکر اور باہمی رائے مشورے سے کئی تدبیریں طے کیں۔ جن کے متعلق ان کا اندازہ تھا کہ ان سے اسلامی دعوت کا کام تمام کیا جا سکتا ہے۔ یہ تدبیریں مختصراً یہ ہیں۔

(۱) ہنسی، ٹھٹھا اور تحقیر و استہزاء میں زیادتی کرنا:

اس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے بارے میں کہتے کہ اس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ یہ شاعر ہے، پاگل ہے، کاہن ہے، اس کے پاس شیطان آتا ہے، جادوگر ہے، جھوٹا ہے، گھڑ نیتا ہے، بناوٹی ہے وغیرہ۔ جب آپ ﷺ کو آتے جاتے دیکھتے تو غصے اور انتقام کی نظر سے یوں دیکھتے گویا کھا جائیں گے اور حقارت آمیز لہجے میں کہتے: ''یہی ہے جو تمہارے خداؤں پر انگلی اٹھاتا ہے؟''

کمزور صحابہ کو دیکھتے تو کہتے:

''یہ لو! تمہارے پاس زمین کے بادشاہ آ گئے۔ ارے! یہی ہیں جن پر اللہ نے ہم سب کو چھوڑ کر احسان کر دیا۔''

ان کا نقشہ اللہ نے یوں کھینچا کہ:

'' مجرم ایمان لانے والوں کی ہنسی اڑاتے تھے، جب ان کے پاس سے گزرتے تو

آنکھیں مارتے تھے، جب اپنے گھروں کو پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے پلٹتے تھے، جب انہیں دیکھتے تو کہتے کہ یہی لوگ گمراہ ہیں حالانکہ انہیں ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔"

مشرکین نے اس ہنسی، استہزاء، ٹھٹھا اور طعنہ زنی کی اتنی کثرت کی کہ خود نبی ﷺ کی طبیعت اس سے متاثر ہوئی جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ (الحجر: ٩٧)

"ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا سینہ تنگ ہو رہا ہے۔"

پھر بتایا کہ اس کا اثر کیسے جائے گا اور ثابت قدمی کیسے آئے گی؟ چنانچہ فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَٱعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ ٱلْيَقِينُ ﴿٩٩﴾ (الحجر: ٩٨، ٩٩)

"تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ موت آ جائے۔"

اس سے پہلے آپ ﷺ کو تسلی بھی دی گئی:

إِنَّا كَفَيْنَٰكَ ٱلْمُسْتَهْزِءِينَ ﴿٩٥﴾ ٱلَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ (الحجر: ٩٥-٩٦)

"ہم آپ کے لیے استہزاء کرنے والوں کے معاملے میں کافی ہیں۔ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود ٹھہراتے ہیں انہیں بہت جلد نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔"

اور آپ ﷺ کو یہ بھی بتایا گیا کہ ان کی یہ حرکت ان کے لیے باعث وبال ہوگی۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَقَدِ ٱسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِٱلَّذِينَ سَخِرُوا۟ مِنْهُم (الأنعام: ١٠)

"آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا جا چکا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ رہا ہے کہ خود ان مذاق اڑانے والوں کو ان کے استہزاء نے گھیر لیا۔"

(۲) لوگوں کو آپ ﷺ کی بات سننے سے روکنا:

چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ جب نبی ﷺ کو دیکھو کہ وہ لوگوں کے درمیان دعوت و تبلیغ کے لیے اٹھنا چاہتے ہیں تو خوب شور و غل مچاؤ اور لوگوں کو وہاں سے بھگا دو تاکہ انہیں اپنی بات بیان کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ مشرکین نے اس تجویز پر عمل کرنے کی ایک دوسرے کو خوب تاکید کی اور بڑی سختی اور پختگی سے اس پر عمل بھی کیا۔ چنانچہ ان کے مجمع عام میں نبی ﷺ کو تلاوت قرآن کا جو پہلا موقع مل سکا وہ نبوت کے پانچویں برس رمضان کے مہینے میں ملا۔ اس موقع پر آپ نے "سورۂ نجم" تلاوت فرمائی تھی۔

معاملہ اس قدر سخت تھا کہ نبی ﷺ جب نماز میں قرآن کی تلاوت فرماتے اور یہ تلاوت زیادہ تر رات کو تہجد کی نماز میں ہوا کرتی ...... تو یہ لوگ قرآن کو، اس کے اتارنے والے کو اور اسے لانے والے کو گالیاں دیتے۔ چنانچہ اللہ نے حکم دیا کہ:

تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾

(الإسراء: ١١٠)

"یعنی اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو، نہ بالکل بے آواز ہو کر، بلکہ بیچ کا راستہ اپناؤ۔"

اسی تدبیر کا ایک حصہ یہ تھا کہ نضر بن حارث حیرہ اور شام گیا۔ وہاں سے لوک کہانیاں، دارا و سکندر اور رستم و اسفندیار کے قصے سیکھ کر آیا۔ جہاں مجلس جمتی داستان سرائی شروع کر دیتا اور لوگوں کو موقع نہ دیتا کہ نبی ﷺ کی بات سن سکیں۔ اگر پتہ چلتا کہ کسی مجلس میں بیٹھ کر آپ نے کچھ وعظ و نصیحت کی ہے تو آپ کے ہٹتے ہی ٹپک پڑتا اور قصے کہانیاں سنا کر کہتا کہ آخر محمد ﷺ کی بات کیونکر مجھ سے اچھی ہے۔

اس کے بعد اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ گانے بجانے والی لونڈیاں خریدیں۔

جس کسی کے متعلق سنتا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہے تو اسے کسی لونڈی کے پاس لے جا کر اس لونڈی سے کہتا کہ اسے کھلاؤ، پلاؤ اور گانے سناؤ۔ اس شخص کو سمجھایا جاتا کہ محمد ﷺ جس بات کی طرف بلا رہے ہیں، یہ اس سے بہتر ہے۔ اللہ نے اسی بارے میں یہ آیت نازل کی کہ:

وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٦﴾ (لقمان: ٦)

''بعض لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے اللہ کی راہ سے گمراہ کریں اور اسے مذاق بنائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

(۳) شکوک وشبہات پیدا کرنا اور جھوٹے پروپیگنڈے کرنا:

اس میدان میں قریش نے بڑی سرگرمی دکھائی اور بڑا تفنن اختیار کیا۔ چنانچہ وہ قرآن کے بارے میں کبھی کہتے کہ یہ محض اوٹ پٹانگ خواب ہے۔ جسے محمد (ﷺ) رات میں دیکھتے ہیں اور دن میں تلاوت کرنے لگتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ انہوں نے خود اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ کبھی کہتے کہ انہیں ایک انسان سکھاتا ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ محض جھوٹ ہے جسے کچھ لوگوں کی مدد سے انہوں نے گھڑا ہے یعنی سب مل جل کر گھڑتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ یہ تو پہلوں کے افسانے ہیں، جسے انہوں نے لکھوا لیا ہے اور اب یہ اس پر صبح وشام تلاوت کیے جاتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ ان کے پاس ایک جن یا شیطان ہے جو اسی طرح قرآن لے کر اترتا ہے جیسے کاہنوں پر جن وشیطان اترا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ ٱلشَّيَٰطِينُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾ (الشعراء: ٢٢١، ٢٢٢)

''تم کہو کہ میں بتاؤں کس پر شیطان اترتے ہیں۔ وہ ایسے لوگوں پر اترتے ہیں جو پکے جھوٹے اور گنہگار ہوں۔''

یعنی شیطان صرف ایسے ہی انسانوں پر اترتے ہیں جو جھوٹے ہوں، بدکار ہوں، گناہوں میں لت پت ہوں۔ جبکہ میں ایسا انسان ہوں کہ تم نے کبھی مجھ کو جھوٹ بولتے نہیں سنا اور نہ مجھ میں کسی طرح کی کوئی برائی و بدکاری پائی۔ پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ قرآن شیطان کا اتارا ہوا ہو۔

کبھی کہتے کہ نبی ﷺ کو ایک قسم کا جنون ہوگیا۔ جس کے اثر سے وہ عجیب وغریب قسم کے معانی ومطالب سوچتے ہیں اور انہیں نہایت عمدہ قسم کے الفاظ میں ڈھال دیتے ہیں۔ جیسے شعراء اپنے اشعار ڈھالا کرتے ہیں، لہٰذا وہ شاعر ہیں اور ان کا کلام شعر ہے۔ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا:

وَٱلشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ ٱلْغَاوُۥنَ ﴿٢٢٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِى كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿٢٢٥﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٢٦﴾
(الشعراء: ٢٢٤-٢٢٦)

''یعنی شعراء کی پیروی بھٹکے ہوئے لوگ کرتے ہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جنہیں کرتے نہیں۔''

مطلب یہ کہ یہ تین باتیں شعراء کی خصوصیات میں داخل ہیں اور ان میں سے کوئی بات بھی نبی ﷺ میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ جو لوگ آپ کے پیروکار ہیں وہ اپنے دین میں، اپنے اخلاق میں، اپنے کردار میں، اپنے تصرفات میں، اپنے معاملات میں، غرض ہر بات میں صحیح راستے پر ہیں۔ راست باز ہیں، پرہیزگار ہیں اور نیکوکار ہیں۔ ان کو کسی معاملے میں بہکاوا اور گمراہی چھو کر بھی نہیں گئی ہے۔ پھر نبی ﷺ شاعروں کی طرح ہر وادی میں ہاتھ پاؤں بھی نہیں مارتے پھر رہے بلکہ آپ کی دعوت وتبلیغ کا ایک خاص میدان ہے۔ آپ ایک اللہ، ایک دین اور ایک راستے کی طرف بلا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ وہی بات کہتے ہیں جسے کرتے ہیں اور وہی کام کرتے ہیں جسے کہتے بھی ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کو شعروشاعری سے کیا نسبت اور شعروشاعری کو آپ سے کیا نسبت؟......

(۴) بحث اور کٹ حجتی:

مشرکین کو تین باتوں پر بہت اچنبھا تھا اور درحقیقت یہی تین باتیں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان دینی اختلاف کی جڑ تھیں۔ پہلی توحید، دوسری رسالت اور تیسری موت کے بعد اٹھایا جانا۔

تیسری اور آخری بات یعنی موت کے بعد اٹھائے جانے کے معاملے میں ان کے پاس تعجب، اچنبھے اور عقلی استبعاد کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ:

"بھلا ہم جب مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو ہمیں اٹھایا جائے گا۔ بھلا ہمارے باپ دادا بھی زندہ کیے جائیں گے؟ ...... یہ واپسی تو بہت دور لگ رہی ہے۔" وہ یہ بھی کہتے "آؤ ہم تمہیں ایک آدمی کا پتہ بتائیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم ایک دم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر نئے سرے سے پیدا کر دیے جاؤ گے۔ (سمجھ میں نہیں آتا کہ) وہ اللہ پر جھوٹ گھڑ رہا ہے یا پاگل ہو گیا ہے۔"

ان کے ایک کہنے والے نے یہ بھی کہا:

اَ مَوْتٌ ثُمَّ بَعْثٌ ثُمَّ حَشْرٌ
حَدِیْثُ خُرَافَةٍ یَا اُمَّ عَمْرٍو

"کیا موت آئے گی، پھر اٹھائے جائیں گے پھر حشر ہوگا؟ ام عمرو! یہ تو خرافات ہیں۔"

اللہ نے ان باتوں کا کئی طرح جواب دیا ہے۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو دنیا میں ظالم اپنے ظلم کی سزا پائے بغیر اور مظلوم ظالم سے اپنا حق وصول کیے بغیر گزر جاتا ہے۔ اسی طرح احسان کرنے والا نیکو کار اپنے احسان اور نیکی کا بدلہ پانے سے پہلے اور برائی کرنے والا بدکردار اپنی برائی و بدکرداری کی سزا پانے سے پہلے مر جاتا ہے۔ اب اگر موت کے بعد کوئی ایسا دن نہ ہو جس میں لوگوں کو زندہ کر کے ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیا جائے، احسان کرنے والے نیکو کار کو انعام اور بدکردار کو سزا دی جائے تو پھر تو دونوں طرح کے لوگ برابر ٹھہرے۔ دونوں میں کوئی فرق نہ ہوا بلکہ ظالم و بدکردار، مظلوم اور محسن و پرہیز گار سے کہیں

خوش قسمت ٹھہرا۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غیر معقول ہے، عدل و انصاف سے اسے کوئی واسطہ نہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ اپنی خلقت کا نظام ایسی اندھیر نگری اور ظلم وفساد پر رکھے گا۔ اس لیے اس نے فرمایا:

أَفَنَجْعَلُ ٱلْمُسْلِمِينَ كَٱلْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾
(القلم: ۳۵، ۳۶)

''کیا ہم مسلمانوں کو (یعنی اپنے اطاعت شعاروں اور فرمانبرداروں کو) مجرموں جیسا ٹھہرائیں گے، تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟''

دوسری جگہ فرمایا:

أَمْ نَجْعَلُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ كَٱلْمُفْسِدِينَ فِى ٱلْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ ٱلْمُتَّقِينَ كَٱلْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ (ص: ۲۸)

''کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد مچانے والوں جیسا ٹھہرائیں گے، یا کیا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کریں گے؟''

...... نیز فرمایا:

أَمْ حَسِبَ ٱلَّذِينَ ٱجْتَرَحُوا۟ ٱلسَّيِّـَٔاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ (الجاثية: ۲۱)

''کیا جن لوگوں نے برائیاں کما رکھی ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں جیسا ٹھہرائیں گے کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو گا۔ برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

جہاں تک عقلی استبعاد کا معاملہ ہے تو اللہ نے اس کی تردید یوں فرمائی کہ:

ءَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ ٱلسَّمَآءُ ۚ بَنَىٰهَا ﴿٢٧﴾ (النازعات: ٢٧)

''کیا تمہاری پیدائش زیادہ سخت ہے یا آسمان کی؟''

نیز فرمایا:

أَوَلَمْ يَرَوْا۟ أَنَّ ٱللَّهَ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَٰدِرٍ عَلَىٰٓ أَن يُحْۦِىَ ٱلْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰٓ إِنَّهُۥ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٣﴾ (الأحقاف: ٣٣)

''کیا انہیں یہ دکھائی نہیں دیتا کہ جس اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور انہیں پیدا کر کے نہیں تھکا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کردے۔ کیوں نہیں؟ یقیناً وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

یہ بھی فرمایا:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ ٱلنَّشْأَةَ ٱلْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ (الواقعة: ٦٢)

''تم پہلی بار کی پیدائش کو تو جانتے ہی ہو، پھر بات کیوں نہیں سمجھتے؟''

اور بتلایا کہ دیکھو:

كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُۥ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَآ ۚ إِنَّا كُنَّا فَٰعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ (الأنبياء: ١٠٤)

''ہم نے جس طرح پہلی بار شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پلٹا کر بھی پیدا کریں گے۔ ہم پر یہ وعدہ ہے اور ہم اسے کر کے رہیں گے۔''

اللہ نے یہ بھی یاد دلایا کہ تم اس بات کے عادی ہو کہ کسی کام کو دوبارہ کرنا پہلی بار سے زیادہ سہل ہوتا ہے اور پوچھا:

أَفَعَيِينَا بِٱلْخَلْقِ ٱلْأَوَّلِ ۚ ﴿١٥﴾ (ق: ١٥)

”(کہ اس آسمان و زمین، درخت اور پودوں اور ساری کائنات کو پہلی بار پیدا کرکے)“کیا ہم تھک گئے ہیں کہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے۔“

بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾ (ق:١٥)

”بلکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ نئی پیدائش کے سلسلے میں التباس کا شکار ہیں۔“

جہاں تک دوسری بات یعنی نبی ﷺ کی رسالت کا معاملہ ہے باوجودیکہ قریش نبی ﷺ کو انتہائی سچا، امانت دار، نیکوکار اور پرہیز گار تسلیم کرتے تھے مگر پھر بھی ان کے کچھ شبہات تھے جن کی بنا پر وہ آپ کی نبوت و رسالت تسلیم نہیں کر رہے تھے۔

ایک بہت بڑا ان کا شبہ یہ تھا کہ یہ نبوت و رسالت کے مرتبے اور مقام کو اس سے کہیں بڑا اور اونچا سمجھتے تھے کہ وہ کسی انسان کو دیا جائے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انسان رسول نہیں ہوسکتا اور رسول انسان نہیں ہوسکتا۔ اس لیے جب نبی ﷺ نے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کیا اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی تو مشرکین کو حیرت و تعجب ہوا۔ انہوں نے کہا:

مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ﴿٧﴾ (الفرقان:٧)

”یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔“

اللہ نے ان کے اس خیال کا مزید نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:

بَلْ عَجِبُوا أَن جَاءَهُم مُّنذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿٢﴾ (ق:٢)

”انہیں تعجب ہوا کہ ان کے پاس خود ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا۔ چنانچہ ان کافروں نے کہا کہ یہ تو عجیب چیز ہے۔“

انہوں نے یہ بھی کہا:

مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ ﴿٩١﴾ (الأنعام:٩١)

''اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری ہے۔''

اللہ نے ان کے اس عقیدے کو باطل ٹھہرایا اور اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ مَنْ أَنزَلَ ٱلْكِتَٰبَ ٱلَّذِى جَآءَ بِهِۦ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ ﴿٩١﴾ (الأنعام: ۹۱)

''کہہ دو! وہ کتاب کس نے اتاری جسے موسیٰ (علیہ السلام) لے کر آئے تھے اور جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی۔''

اسی طرح اللہ نے انہیں دوسرے انبیاء کے واقعات بھی سناتے ہوئے بتلایا کہ ان کی قوموں نے بھی ان کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے یہی کہا تھا کہ:

إِنْ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ﴿١٠﴾ (إبراهيم: ۱۰)

''تم لوگ بھی تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو۔''

اور اس کے جواب میں پیغمبروں نے یہی کہا:

إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ﴿١١﴾ (إبراهيم: ۱۱)

''جی ہاں! ہم بھی تمہارے جیسے بشر ہی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کر دیتا ہے۔''

مطلب یہ کہ جتنے انبیاء اور رسول گزرے ہیں وہ سب بشر ہی تھے۔ اگر بشر کے بجائے فرشتے کو رسول بنا دیا جاتا تو رسالت کا مقصد ہی پورا نہ ہوتا کیونکہ انسان فرشتوں کے نقش قدم پر چلنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ مشرکین کا شبہ بھی جوں کا توں باقی رہتا...... کیوں؟ اس لیے کہ:

وَلَوْ جَعَلْنَٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَٰهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ ﴿٩﴾ (الأنعام: ۹)

''اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے تو بھی ہم اسے انسان ہی بناتے یعنی انسانی شکل میں لوگوں کے پاس بھیجتے اور پھر وہ اسی شبہے سے دو چار ہوتے جس میں وہ (اب) پڑے ہوئے ہیں۔''

لہٰذا جب نہ رسالت کا مقصد حاصل ہو نہ لوگوں کا شبہ دور ہو تو فرشتے کو رسول بنانے کا کیا فائدہ؟

اب چونکہ مشرکین تسلیم کرتے تھے کہ سیدنا ابراہیم، سیدنا اسماعیل اور جناب موسیٰ علیہم السلام پیغمبر تھے اور بشر بھی تھے اس لیے انہیں اس شبہے پر جمنے اور اڑنے کی گنجائش نہ مل سکی۔ لہٰذا انہوں نے ایک دوسرا شبہ ظاہر کیا۔ کہنے لگے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو پیغمبری کے لیے یہ یتیم و لاچار انسان ملا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قریش اور ثقیف کے بڑے بڑے لوگوں کو تو چھوڑ دے اور اس مسکین کو اپنا پیغمبر بنا لے:

لَوْلَا نُزِّلَ هَـٰذَا ٱلْقُرْءَانُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ ٱلْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿٣١﴾ (الزخرف: ٣١)

''یہ قرآن (مکہ اور طائف کی) دونوں آبادیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا؟''

اللہ نے اس کا بڑا مختصر جواب دیا۔ فرمایا:

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ﴿٣٢﴾ (الزخرف: ٣٢)

''سوال یہ ہے کہ تمہارے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کریں گے؟''

یعنی وحی، قرآن، نبوت اور رسالت سب کی سب اللہ کی رحمت ہیں اور اللہ ہی جانتا ہے کہ اپنی رحمت کیسے تقسیم کرے، کس کو دے اور کس کو نہ دے؟ چنانچہ فرمایا:

ٱللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُۥ ﴿١٢٤﴾ (الأنعام: ١٢٤)

''اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے، یعنی کس کو دے۔''

چونکہ اس جواب کے آگے ان کا کوئی عذر چل نہیں سکتا تھا اس لیے انہوں نے ایک اور

شبہ پیش کیا۔ کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کا ایلچی ہوتا ہے۔ اس کے لیے بادشاہ کی طرف سے جاہ و حشمت کے تمام لوازمات یعنی خدم و حشم، مال و جاگیر اور جاہ و جلال کے تمام وسائل فراہم کیے جاتے ہیں۔ وہ جب چلتا ہے تو اس کے جلو میں اردلی، پاسبان اور بڑے بڑے معزز لوگ ہوتے ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ محمد (ﷺ)، اللہ کا ایلچی ہوتے ہوئے لقمۂ زندگی کے لیے بازاروں میں دھکے کھاتا پھر رہا ہے:

لَوْلَآ أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُۥ نَذِيرًا ﴿٧﴾ أَوْ يُلْقَىٰٓ إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُۥ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ ٱلظَّـٰلِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴿٨﴾ (الفرقان: ۷، ۸)

"آخر اس کے اوپر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا جو اس کے ساتھ ڈراوے کا کام کرتا، یا اس کی جانب کوئی خزانہ کیوں نہ اتار دیا گیا، یا اس کے پاس کوئی ایسا باغ کیوں نہ ہوا جس سے وہ کھاتا رہتا۔ چنانچہ ان ظالموں نے کہا کہ تم لوگ محض ایک ایسے آدمی کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔"

یہ تھا مشرکین کا اعتراض۔ لیکن معلوم ہے کہ نبی ﷺ چھوٹے، بڑے، کمزور، طاقتور، غریب، مالدار، نیچے، اونچے، غلام، آزاد ہر طرح کے لوگوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اب اگر آپ جاہ و جلال کے ساتھ خدم و حشم اور بڑے بڑے لوگوں کے جلو میں چلتے پھرتے تو آخر کمزور اور چھوٹے لوگ آپ تک کیسے پہنچ سکتے اور آپ سے کیسے فائدہ اٹھا سکتے تھے جبکہ اکثریت انہی کی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نبوت و رسالت بے فائدہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے مشرکین کے اس اعتراض کا صرف ایک لفظ میں جواب دیا گیا ہے کہ

"محمد ﷺ رسول ہیں۔"

یعنی تمہارے اعتراض کا صرف اتنا ہی جواب کافی ہے کہ وہ رسول ہیں۔ کیونکہ تم نے ان کے لیے جاہ و حشمت اور مال و دولت کا جو مطالبہ کیا ہے اس کے ہوتے ہوئے عام لوگوں میں

رسالت کی تبلیغ ہو ہی نہیں سکتی جبکہ عام لوگ ہی رسالت کا اصل مقصود ہیں۔

اس شبہے کا جواب پا کر انہوں نے ایک اور پہلو بدلا اور معجزات اور نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ جس کا مقصد محض یہ تھا کہ وہ آپ کو نبی نہ ماننے کی اپنی ضد پر قائم رہیں اور آپ کو مجبور و بے بس کر دیں۔ اس معاملے میں مشرکین اور نبی ﷺ کے درمیان جو بات چیت ہوئی اس کا کچھ حصہ ہم آگے چل کر ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

اب رہ جاتا ہے پہلا معاملہ یعنی توحید کا جو سارے اختلافات کی اصل جڑ تھی تو اس کی شکل یہ تھی کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات اور افعال میں ایک مانتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے۔ جس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق بھی ہے۔ صرف وہی مالک بھی ہے۔ اسی کے ہاتھ میں آسمان و زمین اور ان کے بیچ کی ساری چیزوں کی ملکیت ہے۔ صرف وہی رازق ہے جو انسان، حیوان، چوپائے، درندے، پرندے، غرض ہر زندہ چیز کو روزی دیتا ہے۔ صرف وہی مدبر ہے جو آسمان سے زمین تک کا سارا نظام چلاتا ہے، چھوٹی بڑی ہر چیز حتیٰ کہ چیونٹی اور ذرے تک کے معاملات کا انتظام کرتا ہے۔ صرف وہی آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب ہے، وہی عرش عظیم کا رب ہے اور ہر چیز کا رب ہے۔ اسی نے سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت چوپائے، جن، انسان اور فرشتے سب کو اپنے تابع فرمان کر رکھا ہے۔ سب اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ وہ جس کو چاہے پناہ دے دے کوئی پکڑ نہیں سکتا اور جس کو چاہے پکڑ لے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو حکم چاہے لگاتا ہے۔ نہ کوئی اس کا حکم روک سکتا ہے، نہ اس کا فیصلہ بدل سکتا ہے۔

یہ ساری باتیں مشرکین تسلیم کرتے تھے۔ ان سب میں وہ اللہ کو ایک، اکیلا اور یکتا مانتے تھے۔ وہ اللہ کی ذات اور صفات اور افعال میں کسی کو شریک نہیں مانتے تھے۔ البتہ ان سب باتوں میں اللہ کو ایک ماننے کے بعد وہ کہتے تھے کہ اللہ نے اپنے بعض مقرب اور مقبول بندوں کو، مثلاً پیغمبروں اور نبیوں کو، اولیائے کرام اور بزرگان دین کو، اچھے اور نیکوکار لوگوں کو

اس دنیا کے بعض کاموں میں کچھ تصرف کرنے کا اختیار دے دیا ہے۔ وہ اللہ کے دیے ہوئے اس اختیار کی بنا پر تصرف کرتے ہیں۔ مثلاً اولاد دے دیتے ہیں۔ مصیبت دور کر دیتے ہیں۔ بیمار کو شفا دے دیتے ہیں اور بعض ضرورتیں پوری کر دیتے ہیں۔ اللہ نے انہیں یہ اختیار اس لیے دیا ہے کہ وہ اللہ کے مقرب ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کا خاص مرتبہ و مقام ہے۔ چونکہ اللہ نے ان کو یہ تصرف و اختیار دے رکھا ہے، اس لیے وہ بندوں کی ضرورتیں غیبی طریقے سے پوری کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض مصیبتیں دور کر دیتے ہیں، بعض بلائیں ٹال دیتے ہیں۔ جس سے خوش ہو جاتے ہیں اسے اللہ کا مقرب بنا دیتے ہیں اور اللہ سے اس کی سفارش کر دیتے ہیں۔

مشرکین نے اپنے ان خیالات کی بنا پر ان انبیائے عظام، اولیائے کرام، بزرگان دین اور نیکوکار لوگوں کو اپنے درمیان اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنایا۔ ایسے ایسے اعمال ایجاد کیے جن کے ذریعہ ان لوگوں کا قرب اور ان کی رضا مندی حاصل ہو سکے۔ چنانچہ وہ مشرکین پہلے ان اعمال کو بجا لاتے، پھر عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر ان لوگوں سے فریاد کرتے اور کہتے کہ ہماری ضرورت پوری کر دو، ہماری مصیبت ٹال دو اور ہمارا خطرہ دور کر دو۔

اب رہا یہ سوال کہ وہ کیا اعمال تھے جنہیں مشرکین نے ان بزرگوں کی رضا اور تقرب کے لیے ایجاد کیا تھا تو وہ اعمال یہ تھے کہ انہوں نے ان انبیاء، اولیاء اور بزرگان دین کے نام پر بعض مخصوص جگہوں پر آستانے بنا کر ان میں ان کی اصلی یا خیالی تصویریں یا مورتیاں سجا رکھی تھیں۔ کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ ان کے خیال میں بعض اولیائے کرام یا بزرگان دین کی قبریں مل گئیں تو مورتی تراشنے کی بجائے انہی قبروں ہی پر آستانے بنا دیے۔ اس کے بعد یہ لوگ ان آستانوں پر جاتے اور مورتیوں یا قبروں کو چھو کر ان سے برکت حاصل کرتے۔ ان کے گرد چکر لگاتے، تعظیم کے طور پر ان کے سامنے کھڑے ہوتے، نذر و نیاز پیش کرتے، چڑھاوے چڑھاتے اور ان ذرائع سے ان کی قرابت اور ان کا فضل چاہتے۔ نذر و نیاز اور چڑھاوے کے طور پر یہ لوگ اپنی کوئی بھی چیز پیش کر دیتے تھے۔ کھیتی سے حاصل ہونے والے غلے، کھانے پینے کی چیزیں، جانور، چوپائے، سونا چاندی، مال و اسباب غرض جس سے جو ہو سکتا تھا نذر کر دیتا تھا۔

کھیتی، غلے، کھانے پینے کی چیزیں اور سونا چاندی، مال واسباب چڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ ان آستانوں پر کچھ مجاور اور درباری ہوا کرتے تھے، مشرکین یہ چیزیں ان کو پیش کرتے تھے اور وہ مجاور انہیں قبروں اور مورتیوں پر چڑھا دیتے تھے۔ عام طور پر ان کے بغیر براہ راست کوئی چیز نہیں چڑھائی جاتی تھی۔

البتہ جانوروں اور چوپایوں کو چڑھانے کا طریقہ علیحدہ تھا اور اس کی بھی کچھ شکلیں تھیں۔ چنانچہ وہ کبھی ایسا کرتے کہ ان اولیائے کرام اور بزرگان دین کی رضا مندی کے لیے کسی جانور کو ان کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ وہ جہاں چاہتا چرتا اور گھومتا پھرتا۔ کوئی اسے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچاتا بلکہ تقدس کی نظر سے دیکھتا۔ کبھی ایسا کرتے کہ آستانے کی بجائے گھر ہی پر ذبح کر لیتے لیکن کسی ولی یا بزرگ کے نام پر ذبح کرتے۔

ان کاموں کے علاوہ مشرکین کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ سال میں ایک یا دو مرتبہ ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانوں پر میلہ لگاتے۔ اس کے لیے خاص تاریخوں میں ہر طرف سے لوگ جمع ہوتے، اوپر ان کی جو جو حرکتیں ذکر کی گئیں ہیں وہ سب کرتے یعنی آستانوں کو چھو کر برکت حاصل کرتے، ان کا طواف کرتے، نذر و نیاز پیش کرتے، چڑھاوے چڑھاتے، جانور قربان کرتے وغیرہ۔ یہ سالانہ عرس یا میلہ ایسا اہم ہوتا کہ اس میں دور و نزدیک سے چھوٹے بڑے ہر طرح کے لوگ حاضر ہو کر اپنی نیاز پیش کرتے اور اپنا مقصد حاصل ہونے کی امید رکھتے۔

پھر یہ سارا کام مشرکین اس غرض سے کرتے تھے تا کہ ان اولیائے کرام اور بزرگان دین کا تقرب اور ان کی خوشنودی حاصل کر کے انہیں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنائیں اور ان کا دامن پکڑ کر اللہ تک پہنچ جائیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اولیائے کرام اور بزرگان دین انہیں اللہ کے قریب پہنچا دیں گے اور ان کی ضرورتوں کے لیے اللہ سے سفارش کر دیں گے۔ چنانچہ یہ ساری نذر و نیاز پیش کرنے کے بعد ان ولیوں اور بزرگوں کو پکارتے کہ اے بابا! میرا فلاں کام بن جائے اور فلاں مصیبت ٹل جائے۔ سمجھتے تھے کہ وہ ان کی باتیں سنتے ہیں اور جو مراد مانگی جائے پوری کرتے ہیں، بگڑی بناتے ہیں، مصیبتیں ٹالتے ہیں اور ایسا یا تو خود اللہ

کے دیے ہوئے تصرف کے تحت کر لیتے ہیں یا پھر اللہ سے سفارش کر کے کرا لیتے ہیں۔

تو یہ تھا مشرکین کا شرک، یہ تھی غیر اللہ کے لیے ان کی عبادت، یہ تھا اللہ کے ماسوا کو معبود بنانا اور شریک ٹھہرانا۔ یہ تھے انبیائے عظام، اولیائے کرام، بزرگانِ دین اور نیکو کار صالحین جن کو مشرکین نے الٰہ اور معبود بنا رکھا تھا۔

اب نبی کریم ﷺ جو توحید کی دعوت لیکر اٹھے۔ اللہ کے سوا ہر معبود کو چھوڑنے کا مطالبہ کیا تو مشرکین پر یہ بات بہت گراں گزری۔ انہیں یہ مطالبہ بہت بھاری اور غلط محسوس ہوا۔ انہوں نے کہا یہ کوئی سازش ہے جو اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ اور ہے:

أَجَعَلَ ٱلْـَٔالِهَةَ إِلَـٰهًا وَٰحِدًا ۖ إِنَّ هَـٰذَا لَشَىْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾ وَٱنطَلَقَ ٱلْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ ٱمْشُوا۟ وَٱصْبِرُوا۟ عَلَىٰٓ ءَالِهَتِكُمْ ۖ إِنَّ هَـٰذَا لَشَىْءٌ يُرَادُ ﴿٦﴾ مَا سَمِعْنَا بِهَـٰذَا فِى ٱلْمِلَّةِ ٱلْـَٔاخِرَةِ إِنْ هَـٰذَآ إِلَّا ٱخْتِلَـٰقٌ ﴿٧﴾

(ص: ۵-۷)

"یہ کیا انداز ہے کہ اس نے سارے معبودوں کی جگہ ایک معبود بنا ڈالا؟ یہ تو عجیب چیز ہے۔ ان کے بڑوں کا ایک گروہ اٹھا کہ چلو اور اپنے معبودوں پر ڈٹ جاؤ، یقیناً یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ ہم نے ایسی بات کسی اور ملت میں سنی ہی نہیں۔ یہ محض گھڑی ہوئی بات ہے۔"

اس کے بعد جب دعوت و تبلیغ کا کام مزید آگے بڑھا۔ ادھر مشرکین بھی اپنے شرک کو بچانے، اسلام کی تبلیغ روکنے اور مسلمانوں سے اسلام کا اثر دھونے کے لیے حجت و بحث کے میدان میں اتر پڑے تو ان پر مختلف پہلوؤں سے دلیل قائم کی گئی۔ ان سے کہا گیا کہ آخر تمہیں یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کہ اللہ نے اپنے مقرب اور مقبول بندوں کو اس دنیا میں تصرف کرنے کی قوت دے رکھی ہے۔ وہ ضرورتیں پوری کرنے اور مصیبت ٹالنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اس کی تو صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

① یا تو تمہیں غیب معلوم ہو گیا ہو۔

② یا پھر پچھلے انبیاء نے کوئی کتاب چھوڑی ہو اور اس میں تمہیں یہ بات لکھی ہوئی مل گئی ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَمْ عِندَهُمُ ٱلْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾ (القلم:٤٧)

”کیا ان کے پاس غیب ہے جسے وہ لکھتے ہیں۔“

اور فرمایا:

ٱئْتُونِى بِكِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ هَٰذَآ أَوْ أَثَٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٤﴾ (الأحقاف:٤)

”میرے پاس پہلے کی کوئی کتاب لاؤ یا علم الٰہی کا کوئی بقیہ لاؤ، اگر تم سچے ہو۔“

اور فرمایا:

قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَآ ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾ (الأنعام:١٤٨)

”اے پیغمبر! ان سے کہو تمہارے پاس کچھ علم ہے؟ اگر ہے تو ہمارے لیے نکالو۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ تم لوگ محض گمان کی پیروی کرتے ہو اور ادھر ادھر کے اٹکل پچو اور اندازے لگاتے ہو۔“

چونکہ یہ بات مشرکین بھی تسلیم کرتے تھے کہ انہیں نہ تو غیب کا کوئی علم ہے اور نہ انبیاء کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں انہیں یہ بات ملی ہے۔ اس لیے انہوں نے نہایت صفائی سے کہا کہ:

بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَآ ۚ ﴿٢١﴾ (لقمان:٢١)

”ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس بات پر پایا ہے، اسی کی پیروی کررہے ہیں۔“

إِنَّا وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ (الزخرف: ٢٢)

''ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک امت (طریقہ) پر پایا ہے اور ہم بھی ان ہی کی ڈگر پر چل رہے ہیں۔''

اس جواب سے جب مشرکین کی جہالت اور بے بسی کھل گئی تو ان سے کہا گیا دیکھو:

إِنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٧٤﴾ (النحل: ٧٤)

''تم لوگوں کو نہیں معلوم، لیکن اللہ جانتا ہے۔''

اس لیے اس کی بات سنو، وہ تمہارے ان شرکاء کی حقیقت بتلاتا ہے۔ کہتا ہے:

إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ (الأعراف: ١٩٤)

''یعنی اللہ کے سوا جن کو تم لوگ پکارتے ہو وہ بھی تمہارے جیسے بندے ہی ہیں۔''

یعنی جو چیزیں اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں ان پر جس طرح تم کو قدرت حاصل نہیں اسی طرح تمہارے ان شرکاء کو بھی ان پر قدرت حاصل نہیں۔ پس تم اور وہ دونوں بے بس ہونے اور قدرت نہ رکھنے میں یکساں اور برابر ہو۔ اسی لیے اللہ نے ان کو چیلنج کیا:

فَٱدْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا۟ لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿١٩٤﴾ (الأعراف: ١٩٤)

''یعنی اگر تم سچے ہو تو ذرا تم ان کو پکارو اور وہ تمہاری مراد پوری کر کے دکھا دیں۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتلایا:

وَٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾ (فاطر: ١٣)

’’تم لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔‘‘

اور فرمایا:

إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا۟ دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا۟ مَا ٱسْتَجَابُوا۟ لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾ (فاطر: ١٤)

’’اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں گے، اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو جواب نہ دے سکیں گے، قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا انکار کر دیں گے اور ایک خبر رکھنے والے جیسی خبر تمہیں کوئی اور نہیں دے سکتا۔‘‘

یعنی اللہ جانتا ہے اور ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔ لہٰذا اس نے جو یہ بات بتائی ہے تو یہی صحیح ہے۔ کوئی اس کے بجائے کچھ اور بتائے تو وہ غلط ہے۔...... نیز فرمایا:

وَٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْوَٰتٌ غَيْرُ أَحْيَآءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾ (النحل: ٢٠، ٢١)

’’یعنی اللہ کے ماسوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ وہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔‘‘

اور فرمایا:

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ (الأعراف: ١٩١، ١٩٢)

”یعنی یہ ایسے لوگوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ جو نہ ان کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں۔“

اور فرمایا:

وَٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَوٰةً وَلَا نُشُورًا ﴿٣﴾ (الفرقان:٣)

”یعنی ان لوگوں نے اللہ کے ما سوا ایسے لوگوں کو معبود بنا رکھا ہے جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ جو اپنے لیے بھی نفع اور نقصان کے مالک نہیں نہ ہی موت اور زندگی اور مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کا اختیار رکھتے ہیں۔“

پھر جب اللہ نے ان شرکاء کی بے بسی اور لاچاری بیان کر لی اور بتلا دیا کہ وہ مشرکین کی کسی بھی گمان کردہ چیز پر قدرت نہیں رکھتے تو اس کا نتیجہ بھی بتلایا کہ ان کو اپنی ضرورت کے لیے پکارنا اور ان سے کوئی امید رکھنا بالکل باطل اور فضول ہے۔ اس کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ نے مشرکین کے ایسے اعمال پر بعض بہت ہی دلچسپ مثالیں بیان کیں۔...... چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

لَهُۥ دَعْوَةُ ٱلْحَقِّ ۖ وَٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُم بِشَىْءٍ إِلَّا كَبَـٰسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى ٱلْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَـٰلِغِهِۦ ۚ وَمَا دُعَآءُ ٱلْكَـٰفِرِينَ إِلَّا فِى ضَلَـٰلٍ ﴿١٤﴾ (الرعد:١٤)

”یعنی یہ لوگ اللہ کے ما سوا جن کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا قطعاً کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ مگر جیسے کوئی شخص پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا دے کہ وہ پانی اس کے منہ میں آ جائے حالانکہ وہ منہ میں آ نہیں سکتا۔ (پس اسی

طرح) ان کافروں کی پکار سوائے بھٹکنے کے اور کچھ نہیں۔"

یہ بات بیان کر کے مشرکین سے ذرا سوچنے کے لیے کہا گیا، چونکہ وہ مانتے تھے کہ اللہ ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ ان کے معبودوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا ہے اور نہ وہ کچھ پیدا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں بلکہ وہ خود اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان سے کہا گیا کہ پھر تم نے اللہ تعالیٰ کو جو خالق اور قادر ہے اور اپنے ان شرکاء کو جو مخلوق اور بے بس ہیں یکساں اور برابر کیسے کر دیا؟ آخر یہ کیا بات ہوئی کہ تم اللہ کو بھی پوجتے ہو اور ان شرکاء کو بھی پوجتے ہو۔ اللہ کو بھی پکارتے ہو اور ان شرکاء کو بھی پکارتے ہو۔ آخر عبادت اور پکار کے معاملے میں تم نے دونوں کو برابر کیسے کر دیا:

أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾

(النحل: ۱۷)

"کیا جو پیدا کرتا ہے وہ پیدا نہ کرنے والے کی طرح ہے، تم لوگ سمجھتے کیوں نہیں؟"

جب یہ سوال ان کے سامنے رکھا گیا وہ بالکل بھونچکا ہو گئے۔ ان کی ساری حجت بحث جاتی رہی۔ وہ شرمندہ ہو کر چپ ہو رہے۔ پھر انہیں ایک غلط بات سجھائی دی۔ کہنے لگے:

"دیکھو ہمارے باپ دادا سارے انسانوں سے زیادہ عقلمند تھے۔ لوگوں کے درمیان ان کی عقلمندی کا شہرہ تھا۔ دور دور تک کے لوگ اس کو تسلیم کرتے تھے اور ان سب لوگوں کا دین وہی تھا جو ہمارا ہے۔ لہٰذا کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ دین باطل اور گمراہی والا دین ہو؟ خود نبی ﷺ کا باپ دادا اور مسلمانوں کے باپ دادا بھی اسی دین پر تھے۔"

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ لوگ ہدایت پر نہ تھے۔ نہ انہوں نے حق کا راستہ پہچانا تھا اور نہ اس پر چلتے تھے۔ مگر اس جواب کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ گمراہ تھے اور کچھ سمجھتے بوجھتے نہ تھے۔ یہ مطلب کبھی کبھی اشاروں کنایوں میں بیان بھی کر دیا جاتا تھا اور کبھی کبھی کھلم کھلا بھی کہہ دیا جاتا تھا...... جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾

(الصافات: ۶۹، ۷۰)

''انہوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا تو یہ بھی انہی کے نقش قدم پر دوڑے جارہے ہیں۔''

اسی کے ساتھ ایک بات یہ بھی چل رہی تھی کہ مشرکین، نبی ﷺ اور مسلمانوں کو اپنے خداؤں سے ڈرایا کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ تم لوگ معبودوں کو بے بس کہہ کر انکی شان میں گستاخی کر رہے ہو۔ لہٰذا بہت جلد ان کا غضب تمہارے اوپر بھڑکے گا۔ وہ تمہیں بھسم کر دیں گے یا تمہیں خبطی بنا کر رکھ دیں گے...... یہ دھمکی ٹھیک ویسی ہی تھی جیسی پچھلے لوگ اپنے نبیوں کو دیا کرتے تھے کہ:

إِن نَّقُولُ إِلَّا ٱعْتَرَىٰكَ بَعْضُ ءَالِهَتِنَا بِسُوٓءٍ ۗ (ھود:٥٤)

''ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض خدا تمہیں برائی کے ساتھ لگ گئے ہیں (یعنی ان کی بددعا لگ گئی ہے)۔''

اس کے جواب میں مشرکین کو وہ حقیقت یاد دلائی گئی جسے وہ خود رات دن دیکھتے رہتے تھے کہ ان کے یہ خدا نہ تو اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں نہ ذرا آگے پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ خود اپنے اوپر سے کوئی تکلیف دفعہ کر سکتے ہیں تو یہ بھلا مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچائیں گے یا بھسم کریں گے؟:

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ ءَاذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ٱدْعُوا۟ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ﴿١٩٥﴾ (الأعراف:١٩٥)

''کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے یہ چل سکتے ہیں، یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑ سکتے ہیں، یا آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکتے ہیں، یا کان ہیں جن سے سن سکتے ہیں؟ اے نبی! کہہ دو کہ تم لوگ اپنے شرکاء کو پکارو، پھر میرے اوپر اپنا داؤ چلاؤ اور مجھے

مہلت نہ دو۔"

اس قسم کے موقع پر ایک کھلی مثال بھی بیان کی گئی...... کہا گیا کہ:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥٓ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ لَن يَخْلُقُوا۟ ذُبَابًا وَلَوِ ٱجْتَمَعُوا۟ لَهُۥ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ ٱلذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ ٱلطَّالِبُ وَٱلْمَطْلُوبُ ﴿٧٣﴾ (الحج:۷۳)

"لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے۔غور سے سنو! اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ کسی طرح ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔اگر چہ اس کے لیے سب کے سب جمع ہو جائیں۔ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ چھڑا بھی نہیں سکتے۔ طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں۔"

اور فرمایا:

مَثَلُ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ ٱلْعَنكَبُوتِ ٱتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ ٱلْبُيُوتِ لَبَيْتُ ٱلْعَنكَبُوتِ ۖ لَوْ كَانُوا۟ يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ (العنکبوت:۴۱)

"ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے ماسوا کو اولیاء بنا لیا ہے، اس مکڑی جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور یقیناً سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے۔ کاش! یہ لوگ جانتے۔"

ان کے خداؤں میں اس بے بسی کو بعض مسلمانوں نے بھی بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا اور کہا:

أَ رَبٌّ يَبُولُ الثُّعْلُبَانُ بِرَأْسِهِ
لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَيْهِ الثَّعَالِبُ

"بھلا ایسا بھی پروردگار ہوتا ہے کہ جس کے سر پر لومڑیاں پیشاب کریں۔ یقیناً جس کے سر پر لومڑیاں پیشاب کریں وہ ذلیل ہے۔"

لیکن جب نوبت اس کھلم کھلا نقد و تبصرے تک پہنچ گئی تو مشرکین بھڑک اٹھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو بھی گالیاں دیں اور ان کے پروردگار کو بھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ٹوکا کہ دوبارہ اس طرح کی بات نہ کہیں...... فرمایا:

وَلَا تَسُبُّوا۟ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّوا۟ ٱللَّهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الأنعام:۱۰۸)

"مشرکین اللہ کے ماسوا جن کو پکارتے ہیں تم انہیں برا بھلا نہ کہو۔ ورنہ مشرکین بھی دشمنی کے جوش میں علم کے بغیر اللہ کو گالیاں دیں گے۔"

بہر حال جب بحث و حجت سے کام بنتا نظر نہ آیا تو مشرکین نے طے کیا کہ اسلام کی دعوت کو بزور طاقت کچل دیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک دیں۔ چنانچہ بڑے لوگوں اور قبائل کے سرداروں نے اپنے اپنے قبیلے کے مسلمانوں کو اذیتیں دینا شروع کیں۔ ان کا ایک وفد ابو طالب کے پاس گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اسلام کی تبلیغ سے منع کریں۔

مسلمانوں کو تعذیب

اس منصوبے کے تحت مسلمانوں کو ایسی ایسی تکلیفیں دی گئیں کہ ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل شق ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

- سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ امیہ ان کے گلے میں رسی ڈال کر بچوں کے حوالے کر دیتا اور وہ انہیں کھینچتے اور گھسیٹتے پھرتے۔ اس دوران سیدنا بلال ''اَحَد، اَحَد'' کہتے رہتے۔ اس کے علاوہ امیہ ان کو دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں لے جا کر، جلتی ریت یا پتھر پر ڈال کر، سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا پھر کہتا کہ یا تو محمد (ﷺ) کے ساتھ کفر کر اور لات وعزیٰ کی پوجا کر یا اسی حالت میں پڑا پڑا مر جا۔ بلال جواباً کہتے: ''اَحَد، اَحَد''

ایک روز ابو بکر رضی اللہ عنہ گزرے اور انہیں اسی طرح کی اذیت دی جا رہی تھی تو انہیں خرید کر اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔

- عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا جاتا اور اذیت دی جاتی کہ ان کی عقل جاتی رہتی اور انہیں سمجھ میں نہ آتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔
- ابو فکیھہ رضی اللہ عنہ جن کا نام افلح تھا، جو قبیلہ ازد کے رہنے والے اور قبیلہ بنو عبد الدار کے غلام تھے۔ ان کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں پہنا کر دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں نکالتے۔ کپڑے اتار کر جلتی ریت یا پتھر پر لٹا دیتے اور اوپر سے اتنا بھاری پتھر رکھ دیتے کہ ہل نہ سکیں۔ اتنی دیر تک اسی حالت میں چھوڑے رکھتے کہ عقل کھو جاتی۔ انہیں مسلسل

اسی طرح اذیتیں دی جاتی رہیں یہاں تک کہ دوسری ہجرت حبشہ میں وہ بھی ہجرت کر گئے۔ ایک بار اسی طرح ان کا پاؤں رسی میں باندھ کر گھسیٹتے ہوئے لے جایا گیا اور جلتی زمین پر ڈال کر اس طرح ان کا گلا دبایا گیا کہ سمجھا گیا کہ اب مر گئے ہیں۔ اس دوران ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو انہیں خرید کر اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔

- مشہور صحابی خباب بن ارت رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں قید ہو کر آئے تھے۔ انہیں بنوخزاعہ کی ایک عورت ام انمار بنت سباع نے خرید لیا تھا۔ یہ لوہار تھے۔ جب مسلمان ہوئے تو ان کی مالکن لوہے کا جلتا ہوا ٹکڑا لے کر آتی اور پیٹھ پر ڈال دیتی تاکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کریں۔ مگر اس سے ان کا ایمان کچھ اور ہی بڑھ جاتا۔ انہیں مشرکین بھی سزا دیتے، کبھی گردن مروڑتے، کبھی بال نوچتے اور کئی بار تو جلتے ہوئے کوئلوں پر ڈال کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا کہ اٹھ نہ سکیں۔
- سیدہ زنیرہ...... بروزن صِدّیقہ...... رضی اللہ عنہا ایک رومی لونڈی تھیں اور وہ مسلمان ہوئیں تو انہیں اللہ کی راہ میں اس قدر تکلیفیں دی گئیں کہ وہ اندھی ہو گئیں، اس پر ان سے کہا گیا کہ تمہیں لات وعزیٰ کی مار پڑ گئی ہے۔ انہوں نے کہا: ”نہیں، واللہ! انہوں نے میرا کچھ نہیں بگاڑا ہے۔ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر وہ چاہے تو اسے دور کر سکتا ہے۔“ دوسرے دن صبح ہوئی تو واقعی اللہ نے ان کی نگاہ پلٹا دی تھی۔ اس پر مشرکین کہنے لگے کہ یہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جادو ہے۔
- ام عبیس رضی اللہ عنہا بنوزہرہ کی ایک لونڈی تھیں۔ ان کا مالک اسود بن عبد یغوث انہیں ستایا کرتا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا کٹر دشمن تھا اور آپ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔
- بنوعدی کے عمرو بن مؤمل کی ایک لونڈی مسلمان ہوئیں تو انہیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ستایا کرتے تھے۔ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ انہیں اتنا مارتے کہ تھک جاتے۔ پھر چھوڑ کر کہتے کہ میں نے کسی مروت کی بنا پر نہیں بلکہ مارتے مارتے اکتا گیا ہوں اس لیے تجھے چھوڑ دیا ہے۔ وہ کہتیں تیرا رب بھی تیرے ساتھ ایسا ہی کرے گا۔
- اور جو جو لونڈیاں مسلمان ہوئیں ان میں نہدیہ رضی اللہ عنہا اور ان کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا

جاتا ہے۔ یہ دونوں بنوعبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔

❁ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا بلال، عامر بن فہیرہ اور ابو فکیھہ رضی اللہ عنہم کی طرح ان سب لونڈیوں کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر ان کے والد ابوقحافہ نے بطور عتاب کہا: ''میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور گردنیں آزاد کر رہے ہو۔ اگر طاقتور مردوں کو آزاد کرتے تو وہ تمہارا بچاؤ بھی کر سکتے تھے۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اللہ کی رضا چاہتا ہوں۔''

اس پر اللہ نے ان کی تعریف اور ان کے دشمنوں کی مذمت میں قرآن اتارا..... فرمایا:

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿٢١﴾ (اللیل: ١٤-٢١)

''یعنی میں نے تم کو ڈرا دیا ہے ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے، جس میں نہیں داخل ہوگا مگر وہی بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ (یعنی امیہ بن خلف اور اس جیسے کام کرنے والے دوسرے لوگ) اس سے وہ پرہیزگار بچا لیا جائے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے۔ اس پر کسی کا احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جا رہا ہو۔ بلکہ اس کا مقصد محض اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنا ہے اور وہ یقیناً راضی ہو جائے گا۔''

یہ ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ ان سے بھی راضی ہوا، انہوں نے جن غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کیا ان سے بھی اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی۔

❁ ان کے علاوہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور ان کے والدین کو بھی سزائیں دی گئیں۔ یہ لوگ بنومخزوم کے حلیف تھے جن کا ایک سردار ابوجہل تھا۔ چنانچہ اس کی سرکردگی میں اس قبیلہ والے ان لوگوں کو سخت دھوپ کے وقت ابطح میں لے جاتے اور اس کی گرمی میں

تپاتے۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ انکے پاس سے گزرتے تو فرماتے:

''آلِ یاسر! صبر کرنا، تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔ اے اللہ! آل یاسر کو بخش دے۔''

اسی طرح عذاب سہتے سہتے یاسر اس دنیا سے چل بسے۔ وہ قبیلہ ''مذحج'' کی ایک شاخ ''عنس'' سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کا نام عامر اور دادا کا نام مالک تھا۔

- سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام سمیہ بنت خیاط رضی اللہ عنہا تھا۔ وہ ابو حذیفہ مخزومی کی لونڈی تھیں۔ بہت بوڑھی اور کمزور ہو چکی تھیں۔ انہیں کمبخت ابو جہل نے شرمگاہ میں نیزہ مارا جس سے وہ شہید ہو گئیں اور یہ اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ ہیں۔
- باقی رہے عمار رضی اللہ عنہ تو عذاب ان کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ مشرکین سخت گرمی کے دنوں میں کبھی انہیں لوہے کی زرہ پہنا دیتے، کبھی سینے پر سرخ بھاری پتھر رکھ دیتے، کبھی پانی میں ڈبو دیتے۔ یہاں تک کہ ایک روز انہوں نے مجبوراً ان کے مطلب کی بات کہہ دی لیکن دل ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَن كَفَرَ بِٱللَّهِ مِنۢ بَعۡدِ إِيمَٰنِهِۦٓ إِلَّا مَنۡ أُكۡرِهَ وَقَلۡبُهُۥ مُطۡمَئِنُّۢ بِٱلۡإِيمَٰنِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِٱلۡكُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ ٱللَّهِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾

(النحل: ١٠٦)

''یعنی جس شخص کو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا۔ اس کے سوا جس کسی نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، یعنی کھلے دل کے ساتھ کفر کو قبول کیا تو اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس کے لیے زبردست عذاب ہے۔''

- اللہ کی راہ میں سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی اذیتیں دی گئیں۔ وہ بڑی ناز و نعمت کی زندگی گزارتے تھے۔ اسلام لائے تو ماں نے ان کا کھانا پینا بند کر دیا اور گھر سے نکال دیا۔ چنانچہ سانپ کی کچلی کی طرح انکی چمڑی ادھڑ گئی۔
- سیدنا صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کو اس قدر تکلیف دی گئی کہ وہ اپنی عقل کھو بیٹھے۔ انہیں

پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔

❀ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو طرح طرح سے ستایا گیا۔ان کا چچا ان کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھونی دیتا۔

❀ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو بھی ستایا گیا۔نوفل بن خویلد نے ...... اور کہا جاتا ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ کے بھائی عثمان بن عبید اللہ نے ...... دونوں کو پکڑ کر ایک ہی رسی میں باندھ دیا تاکہ نماز نہ پڑھنے دے اور دین پر نہ چلنے دے۔ مگر ان دونوں حضرات نے اس کی بات نہ مانی۔ پھر وہ حیرت سے دیکھتا ہے کہ دونوں کھلے ہوئے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔ چونکہ دونوں ایک رسی میں باندھے گئے تھے اس لیے انہیں ''قرین'' کہا جاتا ہے۔قرین کے معنی ہیں ''ایک ساتھ ملائے گئے۔''

ابو جہل کا حال یہ تھا کہ جب وہ کسی شریف اور بچاؤ کی طاقت رکھنے والے آدمی کے اسلام لانے کی خبر سنتا تو اسے ڈانٹتا پھٹکارتا اور دھمکیاں دیتا کہ مال وعزت کو سخت نقصان پہنچاؤں گا۔ اگر کمزور آدمی اسلام لاتا تو اسے خود بھی مارتا اور دوسروں کو بھی شہ دیتا۔غرض جس کسی کے بھی مسلمان ہونے کا پتہ لگتا مشرکین اس کے پیچھے پڑ جاتے اور جہاں تک بس چلتا ستاتے اور تکلیفیں دیتے۔

یہ زیادتیاں تو کمزور اور عام مسلمانوں کے ساتھ ہو رہی تھیں۔لیکن بڑوں اور معزز لوگوں میں سے کوئی مسلمان ہوتا تو مشرکین کو بھی ہاتھ اٹھانے سے پہلے بار بار سوچنا پڑتا۔ چنانچہ ایسے مسلمان سے اس کے ہم پلہ لوگ ہی ٹکرانے کی جرأت کرتے۔وہ بھی بہت سوچ سمجھ کر اور بچ بچا کر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین کا رویہ:

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا رعب اور شرف و وقار دے رکھا تھا کہ لوگ زیادتی کی جرأت نہ کر پاتے تھے۔ اوپر سے ابو طالب کی حفاظت بھی تھی۔ وہ قریش کے ایک عظیم سردار تھے جن کی بات مانی جاتی تھی اور ان کی ذمہ داری کا احترام کیا جاتا تھا کہ کوئی ان کی ذمہ داری توڑنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ عبد مناف کے

انسان تھے اور قریش بلکہ سارا عرب اس خاندان کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس لیے آپ کے تعلق سے مشرکین مجبور تھے کہ پرامن قدم اٹھائیں۔ چنانچہ انہوں نے ابو طالب سے گفت وشنید کا راستہ اپنایا مگر کسی قدر سختی اور چیلنج لیے ہوئے۔

قریش اور ابو طالب کے درمیان گفتگو:

چنانچہ قریش کے اشراف ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے دین پر عیب لگاتا ہے، ہماری عقلوں کو بیوقوف ٹھہراتا ہے اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ کہتا ہے۔لہٰذا یا تو آپ اسے روکیں یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں کیونکہ آپ بھی تو ہماری ہی طرح اس سے الگ دین پر ہیں، پھر ہم اس سے نبٹ لیں گے۔

جواب میں ابو طالب نے نرم بات کی اور انہیں خوش اسلوبی سے واپس کر دیا۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ کے دین پر کھلم کھلا کاربند رہ کر اس کی تبلیغ کرتے رہے۔

ابو طالب کو قریش کی دھمکی اور چیلنج:

مگر جب قریش نے دیکھا کہ نبی ﷺ اپنے کام اور اپنی تبلیغ میں مسلسل لگے ہوئے ہیں تو وہ دیر تک صبر نہ کر سکے۔ انہوں نے باہم بڑی چہ میگوئیاں کیں اور بڑے شکوے کیے۔ پھر ابوطالب کے پاس جا کر کہنے لگے:

> ''ابو طالب! آپ ہم میں سے عمر رسیدہ ہیں اور شرف و منزلت رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ سے عرض کی کہ اپنے بھتیجے کو منع کریں مگر آپ نے منع نہیں کیا اور ہم بخدا اس پر صبر نہیں کر سکتے کہ ہمارے باپ دادوں کو برا بھلا کہا جائے۔ ہماری عقلوں کو بیوقوف قرار دیا جائے۔ ہمارے معبودوں پر عیب لگائے جائیں۔ لہٰذا آپ یا تو انہیں منع کریں یا پھر ہم آپ کے اور ان کے، دونوں کے مقابل اتر پڑیں گے اور اس وقت تک نہیں ٹلیں گے جب تک کہ ایک فریق کا خاتمہ نہ ہو جائے۔''

یہ کہہ کر وہ لوگ واپس چلے گئے۔ ابو طالب کو دھمکی اور چیلنج بڑا بھاری محسوس ہوا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو بلا کر ان کی بات سنائی اور کہا کہ اب مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو۔ میری طاقت سے زیادہ مجھ پر بوجھ نہ ڈالو۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ کمزوری دیکھی تو فرمایا:

''چچا جان! واللہ! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو بھی چھوڑ نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ یا تو اللہ اس (دین) کو غالب کرے یا میں اسی راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔''

اس کے بعد آپ ﷺ کے آنسو نکل آئے اور آپ رو پڑے۔ یہ دیکھ کر ابو طالب کی محبت اور قوت ارادی پلٹ آئی۔ انہوں نے کہا:

''بھتیجے! جاؤ جو کہنا ہے کہو۔ واللہ! میں تمہیں کبھی کسی بھی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتا۔''

قریش کی عجیب و غریب تجویز اور ابو طالب کا دلچسپ جواب:

قریش نے دیکھا کہ ان کی دھمکی کارگر نہ ہوئی کیونکہ رسول اللہ ﷺ اپنا کام کیے جا رہے ہیں اور ابو طالب ان کی مدد پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنے بھتیجے کی مدد کے بدلے قریش کی عداوت اور جدائی منظور ہے اور وہ لڑنے بھڑنے کے لیے تیار ہے۔ اس لیے قریش کو ذرا ٹھہر کر سوچنا پڑا اور وہ دیر تک مشورہ کرتے رہے۔ آخر انہیں ایک عجیب و غریب تجویز سوجھی۔ قریش میں ایک شخص عمارہ بن ولید تھا۔ بڑا خوبصورت اور بانکا نوجوان......اور جوانوں کا سردار...... یہ لوگ اسے ساتھ لے کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا:

''ابو طالب! آپ اس نوجوان کو ہم سے لے لیجیے اور اسے اپنا لڑکا قرار دے لیجیے۔ آپ اس کی مدد بھی کیجیے اور دیت بھی لیجیے۔ ہمیں اس کے بدلے اپنا بھتیجا دے دیجیے جو آپ کے دین کا اور آپ کے باپ دادا کے دین کا مخالف ہے، جس نے آپ کی قوم میں پھوٹ ڈال رکھی ہے اور ان کی عقلوں کو بیوقوف قرار دے رکھا ہے۔ ہم اسے لے جا کر قتل کریں گے، بس یہ ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی کا معاملہ ہوا۔''

ابو طالب نے کہا:

''واللہ! تم لوگ انتہائی برا سودا کر رہے ہو، مجھے تو تم اپنا بیٹا دیتے ہو کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور مجھ سے میرا بیٹا مانگ رہے ہو کہ اس کو قتل کرو؟ واللہ! یہ کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔''

رسول اللہ ﷺ پر دست درازیاں

جب قریش ہر طرح ناکام اور مایوس ہو گئے۔ نہ ان کی دھمکی کام آئی نہ سودے بازی تو انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ پر دست درازی شروع کر دی۔ مسلمانوں پر جو سختیاں وہ پہلے سے کرتے آ رہے تھے ان میں اور اضافہ کر دیا۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ حشمت وعزت اور اکرام و احترام کا بلند مقام رکھتے تھے اس لیے آپ پر دست درازی کی جرأت صرف بڑے بڑوں اور سرداروں نے کی۔ چھوٹوں اور عام لوگوں کو یہ جرأت نہ ہو سکی۔

آپ ﷺ کو گھر کے اندر جو لوگ تکلیف دیتے تھے ان کے نام یہ ہیں۔ ابولہب، حکم بن ابی العاص بن امیہ، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمراء ثقفی، ابن الاصداء ہذلی۔ یہ سب آپ کے پڑوسی تھے۔ جب آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو ان میں سے کوئی شخص بکری کی بچہ دانی اٹھا کر آپ پر پھینک دیتا اور جب ہانڈی چولہے پر چڑھی ہوئی ہوتی تو اس ہانڈی میں پھینک دیتا۔ آپ جواب میں صرف اتنا کرتے کہ اسے لکڑی پر اٹھا کر لاتے اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے: ''اے بنو عبد مناف! یہ کیسا پڑوس ہے؟'' پھر اسے راستے میں پھینک دیتے۔

- امیہ بن خلف جب آپ ﷺ کو دیکھتا تو طعن و تشنیع کرتا۔ آنکھیں دبا کر ان سے اشارے کرتا اور لوگوں کو ہشکارتا۔ اسی طرح اسکا بھائی ابی بن خلف دھمکیاں دیتا۔ کہتا کہ:

  ''اے محمد! میرے پاس عود نامی گھوڑا ہے جسے روزانہ تین صاع خوراک کھلاتا ہوں۔ اسی پر سوار ہو کر تجھے قتل کروں گا۔''

بالآخر آپ نے ایک بار فرمایا: ''بلکہ میں ان شاء اللہ تجھے قتل کروں گا......''
اور ایسا ہی ہوا کہ احد میں آپ نے اسے قتل کیا۔ ایک روز یہی ابی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی لایا اور اسے توڑ کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف پھونک دیا۔

❁ ایک بار عقبہ بن ابی معیط نے نبی ﷺ کے پاس بیٹھ کر کچھ سنا۔ ابی بن خلف کو جو اس کا دوست تھا۔ معلوم ہوا تو اس نے عتاب کیا اور کہا کہ نبی ﷺ کے چہرے پر جا کر تھوکو، اس نے ایسا ہی کیا۔

❁ ابولہب تو پہلے ہی دن سے آپ ﷺ کا دشمن تھا اور آپ کے درپے آزار رہا کرتا تھا۔ اس کے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ کے عقد میں نبی ﷺ کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم تھیں۔ ابولہب نے دونوں بیٹوں سے کہا کہ:

''اگر تم نے محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی تو میرا تمہارا آمنا سامنا حرام ہے۔ اس کی بیوی نے بھی کہا کہ انہیں طلاق دے دو کیونکہ وہ بے دین ہوگئی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے طلاق دیدی۔''

❁ ابولہب کی یہ بیوی ام جمیل اروی بنت حرب بھی رسول اللہ ﷺ کی کٹر دشمن تھی۔ وہ کانٹے دار ڈالیاں لا کر رات کو آپ کے راستے میں ڈال دیتی کہ آپ اور آپ کے ساتھی زخمی ہوں۔

اسے سورۂ ﴿ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ ﴾ کے اترنے کا پتہ چلا تو ہتھیلی میں پتھر لے کر آپ کی تلاش میں نکل پڑی۔ آپ خانۂ کعبہ کے پاس ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اللہ نے اس کی نگاہ پکڑ لی۔ چنانچہ وہ صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی: ''تمہارا ساتھی کہاں گیا؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری ہجو کرتا ہے۔ واللہ! اگر اسے پا جاؤں گی تو یہی پتھر اس کے منہ پر دے ماروں گی۔ سن لو! میں بھی شاعرہ ہوں۔'' اس کے بعد یہ کہہ کر چلی گئی:

مُذَمَّمًا...... .... عَصَیْنَا
وَاَمْرَہُ اَبَیْنَا......وَ دِیْنَہُ قَلَیْنَا

''ہم نے مذمم کی نافرمانی کی،اس کی بات سے انکار کیا اور اس کے دین کو نفرت سے چھوڑ دیا۔''

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یا رسول اللہ! کیا اس نے آپ کو نہیں دیکھا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''نہیں،نہیں دیکھا۔اللہ نے اس کی نگاہ پکڑ لی تھی۔''

قریش نے نبی ﷺ کو گالی دینے اور برا بھلا کہنے کا ایک طریقہ یہ بھی نکال رکھا تھا کہ وہ آپ کو ''محمد'' کی بجائے ''مذمم'' کہتے تھے۔جس کا معنی محمد (ﷺ) کے بالکل الٹ ہے۔محمد (ﷺ) کا معنی ہے ''وہ شخص جس کی خوب تعریف کی گئی ہو'' اور مذمّم کا معنی ہے ''وہ شخص جس کی خوب برائی کی گئی ہو۔'' لیکن اللہ نے اسے آپ سے یوں پھیر دیا کہ وہ مذمم نامی آدمی کو گالی دیتے تھے جب کہ آپ کا نام محمد (ﷺ) تھا۔

- اخنس بن شریق ثقفی بھی آپ ﷺ پر زیادتیاں کرتا۔
- اور ابو جہل کا تو کہنا ہی کیا۔اس نے تو اللہ کی راہ سے روکنے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔وہ نبی ﷺ کو اپنی باتوں سے اذیت پہنچاتا،نماز سے روکتا اور اپنی حرکتوں پر فخر و تکبر کرتا۔ ایک روز نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو سختی پر اتر آیا اور دھمکیاں دینے لگا۔ بالآخر آپ نے اسے ڈانٹ دیا اور گلے کے پاس سے کپڑا پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا:

أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٥﴾ (القيامة: ٣٤، ٣٥)

''تیرے لیے خرابی در خرابی ہے۔''

اس نے کہا: ''محمد! مجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔واللہ! تم اور تمہارا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔میں اس وادی (مکہ) کا سب سے طاقتور آدمی ہوں۔''

ایک روز اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''محمد تمہارے سامنے اپنا چہرہ مٹی پر رکھتا ہے۔''

انہوں نے کہا! ''ہاں۔''

اس نے کہا:

"لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو اس کی گردن روند دوں گا اور اس کا چہرہ مٹی پر رگڑ دوں گا۔"

اس کے بعد اس نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اس زعم میں چلا کہ آپ کی گردن روند دے گا لیکن لوگوں نے اچانک کیا دیکھا کہ وہ ایڑی کے بل پلٹ رہا ہے اور دونوں ہاتھ سے بچاؤ کر رہا ہے۔ لوگوں نے کہا: "ابوالحکم! تمہیں کیا ہوا؟" کہنے لگا:

"میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور ہولناکیاں اور پروں کے بازو ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک لیتے۔"

❀ ایسی ہی بدبختی عقبہ بن ابی معیط کے بھی حصے میں آئی۔ ایک بار آپ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے کچھ ساتھی بیٹھے تھے۔ اتنے میں بعض نے بعض سے کہا:

"کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد (ﷺ) سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے۔"

اس پر قوم کا بد بخت ترین آدمی عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اوجھڑی لا کر انتظار کرنے لگا۔ جب آپ نے سجدہ کیا تو دونوں کندھوں کے بیچ میں ڈال دی۔ پھر وہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ ادھر آپ سجدہ ہی میں رہے، سر نہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں۔ آپ کی پیٹھ سے اوجھڑی اتار پھینکی۔ تب آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْش ......)) "اے اللہ! تو قریش کو پکڑ لے۔"

یہ بددعا ان پر شاق گزری، کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر آپ نے ایک ایک شخص کا نام لے لے کر بددعا کی کہ "اے اللہ! فلاں کو پکڑ لے اور فلاں کو......" اور ہوا بھی یہی کہ یہ سب کے سب آئندہ بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔

رسول اللہ ﷺ سے استہزاء کرنے والے پانچ بڑے بڑے لوگ تھے۔ ولید بن مغیرہ

مخزومی، اسود بن عبد یغوث زہری، ابو زمعہ اسود بن عبد المطلب اسدی، حارث بن قیس خزاعی، عاص بن وائل سہمی۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ ان کے شر سے بچاؤ کے لیے تنہا اللہ آپ کو کفایت کرے گا۔ پھر ہر ایک پر ایسی بلا نازل کی جو عبرت و نصیحت سے بھرپور تھی۔

- چنانچہ ولید کو چند سال پہلے سے تیر کی ایک خراش لگی ہوئی تھی جو کچھ بھی نہ تھی۔ مگر جبریل علیہ السلام نے اس خراش کے نشان کی طرف اشارہ کر دیا اور وہ پھوٹ پڑی اور وہ اسے اذیت و تکلیف پہنچانے کے بعد جان لیوا ثابت ہوئی۔
- اسی طرح اسود بن عبد یغوث کے سر کی طرف جناب جبریل علیہ السلام نے اشارہ کیا تو اس کو پھوڑے نکل آئے۔ انہی پھوڑوں سے اس کی موت واقع ہوگئی...... اور کہا جاتا ہے کہ اسے لو لگ گئی تھی...... یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا جس سے اسے استسقاء کی بیماری ہوگئی اور پیٹ اس قدر پھول گیا کہ بالآخر اس سے وہ مر گیا۔
- اسود بن عبدالمطلب نے جب رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں پہنچا پہنچا کر بہت تنگ کر دیا تو آپ نے بددعا کی کہ:

"اے اللہ! اس کی نگاہ چھین لے اور اسے لڑکے سے محروم کر دے۔"

چنانچہ جناب جبریل علیہ السلام تشریف لائے، اس کے چہرے پر کانٹے دار پتے یا ڈالی سے مارا اور اس کی نگاہ جاتی رہی۔ پھر اس کے لڑکے کو مارا اور وہ مر گیا۔

- حارث بن قیس کے پیٹ میں پیلا پانی ہو گیا۔ اس کی ناک سے پاخانہ نکلا اور وہ مر گیا۔
- عاص بن وائل سہمی ایک زہریلے کانٹے پر بیٹھ گیا جو اس کے پیر کے تلوے میں جا دھنسا، اس کا زہر سر تک چڑھ گیا اور بالآخر اسی سے وہ مر گیا۔

یہ ان سختیوں کا ایک مختصر سا خاکہ ہے جو کھلم کھلا تبلیغ کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ اس پیچیدہ صورت حال کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے دو قدم اٹھائے۔

دارِارقم:

پہلا قدم یہ تھا کہ آپ ﷺ نے ارقم بن ابی الارقم مخزومی کے گھر کو تبلیغ وعبادت اور تعلیم و تربیت کا خفیہ مرکز بنا دیا کیونکہ وہ بدمعاشوں کی نگاہوں سے دور صفا کے دامن میں واقع تھا چنانچہ وہاں آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خفیہ طور پر اکٹھا ہوتے، ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت فرماتے، ان کا تزکیہ کرتے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتے۔ اس تدبیر سے بہت سے ایسے حادثات سے بچاؤ ہو گیا کہ اگر آپ کھلے طور پر اکٹھا ہوتے تو ان کے پیش آنے کا غالب امکان تھا۔ باقی جہاں تک نبی ﷺ کی اپنی ذات کا تعلق ہے تو آپ مشرکین کے بیچوں بیچ کھلم کھلا اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے اور اس کے دین کی دعوت بھی دیتے تھے۔ اس سے نہ آپ کو کوئی ظلم وزیادتی روک سکتی تھی نہ مذاق اور استہزاء، یہ اللہ کی حکمت تھی تاکہ جو ایمان لائے اسے بھی دعوت پہنچ جائے اور جو ایمان نہ لائے اسے بھی۔ اس تبلیغ کے بعد کسی کے لیے اللہ کے خلاف حجت باقی نہ رہ جائے۔ قیامت کے روز کوئی کہنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔

ہجرتِ حبشہ:

دوسرا قدم یہ تھا کہ آپ ﷺ نے یہ اچھی طرح معلوم کر لینے کے بعد کہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک انصاف پسند حکمران ہے۔ اس کے پاس کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں۔

اس ہدایت کے مطابق رجب ۵ نبوت میں مسلمانوں کے پہلے قافلے نے ہجرت کی۔ اس میں بارہ مرد تھے اور چار عورتیں۔ ان کے سردار عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو نبی ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور یہ جناب ابراہیم اور جناب لوط علیہما السلام کے بعد پہلا گھرانا تھا جس نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی تھی۔

یہ لوگ رات کے اندھیرے میں چپکے سے نکلے اور جدہ کے جنوب میں واقع شعیبہ کی بندرگاہ کا رخ کیا۔ قسمت کی بات ہے کہ وہاں دو تجارتی جہاز موجود تھے۔ یہ لوگ ان پر سوار

ہو کر حبشہ پہنچ گئے۔

ادھر قریش کو ان کے بھاگنے کا پتہ چلا تو غیظ و غضب سے پھٹ پڑے۔ فوراً آدمی دوڑائے کہ انہیں پکڑ کر مکہ لایا جائے اور خوب خوب سزا دی جائے، یہاں تک کہ وہ اللہ کا دین چھوڑ دیں۔ لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے مسلمان سمندر میں دور جا چکے تھے لہٰذا یہ لوگ ساحل تک جا کر نامراد واپس آ گئے۔

مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کا سجدہ:

اس ہجرت کے دو مہینے بعد رمضان ۵ نبوت میں ایک روز رسول اللہ ﷺ مسجد حرام تشریف لائے۔ اس وقت کعبہ کے آس پاس قریش کے بہت سارے لوگ جمع تھے۔ ان میں ان کے سردار اور بڑے بڑے لوگ بھی تھے۔ سورۂ نجم ابھی تازہ بہ تازہ اتری تھی۔ آپ ﷺ نے ان کے درمیان اچانک کھڑے ہو کر اس کی تلاوت شروع کر دی۔ ایسا نفیس کلام انہوں نے کبھی سنا نہ تھا۔ اب جو اچانک کانوں سے ٹکرایا تو انہیں بے خود کر گیا۔ وہ دم بخود ہو کر سنتے کے سنتے رہ گئے۔ خاموش، مبہوت، نہ روکنے کا یارا نہ ٹوکنے کا ہوش۔ بلکہ سورت کے آخر میں جب ڈانٹ ڈپٹ والی آیتیں آئیں تو دلوں پر کپکپی طاری ہو گئی، ہوش اڑتے محسوس ہوئے اور جیسے ہی آپ نے یہ پڑھ کر سجدہ کیا کہ:

فَٱسْجُدُوا۟ لِلَّهِ وَٱعْبُدُوا۟ ۩ ﴿٦٢﴾ (النجم: ٦٢)

''اللہ کے لیے سجدہ اور عبادت کرو۔''

تو سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے، کسی کو حکم ربانی سے سرتابی کا یارا نہ رہا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے سورۂ نجم پڑھی۔ پھر سجدہ کیا تو قوم کا کوئی فرد نہ بچا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ ایک آدمی نے ایک مٹھی کنکری یا مٹی لی۔ اسے اپنے چہرے تک لے گیا اور کہا: ''میرے لیے یہی کافی ہے۔'' بعد میں میں نے دیکھا کہ وہ حالت کفر میں مارا گیا...... یہ امیہ بن خلف تھا، جو بدر کے روز مارا گیا۔

مہاجرین کی واپسی:

اس واقعہ کی خبر حبشہ پہنچی لیکن خاصے فرق کے ساتھ یعنی انہیں معلوم ہوا کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں، چنانچہ وہ خوشی خوشی مکہ پلٹے، لیکن جب مکہ سے اتنے قریب آ گئے کہ صرف ایک گھڑی کا فاصلہ باقی رہا تو حقیقت حال کا علم ہوا۔ اس کے بعد کچھ لوگ تو وہیں سے حبشہ پلٹ گئے اور کچھ لوگ چھپ چھپا کر یا کسی کی پناہ لے کر مکہ آ ئے۔

دوسری ہجرت حبشہ:

اس کے بعد مسلمانوں پر قریش کی سختیاں اور بڑھ گئیں۔ کیونکہ ایک طرف تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ بے خودی میں جو سجدہ کر دیا تھا اس کا انہیں پچھتاوا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے ساتھ نجاشی جو حسن سلوک کر رہا تھا اس کی انہیں جلن تھی۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ وہ دوبارہ حبشہ ہجرت کر جائیں چنانچہ اب کی بار بیاسی یا تراسی مرد اور اٹھارہ عورتوں نے ہجرت کی۔ ظاہر ہے کہ یہ ہجرت پہلی ہجرت سے زیادہ پر مشقت تھی کیونکہ قریش چوکنا تھے اور مسلمانوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ لیکن مسلمان ان سے کہیں زیادہ چوکنا، باحکمت اور ٹھوس قدم ثابت ہوئے۔ ان کی ساری دھر پکڑ کے باوجود حبشہ نکل گئے۔

مسلمانوں کی واپسی کے لیے قریش کا حربہ:

قریش پر یہ بات بہت گراں گزری کہ مسلمان ان سے چھوٹ کر ایک ایسی محفوظ جگہ جا پہنچے ہیں جہاں ان کی جان اور ایمان کو کوئی خطرہ نہیں۔ چنانچہ ان کی واپسی کے لیے قریش نے اپنے دو ہوشیار آدمیوں یعنی عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو حبشہ بھیجا۔ یہ دونوں اس وقت مشرک تھے۔

انہوں نے حبشہ پہنچ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق سب سے پہلے پادریوں سے ملاقاتیں کیں۔ انہیں تحفے تحائف پیش کر کے مدلل اور مؤثر انداز میں اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ ان سب نے ہامی بھر لی۔ اس کے بعد نجاشی کے پاس آئے اور اسے بھی تحفے تحائف

پیش کیے، پھر اصل مقصد کے لیے زبان کھولی اور کہا:

"بادشاہ سلامت! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ ناسمجھ نوجوان بھاگ آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے۔ جسے نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ۔ اس لیے ہمیں آپ کی خدمت میں ان کی قوم کے اشراف یعنی ان کے والدین، چچاؤں اور کنبے قبیلے کے لوگوں نے بھیجا ہے تا کہ آپ انہیں واپس بھیج دیں۔ کیونکہ وہ لوگ ان پر سب سے اونچی نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی خامی اور خرابی کو سب سے اچھی طرح سمجھتے ہیں۔"

جب ان کی یہ بات پوری ہو چکی تو پادریوں نے بھی منصوبے کے مطابق ان کی تائید کی لیکن نجاشی نے احتیاط برتی اور سوچا کہ فریقین کی بات سننی چاہیے، تبھی حق واضح ہو سکے گا۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بلایا اور پوچھا کہ:

"یہ کیا دین ہے؟ جس کی وجہ سے تم اپنی قوم سے الگ ہو گئے ہو لیکن نہ میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ ان ملتوں ہی میں سے کسی کے دین میں داخل ہوئے ہو؟"

اس کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے سیدنا جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے بات کی۔ انہوں نے کہا:

"اے بادشاہ! ہم جاہلیت والی قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، برائیاں کرتے تھے، قرابت داروں سے تعلق توڑتے تھے، پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے، ہمارا طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ ہم اس کی عالی نسبی، سچائی، امانت اور پاکدامنی کو جانتے تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اسے ایک مانیں اور اسی کی عبادت کریں۔ اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت

جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری وخونریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ بے حیائی کے کاموں سے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے رکھنے کا حکم دیا۔"

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے اور کاموں کو بھی گنایا۔ پھر کہا:

"ہم نے اس پیغمبر کو سچا مانا، اس پر ایمان لائے، اس کی پیروی کی اور اس کے لائے ہوئے دین الٰہی میں اس کی اتباع کی۔ چنانچہ ہم نے صرف ایک اللہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ جو چیزیں اس نے حرام بتائیں انہیں حرام مانا اور جو چیزیں حلال بتائیں انہیں حلال مانا۔ اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی۔ اس نے ہم پر ظلم وستم کیا اور ہمیں دین سے پھیرنے کے لیے فتنوں اور سزاؤں سے دوچار کیا تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بت پرستی کی طرف پلٹ جائیں۔ جن گندی چیزوں کو حلال سمجھتے تھے انہیں پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انہوں نے ہم پر بہت قہر وظلم کیا، زمین تنگ کردی، ہمارے درمیان اور ہمارے دین کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہ لی۔ آپ کو دوسروں پر ترجیح دی۔ آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا اور یہ امید کی کہ اے بادشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔"

نجاشی نے یہ بات سنی تو سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے کچھ قرآن پڑھنے کی فرمائش کی۔ انہوں نے کھیٰعص یعنی "سورۂ مریم" کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ اس پر نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی تر ہوگئی۔ تمام پادری بھی اس قدر روئے کہ ان کے صحیفے تر ہو گئے۔ پھر نجاشی نے کہا کہ:

"یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے دونوں ایک طاق شمع سے نکلے ہوئے ہیں۔"

اس کے بعد قریش کے دونوں نمائندوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ:

''تم لوگ چلے جاؤ۔ واللہ! میں ان کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا اور نہ ان کے خلاف کوئی چال چلی جا سکتی ہے۔''

دوسرے دن عمرو بن عاص نے ایک خطرناک تدبیر اختیار کی۔ نجاشی سے کہا کہ:

''یہ لوگ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک بری بات کہتے ہیں۔''

اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلوایا اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم ان کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو نبی ﷺ لے کر آئے ہیں۔ یعنی وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری، پاکدامن مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا تھا۔''

اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا:

''اللہ کی قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے عیسیٰ علیہ السلام ایک تنکے برابر بھی اس سے بڑھ کر نہ تھے۔ جاؤ تم لوگ میرے قلمرو میں امن و امان سے رہو، جو تمہیں گالی دے گا اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ (تین بار کہا) مجھے سونے کا پہاڑ ملے تو بھی گوارا نہیں کہ تم میں سے کسی کو ستاؤں۔''

اس کے بعد حکم دیا کہ قریش کے نمائندوں کو ان کے تحفے تحائف واپس کر دیے جائیں۔ چنانچہ یہ دونوں صاحبان منہ لٹکائے مکہ واپس لوٹے اور مسلمانوں نے اچھے دیار میں اچھے ہمسائے کے ساتھ قیام کیا۔

مشرکین کی حیرت:

اس ناکامی پر مشرکین نے بہت پیچ و تاب کھایا اور چاہا کہ باقی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں بالخصوص وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ نبی ﷺ اپنی تبلیغ کا کام کیے جا رہے ہیں۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر الجھن میں پڑ جاتے تھے کہ سخت سے سخت دھمکی کے باوجود ابو طالب آپ کی مدد پر کمر بستہ ہیں اور ان سے ٹکرانا آسان نہیں۔ اس لیے انہیں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں۔ کبھی

خونخواری کا جذبہ غالب آتا اور نبی ﷺ کو اور بچے کھچے مسلمانوں کو سزائیں دینے لگتے تو کبھی بحث و مناظرے کا دروازہ کھول دیتے، کبھی دنیا کی پر کشش چیزوں کی پیشکش کرتے تو کبھی ''کچھ لو، کچھ دو'' کے اصول پر سودے بازی کرتے اور کبھی سوچتے کہ نبی ﷺ کا صفایا کر کے اسلام کا چراغ گل کر دیں مگر ان میں سے کوئی بات بن نہ سکی اور کسی طرح مراد پوری نہ ہو سکی۔ بلکہ ان ساری کوششوں کا نتیجہ ناکامی و نامرادی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اگلی سطور میں ایک کا مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

تعذیب اور قتل کی کوشش:

یہ فطری بات تھی کہ ناکامی کی صورت میں مشرکین کا جذبۂ خونخواری اور بھڑک اٹھتا۔ چنانچہ اب صرف یہی نہیں کہ انہوں نے بچے کھچے مسلمانوں پر ظلم و جور کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیے بلکہ رسول اللہ ﷺ پر بھی دست درازیاں کیں۔

چنانچہ ایک بار عتیبہ بن ابی لہب نبی ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ وہ:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ﴿٨﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴿٩﴾ (النجم:۸،۹)

والے کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ کی ایذاء رسانی کے درپے ہو گیا، آپ کا کرتا پھاڑ دیا اور آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا۔ البتہ تھوک خود اسی پر پلٹ آیا۔ آپ نے فرمایا:

''یا اللہ! تو اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا چھوڑ دے۔''

اس کے بعد وہ ایک قافلے کے ساتھ ملک شام آ گیا۔ جب قافلے نے راستے میں ملک شام کے مقام ''زرقاء'' پر پڑاؤ ڈالا تو ایک شیر نے ان کا چکر لگایا۔ عتیبہ کہنے لگا:

''یہ واللہ! مجھے کھا جائے گا۔ جیسا کہ محمد ﷺ نے مجھ پر بد دعا کی ہے۔ میں شام میں ہوں، وہ مکہ میں ہے لیکن اس نے مجھے مار ڈالا۔''

چنانچہ جب وہ لوگ سونے لگے تو عتیبہ کو اپنے بیچوں بیچ سلایا۔ پھر بھی شیر نے اونٹوں اور انسانوں کو پھلانگتے ہوئے ٹھیک اسی کا سر آ کر پکڑا اور اسے مار ڈالا۔

۞ اسی طرح ایک بار نبی ﷺ سجدہ فرما تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آ کر آپ ﷺ کی گردن مبارک اپنے پاؤں سے اس زور سے روندی کہ معلوم ہوتا تھا آنکھیں نکل پڑیں گی۔

واقعات کی رفتار سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین نے اسلامی دعوت روکنے کی مختلف کوششوں میں ناکامی کے بعد سنجیدگی کے ساتھ یہ بھی سوچنا شروع کر دیا تھا کہ نبی ﷺ کو قتل کر دیں۔ خواہ اس کے نتیجے میں زبردست خونریزی ہی کی نوبت کیوں نہ آ جائے۔

اس کی ایک علامت یہ ہے کہ ایک روز ابوجہل نے قریش سے کہا:

''آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ محمد ﷺ ہمارے دین کو عیب لگانے، ہمارے آباؤ اجداد کی بدگوئی کرنے، ہماری عقلوں کو بیوقوف ٹھہرانے اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے کے علاوہ کوئی بات ماننے کو تیار نہیں۔ اس لیے میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ ایک بھاری بھرکم اور بمشکل اٹھنے والا پتھر لے کر اس کی تاک میں بیٹھوں گا۔ جب وہ نماز میں سجدے کے اندر جائے گا تو اسی سے اس کا سر کچل دوں گا۔ اس کے بعد تم لوگوں کا جی چاہے تو مجھے بچانا ورنہ بے یار و مددگار چھوڑ دینا۔ بنو عبد مناف سے جو بن پڑے گا کر لیں گے۔''

لوگوں نے کہا:

''واللہ تمہیں ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو۔''

اس کے بعد صبح ہوئی تو ابوجہل ایسا ہی ایک پتھر لے کر بیٹھ گیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ معمول کے مطابق تشریف لائے اور کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی۔ قریش بھی اپنی اپنی محفلوں میں آ کر انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں ابوجہل کیا کرتا ہے۔ اب ابوجہل نے بھی قدم اٹھائے اور آگے بڑھا لیکن جوں ہی قریب پہنچا تو اس طرح شکست کھا کر بھاگا کہ رنگ اڑا ہوا، حواس باختہ اور دونوں ہاتھ پتھر پر چپکے ہوئے۔ بالآخر اس نے پتھر پھینک دیا۔ قریش نے کہا:

''ابوالحکم! تمہیں یہ کیا ہوا؟''

کہنے لگا: ''میں نے رات جو بات کہی تھی وہی کرنے جا رہا تھا لیکن ایک اونٹ آڑے آ گیا۔ واللہ! میں نے اس جیسی کھوپڑی، گردن اور دانت تو کبھی دیکھے ہی

نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ مجھے کھا جائے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وہ جناب جبریل علیہ السلام تھے، اگر قریب آتا تو دھر پکڑتے۔"

اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سنگین حادثہ پیش آیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک روز قریش "حطیم" میں اکٹھا ہو کر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نمودار ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف شروع کر دیا۔ دوران طواف جب ان کے قریب سے گزرے تو انہوں نے کچھ طعنہ زنی کی۔ اس کا اثر آپ کے چہرے پر دیکھا گیا۔ پھر جب دوبارہ گزرے تو انہوں نے پھر طعنہ زنی کی اور اس کا اثر بھی آپ کے چہرے پر دیکھا گیا۔ اس کے بعد جب تیسری بار گزرے تو اس بار بھی انہوں نے طعنہ زنی کی۔ اب کی بار آپ نے ٹھہر کر فرمایا:

"قریش کے لوگو! سن رہے ہو؟ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تمہارے پاس (تمہارے قتل اور) ذبح (کا حکم) لے کر آیا ہوں۔"

آپ ﷺ کی اس بات نے اس طرح لوگوں کو پکڑ لیا کہ گویا ان کے سروں پر پرندہ آ بیٹھا ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے بارے میں جو سب سے کڑا آدمی تھا وہ بھی اچھی سے اچھی بات کہہ کر آپ کو منانے لگا۔

اگلے دن یہ لوگ پھر اکٹھے ہو کر آپ ﷺ کی باتیں کر رہے تھے کہ اچانک آپ نمودار ہوئے۔ دیکھتے ہی سب کے سب آپ پر دوڑ پڑے۔ آپ کی چادر سمیٹ کر پکڑ لی اور کہنے لگے:

"تم ہی ہو جو ہم کو ہمارے باپ دادا کے معبودوں سے روکتے ہو؟"

آپ نے فرمایا:

"ہاں میں ہی ہوں۔"

یہ سنتے ہی سب کے سب آپ پر پل پڑے۔ کوئی للکار رہا تھا، کوئی زدوکوب کر رہا تھا اور کوئی کچھ اور۔ عقبہ بن ابی معیط نے لپک کر آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور گلے میں لپیٹ کر بل دیتے ہوئے نہایت سختی سے گلا گھونٹا۔

ادھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس پکار پہنچی کہ اپنے ساتھی کو بچاؤ، وہ دوڑ کر آئے۔ عقبہ کو دونوں کندھوں سے پکڑا اور دھکے دے کر نبی ﷺ سے الگ کیا۔ پھر وہ کسی کو مار رہے تھے، کسی سے لڑ رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے۔

''تم پر افسوس! تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟''

اب کفار نبی ﷺ کو چھوڑ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ پر پل پڑے اور انہیں اس قدر مارا کہ ان کے چہرے اور ناک میں تمیز مشکل ہوگئی۔ ان کے چار چوٹیاں تھیں، ان کو چھوا جائے تو ہاتھ میں آجاتی تھیں۔ چنانچہ بنوتیم ان کو کپڑے میں لپیٹ کر لے گئے اور گھر میں داخل کر دیا۔ انہیں ان کی موت میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن سر شام وہ بول پڑے اور بولے تو رسول اللہ ﷺ کا حال پوچھا۔ اس پر بنوتیم نے انہیں ملامت کی اور وہاں سے چلے گئے۔

اس کے بعد ان پر کھانا پانی پیش کیا گیا لیکن انہوں نے اس وقت تک کھانے پینے سے انکار کر دیا، جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ نہ لیں۔ چنانچہ جب رات کا سناٹا چھا گیا اور لوگ پرسکون ہو گئے تو انہیں ''دار ارقم'' میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچایا گیا۔ انہوں نے جب آپ ﷺ کو بخیر پایا تو کھانا پینا گوارا کیا۔

یوں جب ابو بکر رضی اللہ عنہ پر سختی بہت بڑھ گئی اور زندگی کی راہیں دشوار ہو گئیں تو وہ ہجرت حبشہ کے ارادے سے نکل پڑے۔ ''برک غماد،، پہنچے تو ''قارہ'' (جو ایک مشہور قبیلے کا نام ہے) اور ''احابیش'' (جو چند عرب قبائل کا مجموعہ ہے جنہیں حبشی نامی پہاڑ کے پاس باہمی تعاون کا معاہدہ کرنے کی وجہ سے احابیش کہا جاتا ہے) کے سردار مالک بن دغنہ سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے ارادہ دریافت کیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خبر دی، تو کہنے لگا:

> ''آپ جیسا آدمی نکالا نہیں جا سکتا۔ آپ خالی ہاتھ والوں کا بندوبست کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے مصائب میں مدد کرتے ہیں، لہٰذا میں آپ کا ضامن ہوں، آپ واپس چلیں اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کریں۔'' اس کے بعد دونوں واپس آئے اور ابن دغنہ نے قریش میں اعلان کیا کہ ''اس نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پناہ دی ہے۔''

قریش نے اس کی پناہ دہی کا انکار نہ کیا البتہ یہ کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ کھلم کھلا نہیں بلکہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہماری عورتیں، بچے اور کمزور فتنے میں نہ پڑ جائیں۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ اس پر برقرار رہے۔ پھر انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا لی اور کھلے عام نماز پڑھنے اور قراءت کرنے لگے۔ اس پر ابن دغنہ نے اپنی پناہ دہی یاد دلائی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی پناہ واپس کردی اور فرمایا:

''میں اللہ کی پناہ پر راضی ہوں۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت رونے والے آدمی تھے، قرآن پڑھتے تو آنکھوں پر قابو نہ رہتا۔ چنانچہ مشرکین کی عورتیں اور بچے ٹوٹ پڑتے، وہ تعجب کرتے اور حیرت سے دیکھتے اور مشرکین اس کی وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایذائیں پہنچاتے۔

انہی سنگین حالات میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمان گزر رہے تھے کہ ایسے واقعات پیش آئے جس کے نتیجے میں قریش کے دو جانباز سرفروش مسلمان ہو گئے اور ان کی قوت کے سائے میں مسلمانوں نے بڑی راحت پائی، وہ ہیں رسول اللہ ﷺ کے چچا سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

ان کے اسلام لانے کا واقعہ یوں ہے کہ ایک دن ابوجہل کوہ صفا کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا اور آپ کو ایذا پہنچائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے آپ کے سر پر ایک پتھر بھی دے مارا، جس سے خون بہہ نکلا۔ پھر وہ خانہ کعبہ کے پاس قریش کی ایک مجلس میں جا بیٹھا۔ عبداللہ بن جدعان کی لونڈی کوہ صفا پر واقع ایک مکان سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کمان حمائل کیے، شکار سے واپس تشریف لائے تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے ابوجہل کے سر پر جا سوار ہوئے اور بولے:

''او اپنے چوتڑ سے پاد نکالنے والے! تو میرے بھتیجے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں۔''

اس کے بعد کمان سے اس زور کی مار ماری کہ اس کے سر پر بدترین قسم کا زخم آ گیا۔ اس

پر دونوں قبیلے بنومخزوم اور بنو ہاشم ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اٹھے۔ مگر ابوجہل نے یہ کہہ کر معاملہ ٹھنڈا کر دیا کہ ابوعمارہ ......یعنی سیدنا حمزہ......کو جانے دو۔ میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو بہت گالی دی تھی۔

ظاہر ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام محض حمیت کے طور پر تھا۔ گویا کسی قصد وارادے کے بغیر زبان سبقت کر گئی تھی لیکن پھر اللہ نے ان کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ وہ قریش کے بڑے معزز اور مضبوط جوان تھے۔ یہاں تک کہ ان کا لقب ''اسد اللہ'' (اللہ کا شیر) پڑ گیا۔ وہ ذی الحجہ ٦ نبوت میں مسلمان ہوئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے تین ہی دن بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے۔ وہ اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے خلاف بہت ہی سخت گیر تھے۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چھپ کر چند آیتیں سن لیں۔ ان کے دل میں آیا کہ یہ حق ہے لیکن اپنے عناد پر قائم رہے حتیٰ کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کرنے کی نیت سے تلوار لے کر نکل پڑے۔ راستے میں ایک آدمی سے ملاقات ہو گئی۔ پوچھا: ''عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟''

بولے: ''محمد (ﷺ) کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔''

اس نے کہا:

''محمد (ﷺ) کو قتل کر کے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچ سکو گے؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''معلوم ہوتا ہے تم بھی بے دین ہو چکے ہو۔''

اس نے کہا: ''عمر! حیرت کی بات نہ بتاؤں۔ تمہارے بہن بہنوئی بھی تمہارا دین چھوڑ چکے ہیں۔''

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غصہ میں بھرے ہوئے سیدھے بہن بہنوئی کا رخ کیا۔ وہاں سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سورۂ طٰہٰ پر مشتمل ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنی تو وہ گھر کے اندر چھپ گئے اور ان کی بہن نے صحیفہ چھپا دیا۔ اندر پہنچے تو پوچھا یہ

کیسی بھنبھناہٹ تھی جو میں نے تم لوگوں کے پاس سنی تھی؟ انہوں نے کہا:

''کچھ بھی نہیں، بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''غالباً تم دونوں بے دین ہو چکے ہو۔''

بہنوئی نے کہا: ''اچھا عمر! یہ بتاؤ کہ اگر حق تمہارے دین کے ماسوا میں ہو تو......''

اتنا سننا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے بہنوئی پر چڑھ بیٹھے اور انہیں بری طرح کچل دیا۔ بہن نے لپک کر انہیں اپنے شوہر سے الگ کیا تو بہن کو ایسا چانٹا مارا کہ چہرہ خون آلود ہو گیا۔ بہن نے جوش غضب میں کہا:

''عمر! اگر حق تیرے دین کے ماسوا میں ہو تو؟

((اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ))

''میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مایوسی و ندامت ہوئی۔ انہیں شرم آئی اور انہوں نے کہا:

''تمہارے پاس جو کتاب ہے ذرا مجھے بھی دو، میں بھی پڑھوں۔''

بہن نے کہا:

''تم ناپاک ہو اور اسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اٹھو! غسل کرو۔''

انہوں نے اٹھ کر غسل کیا، پھر کتاب لی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی۔ کہنے لگے: ''یہ تو پاکیزہ نام ہیں۔'' اس کے بعد طٰہٰ سے:

إِنَّنِىٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِى وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكْرِىٓ ﴿١٤﴾ (طه:١٤)

تک تلاوت کی۔ کہنے لگے: ''یہ تو بڑا عمدہ اور محترم کلام ہے۔ مجھے محمد ﷺ کا پتہ بتاؤ۔''

یہ سن کر سیدنا خباب رضی اللہ عنہ باہر آ گئے۔ کہنے لگے: ''عمر! خوش ہو جاؤ، مجھے امید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعرات کی رات تمہارے متعلق جو دعا کی تھی (کہ اے اللہ! عمر بن

خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعہ اسلام کو قوت پہنچا) یہ وہی ہے۔'' پھر بتلایا کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کوہِ صفا کے پاس ''دارارقم'' میں ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل کر دارارقم کے پاس آئے اور دروازے پر دستک دی۔ ایک آدمی نے دروازے کی دراز سے جھانکا تو دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تلوار حمائل کیے موجود ہیں۔ لپک کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی اور سارے لوگ سمٹ کر یکجا ہو گئے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیا بات ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''عمر ہیں۔'' سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''بس عمر ہے۔ دروازہ کھول دو۔ اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو ہم اسے خیر عطا کریں گے اور اگر کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کردیں گے۔''

ادھر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی نازل ہو چکی تو اندر سے بیٹھک میں تشریف لائے اور تلوار کے پر تلے سمیت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کپڑا پکڑ کر سختی سے جھٹکتے ہوئے فرمایا:

''عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر بھی ویسی ہی ذلت و رسوائی اور عبرتناک سزا نازل نہ فرما دے جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے؟ یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے، یا اللہ! اس عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو عزت و قوت عطا فرما۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

((اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ))

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس پر گھر کے اندر موجود صحابہ نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مسجد حرام والوں کو سنائی پڑی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام پر مشرکین کا ردعمل:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس قدر شہ زور تھے کہ کوئی ان کا رخ نہ کرتا تھا۔ چنانچہ جب وہ مسلمان ہوئے تو قریش کا جو آدمی رسول اللہ ﷺ کی عداوت اور مسلمانوں کی ایذاء رسانی میں سب سے سخت تھا یعنی ابوجہل، اس کے پاس گئے اور دروازے کو دستک دی۔ وہ باہر آیا اور دیکھ کر بولا:

((اَھْلًا وَّ سَھْلًا))

''خوش آمدید، خوش آمدید'' کیسے آنا ہوا؟''

بولے:

''اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں بتاؤں کہ میں اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں۔''

یہ سنتے ہی اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے رخ پر دروازہ بند کر لیا اور کہا:

''اللہ تیرا برا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا برا کرے۔''

اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے ماموں عاصی بن ہاشم کے پاس گئے اور اسے بتلایا تو وہ گھر کے اندر گھس گیا۔

اس کے بعد جمیل بن معمر جمحی کے پاس گئے۔ یہ شخص کسی بات کا ڈھول پیٹنے میں پورے قریش کے اندر سب سے ممتاز تھا۔ اسے بتایا کہ آپ مسلمان ہو گئے ہیں تو اس نے بلند آواز سے چیخ کر کہا:

''خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ جھوٹ کہتا ہے، میں مسلمان ہو گیا ہوں۔''

بہر حال یہ سن کر لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو مار رہے تھے اور لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مار رہے تھے۔ یہاں تک کہ سورج سروں پر آ گیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھک کر بیٹھ گئے۔

اس کے بعد جب گھر واپس ہوئے تو مشرکین نے اکٹھے ہو کر ان کے

گھر کا رخ کیا کہ انہیں جان سے مار ڈالیں۔ ان کا ریلا اتنا زبردست تھا کہ وادی بہہ اٹھی تھی۔ اسی اثنا میں عاص بن وائل سہمی آ گیا۔ بنو سہم، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنو عدی کے حلیف تھے...... وہ دھاری دار یمنی چادر کا جوڑا اور ریشمی گوٹے سے آراستہ کرتا زیب تن کیے ہوئے تھے۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں مسلمان ہو گیا ہوں اس لیے آپ کی قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔''

عاص نے کہا: ''یہ ممکن نہیں۔''

اس کے بعد باہر نکلا، دیکھا کہ لوگوں کے ریلے سے وادی بہہ پڑی ہے۔ پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟''

لوگوں نے کہا: ''یہ خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔''

عاص نے کہا: ''اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔''

یہ سنتے ہی لوگ واپس پلٹ گئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت:

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے انہوں نے بڑی عزت وقوت محسوس کی۔ ان سے پہلے مسلمان چھپ کر نماز پڑھتے تھے وہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ زندہ رہیں خواہ مریں؟''

آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں؟''

انہوں نے کہا:

''پھر چھپنا کیسا؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! ہم ضرور نکلیں گے۔''

چنانچہ وہ آپ ﷺ کو ہمراہ لے کر دو صفوں میں نکلے، ایک میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور ایک میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد حرام میں جا داخل ہوئے۔ قریش نے دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی

اب تک نہ لگی تھی۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا لقب ''فاروق'' پڑ گیا۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

جب سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا ہم برابر طاقتور، باعزت رہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ''ہم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے۔ یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔''

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اسلام ظاہر ہوا۔ اس کی اعلانیہ دعوت دی گئی۔ ہم حلقے لگا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے اور اس کا طواف بھی کیا۔ جس نے ہم پر سختی کی اس سے انتقام لیا اور اس کے بعض مظالم کا جواب دیا۔''

پرکشش مرغوبات کی پیشکش:

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہوجانے کے بعد جب مشرکین نے مسلمانوں کی قوت وشوکت دیکھی تو باہم مشورے کے لیے اکٹھا ہوئے تا کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے بارے میں مناسب ترین قدم اٹھاسکیں۔ ان سے عتبہ بن ربیعہ نے کہا، جو بنی عبدشمس سے تعلق رکھتا تھا اور اپنی قوم کا سردار وصاحب فرمان تھا:

''قریش کے لوگو! کیوں نہ میں محمد کے پاس جا کر ان سے گفتگو کروں اور ان پر چند باتیں پیش کروں۔ ممکن ہے وہ کوئی چیز قبول کرلیں۔ تو وہ چیز ہم انہیں دے دیں گے اور وہ ہم سے باز رہیں گے۔''

لوگوں نے کہا:

''ٹھیک ہے ابوالولید! آپ جائیں اور ان سے بات کریں۔''

اس کے بعد عتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ مسجد میں تنہا بیٹھے تھے۔ اس نے کہا:

''بھتیجے! ہماری قوم میں تمہارا جو مرتبہ ومقام ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ تم حسب و نسب کے لحاظ سے ہمارے بہترین آدمی ہو، اب تم اپنی قوم کے پاس ایک بڑا معاملہ لے کر آئے ہو، جس کی وجہ سے تم نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ ان کی

عقلوں کو حماقت زدہ کہا ہے۔ ان کے معبودوں اور ان کے دین کی عیب جوئی کی ہے اور ان کے گزرے ہوئے آباؤ اجداد کو کافر ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا میری بات سنو! میں تم پر چند چیزیں پیش کر رہا ہوں۔ ان پر غور کرو۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی چیز قبول کرو۔''

آپ نے فرمایا: ''ابو الولید! کہو، میں سنوں گا۔''

اس نے کہا:

'' بھتیجے یہ معاملہ جسے تم لے کر آئے ہو، اگر اس سے تم چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کیے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اگر تم اعزاز و مرتبہ چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ تمہارے بغیر کسی معاملے کا فیصلہ نہ کریں گے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔ اگر تمہارے اندر خواہش نفس ہو تو قریش کی جو عورت چاہو منتخب کر لو۔ ہم دس عورتوں سے تمہاری شادی کیے دیتے ہیں۔ اگر یہ جو تمہارے پاس آتا ہے کوئی جن بھوت ہے جسے تم دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمہارے لیے اس کا علاج تلاش کیے دیتے ہیں اور اس پر اتنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں کہ تم شفایاب ہو جاؤ۔ کیونکہ کبھی کبھی جن بھوت انسان پر غالب آ جاتا ہے اور اس کا علاج کروانا پڑتا ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''ابو الولید! تم اپنی بات کہہ چکے؟''

اس نے کہا: ''ہاں۔''

آپ نے فرمایا: ''اب میری سنو!''

اس نے کہا: ''ٹھیک ہے۔ سنوں گا۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرأت فرمائی:

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنزِيلٌ مِّنَ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ﴿٢﴾ كِتَٰبٌ فُصِّلَتْ ءَايَٰتُهُۥ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٣﴾ بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٤﴾ وَقَالُوا۟ قُلُوبُنَا فِىٓ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَآ إِلَيْهِ وَفِىٓ ءَاذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَٱعْمَلْ إِنَّنَا عَٰمِلُونَ ﴿٥﴾ (فصلت: ١-٥)

''حٰم، یہ رحمٰن و رحیم کی طرف سے نازل کی ہوئی ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔ عربی قرآن، ان لوگوں کے لیے ہے جو علم رکھتے ہیں، بشارت والا اور ڈرانے والا ہے لیکن اکثر لوگوں نے اعراض کیا اور وہ سنتے نہیں۔ کہتے ہیں جس چیز کی طرف تم بلاتے ہو اس کے لیے ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ہمارے کانوں میں ٹھیٹھ ہے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان روک ہے۔ پس تم کام کیے جاؤ۔ ہم بھی کام کیے جا رہے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ آگے پڑھتے گئے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے سنتا رہا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے:

فَإِنْ أَعْرَضُوا۟ فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَٰعِقَةً مِّثْلَ صَٰعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ﴿١٣﴾ (فصلت: ١٣)

''پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہہ دو کہ میں عاد و ثمود کی کڑک جیسی ایک کڑک کے خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں۔''

تو عتبہ نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے منہ پر رکھ دیا۔ اللہ اور قرابت کا واسطہ دے کر کہا (کہ ایسا نہ کریں) اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ عذاب آ نہ پڑے۔ اس نے کہا: ''اتنا کافی ہے۔''

پھر جب رسول اللہ ﷺ آیت سجدہ پر پہنچے تو سجدہ کیا۔ پھر فرمایا:

''ابوالولید! تم نے سن لیا؟''

اس نے کہا:

''ہاں! میں نے سن لیا۔''

آپ نے فرمایا:

''اب تم ہو اور وہ ہے۔''

عتبہ اٹھا اور اس نے سیدھا اپنے ساتھیوں کا رخ کیا۔ انہوں نے آپس میں کہا:

''واللہ! ابو الولید تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا ہے جو لیکر گیا تھا۔''

پھر جب ان کے درمیان آ بیٹھا تو انہوں نے کہا: ''ابو الولید! پیچھے کی کیا خبر ہے؟''

اس نے کہا:

''پیچھے کی خبر یہ ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے کہ واللہ! میں نے ویسا کلام کبھی نہیں سنا۔ واللہ! نہ وہ شعر ہے، نہ جادو، نہ کہانت۔ قریش کے لوگو! میری بات مانو اور اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ (میری رائے یہ ہے کہ) اس شخص کو اسکے حال پر چھوڑ کر الگ تھلگ بیٹھ رہو۔ واللہ! میں نے اس کا جو قول سنا ہے اس سے زبردست واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔ اب اگر اس شخص کو عرب نے مار ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعہ انجام کو پہنچ جائے گا۔ اگر یہ شخص عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی۔ اس کا وجود سب سے بڑھ کر تمہاری سعادت کا باعث ہو گا۔''

لوگوں نے کہا: ''ابو الولید! واللہ! اس نے تم پر بھی جادو کر دیا ہے۔''

اس نے کہا: ''اس شخص کے بارے میں میری رائے یہی ہے۔ اب تم جو چاہو کرو۔''

سودے بازیاں اور دست درازیاں:

تحریص و ترغیب میں اس ناکامی کے بعد مشرکین نے سوچا کہ دین کے بارے میں سودے بازی کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے کہا:

''ہم آپ پر ایک بات پیش کرتے ہیں جس میں آپ کی بہتری ہے۔''

آپ نے پوچھا: ''وہ کیا ہے؟''

انہوں نے کہا:

''ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں گے اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔ اب اگر ہم حق پر ہیں تو آپ نے اس سے ایک حصہ لے لیا اور اگر آپ حق پر ہیں تو ہم نے اس سے ایک حصہ لے لیا۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ ﴿ اَلْکَافِرُوْنَ ﴾ نازل فرمائی کہ

''آپ کہہ دیں اے کافرو! جسے تم پوجتے ہو اسے میں نہیں پوجتا۔ نہ جسے میں پوجتا ہوں اسے تم پوجتے ہو۔ نہ جسے تم پوجتے ہو اسے میں پوج سکتا ہوں۔ نہ جسے میں پوجتا ہوں اسے تم پوج سکتے ہو۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین......۔''

یہ بھی نازل فرمایا:

قُلْ أَفَغَيْرَ ٱللَّهِ تَأْمُرُوٓنِّيٓ أَعْبُدُ أَيُّهَا ٱلْجَٰهِلُونَ ﴿٦٤﴾

(الزمر: ٦٤)

''اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔''

اور یہ بھی نازل فرمایا:

قُلْ إِنِّى نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ ﴿٥٦﴾ (الانعام: ٥٦)

''آپ کہہ دیں مجھے منع کیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو میں ان کی عبادت کروں۔''

مشرکین اختلاف ختم کرنے کے خواہاں تھے اور عتبہ بن ربیعہ نے جو امید ظاہر کی تھی اس کی توقع بھی رکھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے مزید دست برداری کا اظہار کیا۔ رسول اللہ ﷺ جو کچھ پیش فرما رہے تھے اسے قبول کرنے کا میلان ظاہر کیا، البتہ آپ کے پاس جو وحی آتی تھی اس میں قدرے تغیر وتبدل کی شرط لگائی اور کہا:

ٱئۡتِ بِقُرۡءَانٍ غَيۡرِ هَٰذَآ أَوۡ بَدِّلۡهُۚ (یونس:۱۵)

"اس کے بجائے کوئی اور قرآن لائیے یا اس میں تبدیلی کر دیجیے۔"

اللہ نے آپ کو حکم دیا:

قُلۡ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنۡ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلۡقَآيِٕ نَفۡسِيٓۖ إِنۡ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّۖ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّي عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيمٖ ﴿١٥﴾ (یونس:۱۵)

"آپ کہہ دیں مجھے کوئی اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں۔ میں تو اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے۔ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔"

نیز اللہ نے اس کی سنگینی پر آپ کو متنبہ کیا اور نبی ﷺ کے دل میں بعض خیالات جو گزر رہے تھے انکا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِن كَادُواْ لَيَفۡتِنُونَكَ عَنِ ٱلَّذِيٓ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِيَ عَلَيۡنَا غَيۡرَهُۥۖ وَإِذٗا لَّٱتَّخَذُوكَ خَلِيلٗا ﴿٧٣﴾ وَلَوۡلَآ أَن ثَبَّتۡنَٰكَ لَقَدۡ كِدتَّ تَرۡكَنُ إِلَيۡهِمۡ شَيۡـٔٗا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذٗا لَّأَذَقۡنَٰكَ ضِعۡفَ ٱلۡحَيَوٰةِ وَضِعۡفَ ٱلۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيۡنَا نَصِيرٗا ﴿٧٥﴾ (الإسراء:۷۳-۷۵)

"اور بے شک قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو اس چیز کے متعلق فتنے میں ڈال دیتے جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے تب یقیناً لوگ آپ کو گہرا دوست بنا لیتے۔ اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک

گئے ہوتے۔ لیکن ایسی صورت میں ہم آپ کو زندگی کا دوگنا اور موت کا دوگنا (عذاب) چکھاتے۔ پھر آپ ہمارے برخلاف کسی کو مددگار نہ پاتے۔"

ان ٹھوس مواقف سے مشرکین پر یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی ﷺ واقعی دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ آپ کوئی تاجر نہیں ہیں کہ قیمت کے بارے میں سودے بازی یا دست برداری قبول کرلیں۔ لہٰذا انہوں نے چاہا کہ ایک اور طریقے سے اس بات کو مزید پختہ کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے یہود کے پاس نمائندے بھیجے کہ وہ نبی ﷺ کے بارے میں ان سے دریافت کریں۔ علمائے یہود نے کہا:

"اس سے تین باتیں پوچھو۔ اگر وہ بتادے تو وہ واقعی نبی مرسل ہے ورنہ بناوٹی ہے۔"

① اس سے چند جوانوں کے بارے میں پوچھو جو زمانۂ اوّل میں گزر چکے ہیں کہ ان کا کیا واقعہ ہے؟ کیونکہ ان کا بڑا عجیب واقعہ ہے۔

② اس سے ایک گردش کرنے والے آدمی کے متعلق پوچھو جو زمین کے مشرق و مغرب تک پہنچا تھا کہ اس کی کیا خبر ہے؟

③ اس سے روح کے بارے میں پوچھو کہ وہ کیا ہے؟

چنانچہ سرداران قریش نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ سوالات رکھے۔ جواب میں "سورۂ کہف" نازل ہوئی جس میں ان جوانوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہ اصحاب کہف ہیں...... اور اس گردش کرنے والے آدمی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہ ذوالقرنین ہے......

اس کے علاوہ سورۂ اسراء میں روح کے متعلق سوال کا جواب نازل ہوا۔ فرمایا گیا:

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ ۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾ (الإسراء:٨٥)

"یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں علم سے نہیں دیا گیا ہے مگر تھوڑا۔"

یہ امتحان اس بات پر قریش کے مطمئن ہونے کے لیے کافی تھا کہ محمد ﷺ واقعی رسول

برحق ہیں بشرطیکہ وہ حق چاہتے لیکن ان ظالموں نے کفر ہی کی راہ اپنائی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب ان پر حقائق واضح ہو گئے اور حق کھل گیا تو انہوں نے کچھ لچک ظاہر کی۔ چنانچہ انہوں نے نبی ﷺ کی بات سننے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ یہ بھی ظاہر کیا کہ ممکن ہے وہ اسے مان لیں اور قبول کر لیں۔ لیکن یہ شرط لگائی کہ ان کے لیے ایک مخصوص مجلس ہو جس میں کمزور مسلمان حاضر نہ ہوں یعنی وہ غلام اور مساکین وہاں نہ آئیں جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ کیونکہ اس کا مطالبہ کرنے والے مکہ کے سادات و اشراف تھے۔ انہیں گوارا نہ تھا کہ ان مسکینوں کے ساتھ بیٹھیں جو اصحاب ایمان و تقویٰ ہونے کے باوجود کمزور اور غلام تھے۔

شاید نبی ﷺ ان کے اس مطالبے کو قبول کرنے پر کسی قدر آمادہ بھی ہوئے کہ ممکن ہے اسی طرح وہ ایمان لے آئیں۔ لیکن اللہ نے آپ (علیہ السلام) کو اس سے منع کر دیا اور فرمایا:

وَلَا تَطْرُدِ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِٱلْغَدَوٰةِ وَٱلْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُۥ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ ٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿٥٢﴾ (الأنعام: ٥٢)

”جو لوگ اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اسے صبح و شام پکارتے ہیں آپ انہیں (اپنی مجلس سے) نہ ہٹائیں۔ آپ پر ان کا کوئی حساب نہیں اور ان پر آپ کا کوئی حساب نہیں۔ آپ انہیں ہٹائیں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔“

عذاب کی جلدی:

نبی ﷺ نے بسا اوقات مشرکین کو یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر وہ آپ کی مخالفت پر مصر رہے تو اللہ کا عذاب بھی آ سکتا ہے۔ چنانچہ جب اس عذاب میں تاخیر ہوئی تو انہوں نے مذاق اور ضد کے طور پر عذاب کی جلدی مچانا شروع کی۔ اس بات کا مظاہرہ کیا کہ ان پر اس

دھمکی کا نہ کوئی اثر ہے اور نہ یہ کبھی پوری ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں بھی چند آیات نازل کیں اور فرمایا:

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾

(الحج: ٤٧)

"یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور اللہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہ کرے گا۔ (لیکن) تیرے رب کے نزدیک ایک دن تم لوگوں کے شمار سے ایک ہزار سال کے مثل ہے۔"

نیز فرمایا:

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٥٤﴾

(العنکبوت: ٥٤)

"یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں حالانکہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔"

مزید فرمایا:

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٧﴾ (النحل: ٤٥-٤٧)

"کیا جن لوگوں نے برے مکر کیے ہیں، وہ اس بات سے نڈر ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آ جائے جسے وہ نہیں

جانتے، یا ان کو ان کی آمد و رفت کے دوران دھر پکڑے کہ وہ عاجز کرنے والے نہیں ہیں یا ان کو ڈراوے کے ساتھ پکڑ لے۔ تو بے شک تمہارا رب رؤف ورحیم ہے۔''

مشرکین کا ایک مجادلہ یہ بھی تھا کہ وہ عناد کے طور پر اور عاجز کرنے کی غرض سے معجزات اور خرق عادت نشانیاں طلب کرتے تھے۔ اللہ نے اس بارے میں وحی نازل کر کے اپنی سنت بیان کر دی اور ان کی حجت کا خاتمہ کر دیا۔ آئندہ صفحات میں ان شاء اللہ اس کا بھی کسی قدر بیان آئے گا۔

یہ وہ نوع بہ نوع کوششیں تھیں جن کے ذریعہ مشرکین نے نبی ﷺ کی رسالت اور دعوت کا مقابلہ کیا۔ ان سب کو پہلو بہ پہلو آزمایا۔ وہ ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک ایک دور سے دوسرے دور کی طرف پلٹتے رہتے تھے۔ سختی سے نرمی کی طرف تو نرمی سے سختی کی طرف، جدال سے سودے بازی کی طرف تو سودے بازی سے جدال کی طرف، ہجوم سے ترغیب کی طرف تو ترغیب سے ہجوم کی طرف، وہ بھڑکتے پھر ڈھیلے پڑ جاتے، حجت بازی کرتے پھر روا داری برتتے، خم ٹھونک کر للکارتے پھر ''کچھ لو، کچھ دو'' پر اتر آتے، دھمکیاں دیتے پھر مرغوبات پیش کرتے، گویا وہ ایک قدم آگے بڑھتے ایک قدم پیچھے ہٹتے، نہ انہیں قرار تھا نہ وہ فرار ہی پسند کرتے تھے۔ ان سب کا مقصود یہ تھا کہ اسلام کی دعوت روک دی جائے اور کفر کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر سے جڑ جائے لیکن وہ ساری کوشش کر کے بھی ناکام و نامراد ہی رہے۔ اب ان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا اور وہ تھی تلوار۔ لیکن تلوار سے شیرازہ اور منتشر ہی ہوگا، بلکہ ایسی خونریزی شروع ہو سکتی ہے جو ان کی جڑ ہی صاف کر دے۔ اس لیے انہیں حیرت تھی کہ وہ کریں تو کیا کریں؟

جہاں تک ابو طالب کا تعلق ہے تو ان کے سامنے جب مشرکین کا یہ مطالبہ آیا کہ وہ نبی ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے کر دیں۔ پھر انہیں مشرکین کی نقل و حرکت سے یہ محسوس ہوا کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے عزائم رکھتے ہیں...... مثلاً ابو جہل، عقبہ بن ابی معیط اور

عمر بن خطاب کے اقدامات ...... تو انہوں نے بنو ہاشم اور بنو المطلب کو اکٹھا کر کے انہیں نبی ﷺ کی حفاظت کی دعوت دی۔ اس پر ان کے مسلم و کافر سب نے لبیک کہا اور خانہ کعبہ کے پاس اس کا عہد و پیمان کیا۔ صرف ابولہب نے اپنی علیحدہ راہ اختیار کی اور ان سے الگ ہو کر قریش کے ساتھ ہو رہا۔

مکمل بائیکاٹ:

مشرکین کی حیرت اور بڑھ گئی کیونکہ ان کی ساری تدبیریں ختم ہو گئیں۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب خواہ کچھ بھی ہو نبی ﷺ کی حفاظت اور بچاؤ کا عزم صمیم کیے ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ اس صورت حال پر غور کرنے اور اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے لیے ''خیف بن کنانہ'' میں جمع ہوئے اور سر جوڑ کر مشورہ کیا۔ بالآخر ایک ظالمانہ حل سمجھ میں آ گیا اور اسی پر آپس میں عہد و پیماں کر لیا۔ وہ حل یہ تھا کہ وہ لوگ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے ساتھ شادیاں کریں گے نہ ان سے خرید و فروخت کریں گے، نہ ان کے ساتھ اٹھیں گے نہ بیٹھیں گے، نہ ان سے میل جول رکھیں گے، نہ ان کے گھروں میں داخل ہوں گے، نہ ان سے بات چیت کریں گے، نہ کبھی کسی طرح کی کوئی صلح قبول کریں گے، نہ ان کے ساتھ کسی طرح کی مروت برتیں گے، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کے لیے ان کے حوالے کر دیں۔

قریش نے اس قرار داد پر باہم عہد و پیماں کیا، اس کے متعلق ایک صحیفہ لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔ لکھنے والا بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر بد دعا کی اور اس کا ہاتھ یا ہاتھ کی بعض انگلیاں شل ہو گئیں۔

اس کے بعد ابولہب کو چھوڑ کر سارے بنو ہاشم اور بنو المطلب خواہ مسلم ہوں یا کافر ''شعب ابی طالب'' میں سمٹ آئے۔ ان کا چارہ پانی بند کر دیا گیا اور تاجروں کو ان کے ساتھ لین دین سے منع کر دیا گیا۔ چنانچہ یہ لوگ سخت مشقت میں پڑ گئے۔ یہاں تک کہ درختوں کے پتے اور چمڑے کھائے اور فاقوں پر فاقے کیے۔ حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کے

بھوک سے بلکنے کی آوازیں باہر سے سنی جاتی تھیں۔ ان کے پاس کوئی چیز پہنچ نہیں سکتی تھی۔ اگر پہنچتی بھی تھی تو چھپ چھپا کر۔ چنانچہ حکیم بن حزام اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے کبھی کبھی گیہوں بھیجوا دیتا تھا۔ یہ لوگ گھاٹی سے صرف حرام مہینوں میں ہی باہر نکلتے تھے۔ باہر سے آئے ہوئے قافلوں سے کچھ خرید و فروخت کرتے تھے لیکن اہل مکہ ان کے سامان کی قیمت اس قدر بڑھا کر لگا دیتے تھے کہ یہ لوگ خرید نہ سکیں۔

ادھر رسول اللہ ﷺ ان ساری سختیوں کے باوجود اللہ کی طرف مسلسل دعوت دے رہے تھے۔ بالخصوص ایام حج میں جبکہ عرب قبائل ہر چہار جانب سے مکہ آتے تھے۔

صحیفہ چاک اور بائیکاٹ ختم:

کوئی تین برس بعد اس ظلم کے خاتمے کا وقت آیا۔ چنانچہ اللہ نے ایک طرف پانچ اشراف قریش کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ صحیفہ چاک کر کے بائیکاٹ ختم کر دیں، دوسری طرف دیمک بھیج کر اس صحیفہ میں جو کچھ قطع رحمی اور ظلم و ستم تھا اسے چٹ کرا دیا۔ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نام اور ذکر باقی رہا۔

پانچ اشراف قریش میں سے پہلا ہشام بن عمرو بن حارث تھا جو ''بنولوئ'' سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ شخص زہیر بن ابی امیہ مخزومی کے پاس گیا جو نبی ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کا بیٹا تھا، پھر مطعم بن عدی کے پاس گیا، پھر ابوالبختری بن ہشام کے پاس گیا، پھر زمعہ بن اسود کے پاس گیا اور ان میں سے ہر ایک کو رشتہ و قرابت یاد دلائی، ظلم قبول کرنے پر ملامت کی اور صحیفہ چاک کرنے پر ابھارا۔ چنانچہ یہ سب حجون کے ناکے پر جمع ہوئے اور صحیفہ چاک کرنے کے لیے ایک پروگرام پر اتفاق کیا۔

پھر صبح جب قریش کی محفلیں مسجد حرام میں جم گئیں تو زہیر ایک جوڑا زیب تن کیے ہوئے آیا، پہلے بیت اللہ کا طواف کیا، پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا:

''مکے والو! کیا ہم کھانا کھائیں، کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ و برباد ہوں۔ نہ وہ بیچ سکیں نہ خرید سکیں۔ اللہ کی قسم! میں بیٹھ نہیں سکتا یہاں تک کہ اس ظالمانہ اور قرابت شکن

صحیفے کو چاک کردیا جائے۔"

ابوجہل نے کہا:

"تم غلط کہتے ہو۔ واللہ! اسے چاک نہیں کیا جاسکتا۔"

زمعہ نے کہا:

"واللہ! تم زیادہ غلط کہتے ہو۔ یہ جب لکھا گیا تھا تب بھی ہم اس کے لکھنے پر راضی نہ تھے۔"

اس پر ابوالبختری نے کہا:

"زمعہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے نہ ہم راضی ہیں، نہ اسے ماننے کو تیار ہیں۔"

اب مطعم بن عدی کی باری تھی۔ اس نے کہا:

"تم دونوں ٹھیک کہتے ہو اور جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ ہم اس صحیفہ سے اور اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے اللہ کے حضور براءت کا اظہار کرتے ہیں۔"

پھر ہشام بن عمرو نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

یہ ماجرا دیکھ کر ابوجہل نے کہا:

"یہ بات رات میں طے کی گئی ہے اور اس کا مشورہ کہیں اور کیا گیا ہے۔"

اس دوران ابوطالب بھی مسجد کے ایک گوشے میں موجود تھے۔ وہ یہ بتلانے آئے تھے کہ نبی ﷺ نے انہیں خبر دی ہے کہ اللہ نے ان کے صحیفے پر دیمک مسلط کردی ہے جس نے ظلم و جور اور قطع رحمی کی ساری باتیں چٹ کردی ہیں، صرف اللہ کا ذکر باقی چھوڑا ہے۔ اب اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم تمہارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں اور اگر سچے ہیں تو تم ہمارے بائیکاٹ اور ظلم سے باز آجاؤ۔ قریش نے کہا:

"آپ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں۔"

ادھر مطعم بن عدی، ابوجہل کا جواب دینے کے بعد اٹھا کہ صحیفہ چاک کرے تو کیا دیکھتا ہے کہ واقعی اسے کیڑوں نے کھالیا ہے۔ صرف ((بِاسْمِكَ اَللّٰهُمَّ)) اور جہاں جہاں اللہ کا

نام تھا وہی باقی بچا ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ نے جو خبر دی تھی وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، جسے مشرکین نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن وہ اپنی گمراہی کے رویے پر برقرار رہے۔ بہرحال بائیکاٹ ختم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی گھاٹی سے باہر نکل آئے۔

قریش کا وفد ابو طالب کے حضور:

بائیکاٹ کے خاتمے کے بعد صورت حال معمول پر آ گئی۔ لیکن ابھی چند ہی مہینے گزرے تھے کہ ابو طالب بیمار پڑ گئے اور بیماری دن بدن بڑھتی اور سخت ہوتی گئی۔ عمر بھی اسی (۸۰) برس سے آگے جا چکی تھی۔ قریش نے محسوس کیا کہ وہ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں گے۔ لہٰذا آپس میں مشورے کیے اور طے کیا کہ ابو طالب کے پاس چلیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو کسی بات کا پابند کر جائیں، ہم سے بھی اس کے متعلق عہد لے لیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ بڈھا مر گیا اور ہم نے محمد (ﷺ) کے ساتھ کچھ کیا تو عرب ہمیں طعنہ دیں گے۔ کہیں گے کہ اسے چھوڑے رکھا، جب اس کا چچا مر گیا تو اس پر چڑھ دوڑے۔ چنانچہ یہ لوگ اٹھے، ابو طالب کے پاس پہنچے اور ان سے مطالبہ کیا کہ:

> ''وہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے معبودوں سے روکیں۔ وہ لوگ بھی آپ سے اور آپ کے معبود سے دست کش رہیں گے۔''

اس پر ابو طالب نے آپ ﷺ کو بلایا اور لوگوں نے جو بات کہی تھی اسے آپ پر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا:

> ''چچا! میں ان سے صرف ایک بات چاہتا ہوں جس کے وہ قائل ہو جائیں تو عرب ان کا تابع فرمان بن جائے اور عجم انہیں جزیہ ادا کریں۔''

یہ سن کر وہ سٹپٹا گئے، کہنے لگے:

> ''صرف ایک بات، تیرے باپ کی قسم! ہم ایسی دس باتیں ماننے کو تیار ہیں۔ وہ بات ہے کیا؟''

آپ نے فرمایا: ((لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ))

اس پر وہ اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے:

أَجَعَلَ ٱلْأَلِهَةَ إِلَٰهًا وَٰحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَىْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾ (ص:٥)

''کیا اس نے سارے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا ڈالا۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''

غم کا سال

ابو طالب کی وفات:

ابو طالب کا مرض بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ وقت رحلت آ گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ان پر داخل ہوئے تو وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ موجود تھے۔ آپ نے فرمایا:

''چچا جان! ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) کہہ دیجیے۔ بس ایک کلمہ، اس کے ذریعہ میں اللہ کے حضور آپ کے لیے حجت پیش کروں گا۔''

ان دونوں نے کہا:

''ابو طالب! کیا عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کرو گے؟''

ان سے برابر باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ آخری بات جو انہوں نے کہی وہ یہ کہی کہ ''عبدالمطلب کی ملت پر'' (پھر اسی پر ان کا انتقال ہو گیا)۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

''میں جب تک آپ سے روکا نہ گیا آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا أُولِي قُرْبَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَٰبُ ٱلْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ (التوبة:١١٣)

''نبی اور اہل ایمان کے لیے درست نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔''

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی:

إِنَّكَ لَا تَهْدِى مَنْ أَحْبَبْتَ (القصص:٥٦)

''ایسا نہیں کہ آپ جسے پسند کریں ہدایت دے دیں۔''

ان کی وفات رجب یا رمضان ۱۰ نبوت میں شعب ابی طالب سے نکلنے کے چھ یا آٹھ مہینہ بعد ہوئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے محافظ، بازو اور ایسا قلعہ تھے جہاں مکہ کے بڑوں اور بیوقوفوں کے حملوں سے بچاؤ کے لیے اسلامی دعوت نے پناہ لے رکھی تھی مگر وہ خود باپ دادا کی ملت پر قائم رہے۔ اس لیے پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ ''آپ اپنے چچا کے کیا کام آسکے کیونکہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے (دوسروں پر) بگڑتے تھے۔''

آپ نے فرمایا:

''وہ جہنم کی ایک اتھلی (کم گہری) جگہ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے گہرے کھڈ میں ہوتے۔''

خدیجہ رضی اللہ عنہا رحمت الٰہی کے جوار میں:

ابو طالب کی وفات پر نبی ﷺ کا زخم ابھی مندمل نہ ہوا تھا کہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں۔ ان کی وفات ابو طالب کی وفات کے دو مہینہ یا صرف تین دن بعد رمضان ۱۰ نبوت میں ہوئی۔ وہ اسلامی کاز کے لیے رسول اللہ ﷺ کی وزیر صدق تھیں۔ انہوں نے تبلیغ رسالت میں آپ کو قوت پہنچائی۔ جان و مال سے آپ کی غمگساری کی اور اذیت و غم میں برابر کی شریک رہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

"جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں، جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا انہوں نے میری تصدیق کی، جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا انہوں نے مجھے اپنے مال میں شریک کیا اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی۔ دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی۔"

ان کے فضائل میں آتا ہے کہ جناب جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

"یا رسول اللہ! یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آ رہی ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن ہے۔ جس میں سالن، کھانا یا پانی ہے، جب وہ آپ کے پاس آ جائیں تو آپ انہیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موتی کے ایک محل کی خوشخبری دیں۔ جس میں نہ شور وشغب ہوگا نہ درماندگی وتکان۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے، ان کے لیے دعائے رحمت کرتے اور جب ان کا ذکر فرماتے تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی۔ بکری ذبح کرتے تو ان کی سہیلیوں میں گوشت بھجواتے۔ ان کے بڑے فضائل ومناقب ہیں۔

غم ہی غم:

ابو طالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مصائب کا طوفان بندھ گیا۔ ایک طرف مشرکین کی جسارت بڑھ گئی اور وہ کھل کر اذیت پہنچانے لگے، دوسری طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر واقعہ سے شدت کے ساتھ متاثر ہونے لگے۔ چاہے وہ پچھلے واقعات سے چھوٹا اور معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ قریش کے ایک احمق نے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی جسے آپ کی ایک صاحبزادی دھوتے ہوئے روتی جا رہی تھیں۔ تو آپ نے ان سے کہا کہ "بیٹی! نہ روؤ۔ اللہ تمہارے باپ کی حفاظت کرے گا۔" اسی دوران آپ یہ بھی فرماتے جا رہے تھے:

"قریش نے میرے ساتھ کوئی ایسی بدسلوکی نہ کی جو مجھے ناگوار گزری ہو، یہاں تک کہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔"

سیدہ سودہ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما سے آپ کی شادی:

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تقریباً ایک ماہ بعد شوال ۱۰ نبوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ وہ پہلے اپنے چچیرے بھائی سیدنا سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کے تحت تھیں۔ یہ دونوں سابقین اولین سے تھے۔ حبشہ ہجرت کی تھی پھر مکہ پلٹ آئے تھے۔ مکہ ہی میں سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ جب ان سے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی۔ چند سال بعد سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی۔

اس کے ایک سال بعد شوال ۱۱ نبوت میں آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ یہ شادی بھی مکہ ہی میں ہوئی۔ اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی۔ تین سال بعد مدینہ پہنچ کر شوال ۱ ہجری میں انہیں رخصت کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر نو برس تھی۔ یہ آپ کی سب سے محبوب بیوی اور امت کی سب سے فقیہ عورت تھیں۔ ان کے بڑے فضائل ومناقب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ طائف میں

ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے طائف کا قصد فرمایا کہ ممکن ہے وہاں کے لوگ آپ کی دعوت قبول کرلیں۔ یا آپ کو پناہ دیں اور آپ کی مدد کریں۔ چنانچہ آپ طائف کے لیے پیدل چل کھڑے ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ راستے میں جس کسی قبیلے سے گزر ہوتا اسے اسلام کی دعوت دیتے۔ یوں طائف پہنچے۔ قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں کا ...... جو آپس میں بھائی تھے...... قصد فرمایا۔ انہیں اسلام کی دعوت دی اور تبلیغ اسلام پر اپنی مدد چاہی مگر انہوں نے اسے منظور نہ کیا بلکہ بہت برا جواب دیا۔ آپ نے انہیں چھوڑ کر دوسروں کا قصد کیا۔ انہیں بھی اسلام لانے اور آپ کی مدد کرنے کی دعوت دی۔ اسی مقصد کے لیے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک سے گفتگو کی۔ اس کام میں دس دن گزار دیے لیکن کسی نے آپ کی بات نہ مانی بلکہ یہ کہا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ اور اپنے بچوں، اوباشوں اور غلاموں کو شہ دے دی۔

چنانچہ جب آپ نے واپسی کا قصد فرمایا تو انہوں نے آپ کے دونوں جانب لائن لگا کر گالیاں دیں اور بدزبانیاں کرنا شروع کیں۔ پھر پتھر برسانے لگے۔ جس سے آپ کی ایڑیاں اور پاؤں زخمی ہو گئے۔ جوتے خون سے تر ہو گئے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو آپ کو بچا رہے تھے ان کے سر پر کئی زخم آئے۔ حماقت کا یہ سلسلہ یہاں تک جاری رہا کہ آپ کو عتبہ اور شیبہ ابنائے ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ لینا پڑی۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلہ پر

واقع تھا۔ جب آپ اس باغ میں داخل ہوئے تو بھیڑ واپس چلی گئی۔
باغ کے اندر آپ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انگور کی ایک بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ جو کچھ پیش آیا تھا اس سے دل فگار تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک دردانگیز دعا فرمائی جو ''دعائے مستضعفین'' کے نام سے مشہور ہے اور وہ یہ ہے:

((اَللّٰھُمَّ اِلَیْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّةَ حِیْلَتِیْ، وَ ھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ، اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَ اَنْتَ رَبِّیْ، اِلٰی مَنْ تَكِلُنِیْ ؟ اِلٰی بَعِیْدٍ یَّتَجَھَّمُنِیْ، اَمْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِیْ؟ اِنْ لَّمْ یَكُنْ بِكَ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ وَ لٰكِنْ عَافِیَتُكَ ھِیَ اَوْسَعُ لِیْ، اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَ صَلُحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ یَنْزِلَ بِیْ غَضَبُكَ اَوْ یَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ))

''بارِ الٰہی! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ '' یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ'' تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے، جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے، جس کو تو نے میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو کوئی پروا نہیں۔ لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا اور آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے، یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری رضا مطلوب ہے۔ یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔''

ادھر آپ کو ابنائے ربیعہ نے اس حالت میں دیکھا تو ان دونوں کو ترس آ گیا اور اپنے ایک عیسائی غلام عداس کے بدست انگور کا ایک گچھا بھیج دیا۔ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر ہاتھ

بڑھایا اور کھایا۔ اس پر عداس نے کہا: ''اس علاقے کے لوگ تو یہ کلمہ نہیں بولتے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کس علاقے سے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟''

عداس نے کہا: ''نصرانی ہوں اور نینویٰ کا باشندہ ہوں۔''

آپ نے فرمایا: ''مرد صالح یونس بن متی کی بستی کے؟''

اس نے کہا: ''آپ کو کیا معلوم یونس بن متی کون ہیں؟''

آپ نے فرمایا: ''وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔''

اور قرآن مجید سے اس پر یونس بن متی کا واقعہ تلاوت فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر عداس مسلمان ہو گیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ باغ سے نکلے اور مکہ کی راہ پر آگے بڑھے۔ آپ غم و الم سے دل فگار تھے۔ ''قرنِ مَنَازل'' پہنچے تو ایک بادل نے سایہ کیا جس میں جناب جبریل علیہ السلام تھے اور ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ تھا۔ آپ نے سر اٹھایا تو جناب جبریل علیہ السلام نے آپ کو پکارا اور عرض کیا کہ اللہ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے۔ آپ اسے جو حکم چاہیں کریں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے سلام کیا اور کہا:

''اے محمد (ﷺ)! بات یہی ہے۔ اب آپ جو چاہیں، اگر چاہیں تو میں انہیں دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔''

یہاں دو پہاڑوں کے لیے اَخْشَبَیْنَ کا لفظ استعمال ہوا جو مکہ کے دو پہاڑ ابو قبیس اور اس کے سامنے والے پر بولا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بلکہ امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔''

یہ مدد آئی تو رسول اللہ ﷺ سے غم و الم کے بادل چھٹ گئے۔ آپ نے مکہ کے راستے پر مزید پیشرفت فرمائی اور نخلہ میں جا فروکش ہوئے۔ پھر چند دن یہیں قیام فرمایا۔ اس دوران اللہ نے آپ کے پاس جنوں کی ایک جماعت بھیجی۔ اس وقت آپ اپنے اصحاب کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس جماعت نے قرآن سنا۔ جب قرآن کی تلاوت ختم ہو گئی تو یہ

اپنی قوم کے پاس عذاب الٰہی سے ڈرانے والی بن کر واپس گئی کیونکہ یہ ایمان لا چکی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس کے متعلق کچھ علم نہ ہوا۔ یہاں تک کہ اس بارے میں قرآن نازل ہوا، چند آیتیں سورۂ احقاف کی اور چند آیتیں سورۂ جن کی۔

چند روز بعد رسول اللہ ﷺ نخلہ سے نکل کر مکہ روانہ ہوئے۔ آپ کو اللہ کی طرف سے کشادگی و فراخی کی امید تھی اور قریش کی طرف سے شر اور گرفت کا اندیشہ بھی۔ اس لیے آپ نے احتیاط پسند کی۔ چنانچہ مکہ کے قریب پہنچ کر غارِ حرا میں ٹھہر گئے اور اخنس بن شریق کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ وہ آپ کو پناہ دیدے۔ مگر اس نے یہ معذرت کی کہ وہ حلیف ہے اور حلیف پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپ نے سہیل بن عمرو کے پاس یہی پیغام بھیجا مگر اس نے بھی یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ اس کا تعلق بنو عامر بن لوی سے ہے اور ان کی پناہ بنو کعب بن لوی پر لاگو نہیں ہوتی۔ اب آپ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ مطعم کا دادا نوفل بن عبد مناف نبی ﷺ کے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کا بھائی تھا اور عبد مناف قبیلہ قریش کی سب سے معزز شاخ تھی۔ چنانچہ مطعم نے جواب میں ہاں کہی اور خود اس نے اور اس کے بیٹوں نے ہتھیار بند ہو کر رسول اللہ ﷺ کو بلوا بھیجا۔ آپ نے تشریف لا کر اور مسجد حرام میں داخل ہو کر پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اس دوران مطعم بن عدی اور اس کی اولاد نے مسلح ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھیرے میں لیے رکھا۔ مطعم نے قریش میں اعلان کیا:

”اس نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے رکھی ہے۔“

اور قریش نے اس کی پناہ کو منظور کیا۔

مشرکین کی طرف سے نشانیوں کی طلب

مشرکین کے مجادلوں میں ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ عاجز کرنے کے لیے عناد کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے نشانیاں طلب کرتے تھے۔ مختلف اوقات میں کئی بار انہوں نے یہ مطالبہ کیا۔ چنانچہ ایک بار وہ مسجد حرام میں جمع ہوئے، باہم مشورہ کیا، پھر نبی ﷺ کو بلا بھیجا کہ آپ کی قوم کے اشراف آپ سے بات کرنے کے لیے اکٹھا ہیں، چونکہ نبی ﷺ ان کی رشد و ہدایت کے بہت زیادہ خواہشمند تھے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَـٰخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ ءَاثَـٰرِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا۟ بِهَـٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَسَفًا ﴿٦﴾ (الكهف:٦)

''اگر وہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائے تو شاید آپ ان کے پیچھے اپنے آپ کو افسوس کے سبب ہلاک کر ڈالیں گے۔''

چنانچہ آپ ان کے اسلام لانے کی امید باندھے جلدی سے تشریف لائے۔ انہوں نے کہا:

''آپ ہمیں بتلاتے ہیں کہ پیغمبروں کے پاس نشانیاں تھیں۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کے لیے ڈنڈا اور جناب صالح علیہ السلام کے لیے اونٹنی تھی۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ تو جس طرح پہلے لوگوں کو نشانیوں کے ساتھ بھیجا گیا تھا آپ بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں۔''

وہ سمجھتے تھے کہ پیغمبروں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ جب چاہیں اس طرح کے خرق عادت

معجزات لانے پر اس طرح قدرت رکھتے ہیں جس طرح عام لوگ اپنے طبعی اعمال پر قدرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس مذکورہ مطالبہ کے ساتھ ہی یہ تجویز بھی پیش کی کہ آپ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیں یا پہاڑوں کو کہیں اور لے جائیں، اس علاقے کو پھیلی ہوئی زمین میں تبدیل کر دیں، اس میں نہر جاری کر دیں یا ہمارے جو آباؤ اجداد گزر چکے ہیں انہیں زندہ کر دیں تاکہ وہ شہادت دیں کہ آپ رسول ہیں:

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ﴿٩٠﴾ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ﴿٩١﴾ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿٩٢﴾ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ (الإسراء: ٩٠-٩٣)

"اور انہوں نے کہا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دیں، یا آپ کے لیے کھجور اور انگور کا باغ ہو جس کے درمیان آپ نہریں بہا دیں، یا جیسا کہ آپ کہتے ہیں ہمارے اوپر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں، یا پھر اللہ اور فرشتوں کو (ہمارے) روبرو حاضر کر دیں۔ یا آپ کے لیے زینت (سونے) کا گھر ہو، یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے کو بھی تسلیم نہیں کریں گے یہاں تک کہ آپ ہم پر ایک کتاب اتاریں جسے ہم پڑھیں۔"

انہوں نے اس مطالبے کے ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ اگر نبی ﷺ ان کی یہ تجویز پوری کر دیں تو وہ اسلام لانے کے لیے تیار ہیں:

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا

(الأنعام: ١٠٩)

''انہوں نے اپنی بھرپور قسموں کے ساتھ اللہ کی یہ قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ گئی تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے۔''

چنانچہ نبی اللہ ﷺ نے اللہ سے دعا کی کہ یہ جو طلب کر رہے ہیں اسے دکھلا دے اور امید باندھی کہ یہ مسلمان ہو جائیں گے۔ اس پر جناب جبریل علیہ السلام نے تشریف لا کر آپ کو یہ اختیار دیا کہ آپ ایک بات چن لیں یا تو جو کچھ یہ لوگ طلب کرتے ہیں انہیں دکھلا دیا جائے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کے بعد اگر کسی نے کفر کیا تو اسے ایسا عذاب دیا جائے گا کہ پوری دنیا والوں میں سے کسی کو ویسا عذاب نہیں دیا جائے گا یا پھر ان کے لیے توبہ و رحمت کا دروازہ کھول دیا جائے (اور ان کی مطلوبہ چیز نہ دکھائی جائے)۔

آپ نے فرمایا: ''بلکہ توبہ اور رحمت کا دروازہ ہی کھولا جائے۔''

جب نبی ﷺ نے یہ پہلو اختیار کر لیا تو ان کی تجاویز کا جواب نازل ہوا:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴿٩٣﴾ (الإسراء: ٩٣)

''آپ کہہ دیں کہ میرا رب پاک ہے، میں تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ بشر ہوں، رسول ہوں۔''

مطلب یہ ہے کہ میں خوارق اور معجزات کے لانے پر قادر نہیں ہوں کیونکہ اس کی قدرت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی قدرت میں کوئی اس کا شریک ہو۔ میں تو محض بشر ہوں جیسے تم لوگ بشر ہو لہٰذا مجھے ان باتوں کے لانے کی قدرت نہیں، جیسے تمہیں ان کی قدرت نہیں۔ ہاں تمہارے درمیان مجھے جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ میں رسول ہوں، میرے پاس وحی آتی ہے اور تم لوگ نہ رسول ہو، نہ تمہارے پاس وحی آتی ہے۔ پس جو نشانیاں تم لوگوں نے مجھ سے طلب کی ہیں نہ وہ میرے ہاتھ میں ہیں نہ میرے تصرف کے تحت ہیں بلکہ ان کا معاملہ اللہ عزوجل کی طرف ہے۔ اگر وہ چاہے تو انہیں

تمہارے لیے ظاہر فرما دے اور ان کے ذریعہ تمہارے درمیان میری تائید کر دے، اگر چاہے تو انہیں مؤخر کر دے اور تم لوگوں کی مصلحت بہر حال اسی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی مطلب کی سورۂ انعام میں بھی تاکید کی۔ فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّمَا ٱلْـَٔايَـٰتُ عِندَ ٱللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَآ إِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾﴾ (الأنعام:١٠٩)

''آپ کہہ دیں کہ نشانیاں تو بس اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا خبر کہ جب وہ آ جائیں تو یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔''

یعنی انبیاء و رسل خوارق و معجزات برپا نہیں کرتے بلکہ انہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ برپا کرتا ہے۔ البتہ وہ انبیاء و رسل کی تکریم و تائید اور ان کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لیے ان کے ہاتھ پر ان معجزات کا اظہار فرماتا ہے۔

پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ بات بیان فرمائی کہ یہ لوگ اگرچہ اپنی پوری قوت کے ساتھ قسم کھاتے ہیں کہ اگر انہوں نے نشانی دیکھ لی تو ضرور ایمان لائیں گے، لیکن اگر ان کی طلب کردہ نشانیاں دکھلا دے تو وہ ایمان پھر بھی نہیں لائیں گے:

﴿۞ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَآ إِلَيْهِمُ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ ٱلْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا۟ لِيُؤْمِنُوٓا۟ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ وَلَـٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿١١١﴾﴾ (الأنعام:١١١)

''اگر ہم ان کے پاس فرشتے اتار دیں، ان سے مردے باتیں کریں اور ان کے روبرو ہر چیز کو اکٹھا کر لائیں تو بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّ قُرْءَانًا سُيِّرَتْ بِهِ ٱلْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ ٱلْأَرْضُ

أَوْ كُلِّمَ بِهِ ٱلْمَوْتَىٰ ۗ بَل لِّلَّهِ ٱلْأَمْرُ جَمِيعًا ۗ أَفَلَمْ يَا۟يْـَٔسِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن لَّوْ يَشَآءُ ٱللَّهُ لَهَدَى ٱلنَّاسَ جَمِيعًا ۗ

(الرعد: ۳۱)

’’اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا کہ جس سے پہاڑ چلائے جاتے یا اس سے زمین قطع کی جاتی یا جس کے ذریعہ مردوں سے کلام کیا جاتا (تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے) حقیقت یہ ہے کہ سارے معاملات اللہ ہی کے لیے ہیں۔ کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں، انہیں یہ بات مایوس نہیں کرتی کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے ہی لوگ ہدایت پا جاتے۔‘‘

ان آیات اور ان جیسی آیات میں اللہ نے اپنی ایک سنت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ کوئی قوم جب کوئی معین نشانی طلب کرے، وہ نشانی دکھلا دی جائے پھر بھی ایمان نہ لائے تو پھر اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے اور مہلت نہیں دی جاتی۔ اللہ کی سنت میں تغیر و تبدل نہیں ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ بیشتر قریش نشانی دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے، اس لیے اللہ نے ان کی تجویز کردہ نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں دکھلائی۔

شق القمر:

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طلب کردہ مخصوص نشانیوں میں سے کوئی بھی نشانی پیش نہیں کی تو انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ کو عاجز اور خاموش کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ آپ سے نشانی طلب کی جائے۔ اس سے عوام کو بھی مطمئن کیا جا سکتا ہے کہ آپ رسول نہیں بلکہ سخن ساز ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور طے کیا کہ آپ سے بلا تعین کوئی بھی نشانی طلب کی جائے تاکہ لوگوں پر آپ کی بے بسی اور واضح ہو جائے اور وہ آپ پر ایمان نہ لائیں۔ چنانچہ وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہا:

’’آخر کوئی بھی نشانی ہے جس سے ہم جان سکیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟‘‘

اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ انہیں کوئی بھی نشان دکھلا دے۔

چنانچہ اللہ نے یہ نشانی دکھلائی کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا جبل ابوقبیس کے اوپر اور ایک اس سے نیچے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے حرا پہاڑ کو دونوں ٹکڑوں کے بیچ میں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گواہ رہو۔''

قریش نے یہ نشان کھلم کھلا، واضح طور پر لمبے وقت تک کے لیے دیکھا۔ چنانچہ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور وہ بھونچکا رہ گئے لیکن ایمان نہیں لائے۔ کہنے لگے:

''یہ ابوکبشہ کے بیٹے کا جادو ہے۔ ہم پر محمد ﷺ نے جادو کر دیا ہے۔''

ایک آدمی نے کہا:

'' اگر اس نے تم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر نہیں کر سکتا، مسافروں کا انتظار کرو۔''

مسافر آئے تو ان سے پوچھا گیا۔ انہوں نے کہا: ''ہاں ہم نے بھی دیکھا ہے۔'' لیکن قریش اپنے کفر پر مصر رہے اور اپنی خواہشات ہی کی پیروی کی۔

غالباً ''شق قمر'' کا یہ واقعہ اس سے بھی بڑے اور اہم واقعے کی تمہید تھا یعنی اسراء اور معراج کی۔ کیونکہ یوں کھلی آنکھوں چاند کو پھٹا ہوا دیکھ لینے سے اسراء و معراج کا امکان بھی عام ذہن کے لیے قابل قبول ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم!

اسراء اور معراج

اسراء سے مراد ہے راتوں رات نبی ﷺ کا مکہ سے بیت المقدس تشریف لے جانا اور معراج سے مراد ہے عالم بالا میں تشریف لے جانا۔ یہ واقعہ جسم اور روح سمیت پیش آیا تھا:

اسراء کا ذکر قرآن مجید کے اندر اللہ کے اس ارشاد میں آتا ہے:

سُبْحَٰنَ ٱلَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ إِلَى ٱلْمَسْجِدِ ٱلْأَقْصَا ٱلَّذِى بَٰرَكْنَا حَوْلَهُۥ لِنُرِيَهُۥ مِنْ ءَايَٰتِنَآ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ﴿١﴾ (الإسراء: ١)

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی جس کے گرد ہم نے برکت دے رکھی ہے، تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھلائیں۔ بے شک وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

معراج کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سورۂ نجم کی ساتویں آیت سے لے کر اٹھارہویں آیت تک میں مذکور ہے اور کہا جاتا ہے ان آیات میں جو کچھ مذکور ہے معراج کے ماسوا ہے۔

اسراء اور معراج کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ جس سال آپ کی بعثت ہوئی اسی سال یہ واقعہ پیش آیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ۵ نبوت میں۔ ایک قول یہ ہے کہ ۲۷ رجب ۱۰ نبوت میں۔ ایک قول یہ ہے کہ ۱۷ رمضان ۱۲ نبوت میں۔ ایک قول یہ

ہے کہ محرم اور ایک قول یہ ہے کہ ۱۷ ربیع الاول ۱۳ نبوت میں۔

واقعہ کی تفصیل کے تعلق سے صحیح روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب جبریل علیہ السلام ''براق'' لے کر تشریف لائے۔ یہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ایک جانور ہے جو اپنا کھر اپنی نگاہ کے آخری مقام پر رکھتا ہے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تھے۔ آپ اس جانور پر سوار ہو کر جناب جبریل علیہ السلام کی معیت میں بیت المقدس تشریف لائے۔ وہاں جس حلقے میں انبیاء اپنی سواریاں باندھتے تھے اس میں براق کو باندھ دیا۔ پھر مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں انبیاء کی امامت فرمائی۔ پھر جناب جبریل علیہ السلام آپ کے پاس دو برتن لائے۔ ایک شراب کا اور ایک دودھ کا۔ آپ نے دودھ اختیار فرمایا۔ جناب جبریل علیہ السلام نے کہا:

''آپ نے فطرت پائی۔ آپ کو بھی ہدایت نصیب ہوئی اور آپ کی امت کو بھی۔ اگر آپ نے شراب لی ہوتی تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس سے آسمان دنیا تک لے جایا گیا۔ جناب جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دروازہ کھولا گیا۔ آپ نے وہاں انسانوں کے باپ جناب آدم علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔ ان کے دائیں ایک گروہ تھا جب انہیں دیکھتے تو مسکراتے۔ یہ سعادت مندوں کی روحیں تھیں اور ان کے بائیں ایک گروہ تھا، جب انہیں دیکھتے تو روتے۔ یہ بدبختوں کی روحیں تھیں۔

پھر آپ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ جناب جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ آپ کے لیے دروازہ کھولا گیا۔ آپ نے اس میں دو خالہ زاد بھائیوں جناب یحییٰ بن زکریا اور جناب عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ دونوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور نبوت کا اقرار کیا۔

پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ نے جناب یوسف علیہ السلام کو دیکھا، انہیں آدھا حسن دیا گیا تھا۔ آپ نے انہیں سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر چوتھے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں جناب ادریس علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا، وہاں جناب ہارون علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ مرحبا کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر چھٹے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں جناب موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر جب آپ وہاں سے آگے بڑھے تو وہ رونے لگے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا:

"میں اس لیے رو رہا ہوں کہ ایک جوان میرے بعد مبعوث کیا گیا، اس کی امت میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت کے اندر داخل ہوگی۔"

اس کے بعد آپ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ کی ملاقات جناب ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔ وہ اپنی پشت "بیت المعمور" سے ٹیکے ہوئے تھے، جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، دوبارہ ان کے پلٹنے کی باری نہیں آتی۔

پھر آپ کو "سدرۃ المنتہیٰ" تک لے جایا گیا۔ اس کے پتے ہاتھی کے کان جیسے اور اس کے پھل بڑے کونڈوں یا ٹھلیوں جیسے۔ پھر اس پر سونے کے پتنگے چھا گئے اور اللہ کے امر میں سے جو کچھ چھانا تھا چھا گیا۔ اس سے وہ سدرہ تبدیل ہو کر اتنا خوبصورت ہو گیا کہ اللہ کی کوئی مخلوق اس کا حسن بیان کرنے کی تاب نہیں رکھتی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبار جل جلالہ کے حضور لے جایا گیا اور اس وقت اللہ نے اپنے بندے پر وحی فرمائی جو کچھ کہ وحی فرمائی۔ آپ پر اور آپ کی امت پر دن رات میں پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔

پھر آپ واپس ہوئے، جناب موسیٰ علیہ السلام پر گزرے تو انہوں نے پوچھا:

''آپ کے رب نے آپ کو کس بات کا حکم دیا ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''پچاس نمازوں کا۔''

انہوں نے کہا: ''آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اپنے رب کے پاس واپس جایئے اور اس سے تخفیف کا سوال کیجیے۔''

آپ نے جناب جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ ''ہاں! اگر آپ چاہیں۔'' چنانچہ آپ واپس ہوئے۔ اللہ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پھر جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا۔ انہوں نے پھر تخفیف کے سوال کا مشورہ دیا۔ یوں جناب موسیٰ علیہ السلام اور اللہ عزوجل کے درمیان آپ کی آمد و رفت جاری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کر دیں۔ اس کے بعد آپ پھر جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر واپس جا کر تخفیف کے سوال کا مشورہ دیا اور کہا کہ: ''میں نے اس سے کم پر بنو اسرائیل کو بلایا لیکن وہ اس سے بھی کمزور پڑ گئے اور اسے چھوڑ دیا۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اب مجھے اپنے رب سے شرم آ رہی ہے، میں اسی پر راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔''

پھر جب آپ مزید کچھ دور تشریف لے گئے تو ندا آئی:

''میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔ وہ پانچ (نمازیں) ہیں اور (ثواب میں) پچاس ہیں۔ میرے نزدیک بات نہیں بدلی جاتی۔''

پھر اسی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے۔ جب صبح ہوئی اور آپ نے اپنی قوم کو ان بڑی بڑی نشانیوں کی خبر دی جو اللہ عزوجل نے آپ کو دکھلائی تھیں تو قوم کی تکذیب اور اذیت و ضرر رسانی میں اور شدت آ گئی۔ کسی نے تالیاں بجائیں اور کسی نے تعجب و انکار سے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا۔ کچھ لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑے اور انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا:

''اگر یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہے تو سچ کہی ہے۔''

لوگوں نے کہا: ''آپ اس پر بھی ان کی تصدیق کرتے ہیں؟''

انہوں نے کہا:

''میں تو اس سے بھی دور کی بات پر آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔ آسمان سے صبح یا شام جو خبر آتی ہے میں اس میں بھی آپ کو سچا مانتا ہوں۔''

اس پر آپ کا لقب صدیق پڑ گیا۔

پھر کفار نے اٹھ کر آپ ﷺ کا امتحان لیا۔ پوچھا کہ آپ بیت المقدس کے اوصاف بیان کریں۔ آپ نے اس سے پہلے بیت المقدس دیکھا نہ تھا اور نہ اس رات کی نشانیاں ضبط کی تھیں۔ لیکن اللہ نے اسے آپ کے لیے روشن کر دیا اور آپ اسکی نشانیاں بتاتے گئے۔ آپ نے ایک ایک دروازہ اور ایک ایک جگہ بتلائی اور وہ آپ کی کوئی تردید نہ کر سکے بلکہ یہ کہا کہ جہاں تک اوصاف کا تعلق ہے تو آپ نے بالکل ٹھیک بیان کیے ہیں۔

انہوں نے اپنے ایک قافلے کے متعلق بھی سوال کیا جو ملک شام سے آ رہا تھا۔ آپ نے اس قافلے کے اونٹوں کی تعداد، قافلے کے احوال، اس کے پہنچنے کا وقت، جو اونٹ آگے آگے آ رہا تھا ان سب کی خبر دی اور جیسے آپ نے بتلایا تھا ویسا ہی ہوا، لیکن ان ظالموں نے کفر ہی پر اصرار کیا۔

اسراء کی صبح جناب جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ کو پانچوں نمازوں کی کیفیت اور ان کے اوقات سکھلائے۔ اس سے پہلے نماز صرف دو رکعت صبح اور دو رکعت شام میں تھی۔

قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت

جب سے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھلم کھلا دعوت و تبلیغ کا حکم دیا تھا۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ حج کے موسم اور عرب کے بازاروں کے ایام میں آپ قبائل کے خیموں اور ٹھکانوں پر تشریف لے جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

جاہلیت میں عرب کے مشہور اور مکہ سے قریب ترین بازار تین تھے۔ (۱) عکاظ، (۲) مجنہ (۳) ذوالمجاز...... عکاظ نخلہ اور طائف کے درمیان ایک بستی تھی جہاں پہلی ذی قعدہ سے بیس ذی قعدہ تک بازار لگتا تھا۔ اس کے بعد لوگ مجنہ منتقل ہو جاتے تھے اور وہاں ذی قعدہ کے خاتمے تک بازار لگاتے تھے۔ مجنہ مکہ سے نیچے وادی مر الظہران میں ایک مقام کا نام ہے۔ ذوالمجاز جبل عرفہ یعنی جبل رحمت کے پیچھے ہے۔ جہاں پہلی ذی الحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک بازار لگتا تھا۔ اس کے بعد لوگ مناسک حج کی ادائیگی کے لیے فارغ ہو جاتے تھے۔

جن قبائل کو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی اور اس مقصد کے لیے اپنے آپ کو ان پر پیش کیا کہ وہ آپ کو پناہ دیں اور آپ کی مدد کریں وہ یہ ہیں: بنو عامر، بنو صعصعہ، بنو محارب بن خصفہ، بنو فزارہ، غسان اور مرہ۔ بنو حنیفہ، بنو سلیم، بنو عبس، بنو نضر، بنو البکاء، کندہ، کلب، بنو الحارث بن کعب، عذرہ اور حضارمہ، ان میں سے کسی نے بھی آپ کی دعوت اور پیشکش قبول نہ کی، لیکن ان کے جوابات اور انداز مختلف تھے۔ کسی نے بہترین جواب دیا، کسی نے آپ کے بعد اپنے لیے ریاست کی شرط لگائی۔ کسی نے کہا: ”آپ کا خاندان اور

قبیلہ آپ کو بہتر جانتا ہے کہ اس نے آپ کی پیروی نہیں کی ہے۔" کسی نے برا جواب دیا۔ ان میں سب سے برا جواب مسیلمہ کذاب کے گروہ بنو حنیفہ کا تھا۔

ایمان کی شعاعیں مکہ سے باہر:

جس زمانے میں اسلامی دعوت مکہ کے اندر مشکل ترین مرحلے سے گزر رہی تھی، اللہ نے مقدر کر رکھا تھا کہ اسی زمانے میں مکہ سے باہر کچھ لوگ ایمان لائیں۔ یوں ان کی حیثیت امید کی چنگاری کی تھی جو مایوسی کی تاریکیوں میں چمکی۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱۔ سوید بن صامت رضی اللہ عنہ:

یہ شاعر تھے، گہری سوجھ بوجھ کے حامل اور یثرب کے باشندے۔ ان کے شرف و شعر گوئی کی وجہ سے انہیں "کامل" کہا جاتا تھا۔ یہ حج یا عمرہ کے لیے مکہ تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے آپ پر حکمت لقمان پیش کی۔ آپ نے ان پر قرآن پیش کیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ کہنے لگے: "یہ بہترین قول ہے۔" جنگ بعاث سے پہلے اوس و خزرج کے درمیان ایک لڑائی میں قتل ہو گئے۔

۲۔ ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہ:

یہ یثرب کے باشندے تھے اور نوخیز نوجوان۔ ۱۱ نبوت کے اوائل میں اوس کے ایک وفد کے ہمراہ مکہ تشریف لائے، جو قریش سے خزرج کے خلاف حلف وتعاون چاہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی تلاوت بھی فرمائی۔ ایاس نے کہا:

"یہ واللہ! اس سے بہتر ہے جس کے لیے آپ لوگ تشریف لائے ہیں۔"

اس پر وفد کے ایک رکن ابو الحسیر نے بطحا کی کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر دے ماریں اور کہا:

"یہ بات چھوڑ دو! یہاں ہم دوسرے مقصد سے آئے ہیں۔"

چنانچہ وہ خاموش ہو رہے اور یثرب واپس آ کر جلد ہی وفات پا گئے۔ وفات کے وقت

وہ تہلیل و تکبیر اور حمد و تسبیح کر رہے تھے۔ اس لیے ان کی قوم کو کوئی شبہ نہیں کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی۔

۳۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ:

انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہما سے ہوئی۔ انہوں نے پتہ لگانے کے لیے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا۔ وہ گئے اور واپس آئے، لیکن تسلی نہ کر سکے۔ چنانچہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ خود نکلے اور مکہ پہنچ کر مسجد حرام میں جا نازل ہوئے۔ پھر تقریباً ایک مہینہ مسجد حرام ہی میں رہے اور زمزم کا پانی پیتے رہے، جو کھانا پانی دونوں کا کام دیتا تھا۔ لیکن جان کے ڈر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی سے پوچھتے نہ تھے۔ بالآخر جناب علی رضی اللہ عنہ ان کو اپنے پیچھے پیچھے لے کر گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جا داخل ہوئے۔ وہاں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر اسلام پیش کریں۔ آپ نے اسلام پیش کیا اور وہ وہیں مسلمان ہو گئے۔ پھر انہوں نے مسجد حرام میں آ کر اعلان کیا:

((اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُه))

ادھر یہ سننا تھا کہ قریش ان پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ مرجائیں۔ لیکن جناب عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو بچا لیا۔ دوسرے دن آ کر پھر یہی اعلان کیا۔ قریش نے اتنا مارا کہ مرجائیں اور کل کی طرح آج بھی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آ کر ان کو بچایا۔

اس کے بعد جناب ابوذر رضی اللہ عنہ اپنی قوم بنو غفار میں واپس آ گئے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو وہ بھی مدینہ ہجرت کر آئے۔

۴۔ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ:

یہ شاعر تھے، گہری سوجھ بوجھ کے مالک اور اطراف یمن میں واقع قبیلہ ''دوس'' کے سردار۔ ۱۱ نبوت میں مکہ تشریف لائے تو اہل مکہ نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر ڈرایا کہ جب وہ مسجد حرام میں آئے تو کان میں روئی ٹھونس لی کہ کہیں آپ کی کوئی بات سنائی نہ پڑ جائے۔ مگر ہوا یہ کہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ

رہے تھے۔ آپ کی آواز ان کے کان میں پڑ ہی گئی۔ انہوں نے جو کچھ سنا بہت اچھا محسوس کیا۔ چنانچہ جی ہی جی میں کہا:

''میں سوجھ بوجھ رکھنے والا شاعر ہوں۔ مجھ پر بھلا برا چھپا نہیں رہ سکتا۔ پھر کیوں نہ میں اس شخص کی بات سنوں، اگر اچھی ہوئی تو قبول کرلوں گا، بری ہوئی تو نہ مانوں گا۔''

چنانچہ جب نبی ﷺ گھر تشریف لائے تو وہ بھی آپ کے پیچھے ہو لیے۔ گھر کے اندر آکر آپ سے اپنا واقعہ بیان کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ آپ ان پر اپنا دین پیش کریں۔ آپ ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت کی۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور حق کی شہادت دی۔ عرض کی کہ میری قوم میں میری بات مانی جاتی ہے۔ میں ان کے پاس پلٹ کر جارہا ہوں اور انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ لہٰذا آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے کوئی نشانی دے دے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ چنانچہ جب وہ اپنی قوم کے قریب پہنچے تو ان کا چہرہ چراغ کی طرح روشن ہوگیا۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ اسے چہرے کی بجائے کہیں اور کردے۔ چنانچہ یہ روشنی ان کے کوڑے میں پلٹ آئی۔ پھر جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو انہیں اسلام کی دعوت دی۔ والد اور بیوی نے تو اسلام قبول کرلیا مگر قوم نے تاخیر کی لیکن جب انہوں نے غزوۂ حدیبیہ کے بعد مدینہ ہجرت کی تو ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر ۷۰ یا اسی ۸۰ گھرانے تھے۔

۵۔ ضماد ازدی رضی اللہ عنہ:

یہ یمن کے باشندے اور ازدشنوءہ کے ایک فرد تھے۔ جھاڑ پھونک کے ذریعہ پاگل پن دور کرنا اور جن وشیاطین اتارنا ان کا کام تھا۔ مکہ آئے تو وہاں کے احمقوں سے سنا کہ (نعوذ باللہ) محمد (ﷺ) پاگل ہیں۔ چنانچہ وہ آپ کا علاج کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِيْنُهُ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ

يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ، اَمَّا بَعْدُ!!))

''یقیناً ساری تعریف اللہ کے لیے ہے، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں۔ اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اما بعد!''

ضماد نے یہ کلمات سنے تو اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں تین بار دہرانے کی آپ ﷺ سے درخواست کی۔ پھر کہا:

''میں کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کی بات سن چکا ہوں، لیکن میں نے آپ کے ان جیسے کلمات کہیں نہیں سنے۔ یہ تو سمندر کی اتھاہ گہرائی کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لائیے ہاتھ بڑھائیے! آپ سے اسلام پر بیعت کروں۔''

اور انہوں نے بیعت کر لی۔

۶۔ یثرب کے چھ سعادت مند:

جو سب کے سب قبیلہ خزرج سے تھے اور ان کے نام یہ ہیں:

① اسعد بن زرارہ۔
② عوف بن حارث بن رفاعہ (عوف بن عفراء)۔
③ رافع بن مالک بن عجلان۔
④ قطبہ بن عامر بن حدیدہ۔
⑤ عقبہ بن عامر بن نابی۔
⑥ جابر بن عبداللہ بن رأب۔ (رضی اللہ عنہم)

یہ لوگ ۱۱ نبوت میں حج کے لیے آنے والوں کے ہمراہ آئے تھے۔ ادھر اہل یثرب جب

کبھی یہود کو جنگ وغیرہ میں زک پہنچاتے تو ان سے سنا کرتے تھے کہ ایک نبی اس وقت بھیجا جانے والا ہے۔ اس کی بعثت کا زمانہ آن لگا ہے۔ ہم اس کی معیت میں تمہیں عاد وارم کی طرح قتل کر ڈالیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ منیٰ کی گھاٹی میں رات کے وقت باتیں کر رہے تھے کہ وہاں سے رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ نے آوازیں سنیں تو ان کا رخ کیا اور ان کے پاس پہنچ کر فرمایا: ''آپ کون لوگ ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''خزرج کا ایک گروہ ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''یعنی یہود کے حلیف ؟'' بولے :''ہاں!'' فرمایا: ''پھر کیوں نہ آپ حضرات بیٹھیں، کچھ بات چیت کی جائے۔'' انہوں نے کہا: ''کیوں نہیں!'' چنانچہ وہ آپ کے ہمراہ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان پر اسلام کی حقیقت واضح کی، قرآن کی تلاوت کی اور اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی۔ اس پر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''دیکھو! یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کے حوالے سے یہودی ہمیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں، لہٰذا وہ تم پر سبقت نہ کرنے پائیں۔''

چنانچہ انہوں نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ کہا کہ ہم اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ کسی اور قوم میں ان جیسی عداوت اور دشمنی نہیں۔ پس اگر اللہ آپ پر ان کو اکٹھا کر دے تو آپ سے بڑھ کر کوئی معزز نہ ہوگا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اس دین کی دعوت دیں گے اور آئندہ حج میں آپ سے ملاقات کریں گے۔

پہلی بیعت عقبہ:

وعدے کے مطابق اگلے سال ۱۲ نبوت کے موسم حج میں بارہ آدمی حاضر ہوئے۔ دس خزرج اور دو اوس سے۔ خزرج کے دس آدمیوں میں سے جابر بن عبد اللہ بن رأب کو چھوڑ کر باقی پانچ تو وہی تھے جو پچھلے سال آچکے تھے اور نئے پانچ یہ تھے:

① معاذ بن حارث (معاذ بن عفراء)۔
② زکوان بن عبد القیس۔
③ عبادہ بن صامت۔

④ یزید بن ثعلبہ۔

⑤ عباس بن عبادہ بن نضلہ۔

اور قبیلہ اوس کے دو آدمی یہ تھے:

① ابوالہیثم بن التیہان۔

② عویم بن ساعدہ۔ (رضی اللہ عنہم)

یہ لوگ منیٰ کی گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہوئے، آپ نے انہیں اسلام سکھایا اور فرمایا:

''آؤ! مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے گھڑ کر کوئی بہتان نہ لاؤ گے اور کسی بھلی بات میں میری نافرمانی نہ کرو گے۔ اب جس شخص نے یہ ساری باتیں پوری کیں تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھا، پھر اسے دنیا ہی میں اس کی سزا دے دی گئی تو اس کے لیے کفارہ ہے۔ جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھا پھر اللہ نے اس پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔''

اس پر ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

یثرب میں اسلام کی دعوت:

اس کے بعد جب یہ لوگ واپس ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تا کہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور دین سکھائیں۔ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوامامہ اسعد بن زرارہ کے گھر نزول فرما ہوئے۔ پھر وہ دونوں اسلام کی تبلیغ کے لیے سرگرم ہو گئے۔ ایک روز دونوں ایک باغ میں تھے کہ اوس کے سردار سعد بن معاذ نے اپنے چچیرے بھائی اسید بن حضیر سے کہا:

''ذرا جاؤ اور ان دونوں کو...... جو ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بنانے آئے ہیں...... ڈانٹ دو۔''

سیدنا اسید نے اپنا حربہ لیا اور ان دونوں کے پاس آئے۔ انہیں اسعد نے دیکھا تو سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا:

''یہ اپنی قوم کا سردار تمہارے پاس آرہا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ سے سچائی اختیار کرو۔''

سیدنا اسید رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر بولے:

''تم دونوں یہاں کیوں آئے ہو؟ ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بناتے ہو۔ اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو ہم سے الگ ہی رہو۔''

سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کیوں نہ آپ بیٹھیں اور سنیں۔ اگر ہماری بات پسند آئے تو مان لیں، ناپسند ہو تو جو بات آپ کو ناپسند ہو ہم اس سے رک جائیں۔''

انہوں نے کہا:

''تم نے انصاف کی بات کہی اور اپنا حربہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔''

سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام کی بات کی، قرآن کی تلاوت فرمائی۔ سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے دین اسلام کو پسند کیا، اسے قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔

پھر سیدنا اسید رضی اللہ عنہ واپس ہوئے۔ سیدنا سعد بن معاذ کو ان کے پاس بھیجنے کے لیے ایک حیلہ اختیار کیا۔ کہا کہ میں نے دونوں سے گفتگو کی تو واللہ! مجھے تو کوئی حرج نظر نہیں آیا، ویسے میں نے انہیں منع کر دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ہم وہی کریں گے جو آپ چاہیں گے۔ البتہ مجھے بتایا گیا ہے کہ بنو حارثہ کے لوگ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے نکلے ہیں، کیونکہ وہ آپ کی خالہ کا لڑکا ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کا عہد توڑ دیں۔

اس پر سعد بھڑک اٹھے اور بگڑے ہوئے ان دونوں کے پاس پہنچے، ان کے ساتھ بھی سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ نے وہی کیا جو سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا اور اللہ نے انہیں بھی اسلام کی

ہدایت دے دی۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے۔ حق کی شہادت دی، پھر قوم میں واپس گئے اور کہا:

''اے بنو عبد الاشہل! تم لوگ اپنے اندر میرا معاملہ کیسا جانتے ہو؟''

انہوں نے کہا: ''آپ ہمارے سردار ہیں اور سب سے اچھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اچھا تو تمہارے مردوں اور عورتوں سے میری بات چیت حرام ہے جب تک کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاؤ۔''

نتیجہ یہ ہوا کہ شام تک کوئی بھی مرد و عورت ایسا نہ تھا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو۔ صرف ایک آدمی اُصیرم تھا جس کا اسلام جنگ احد تک مؤخر ہوا۔ اس دن یہ اسلام لایا اور اس سے پہلے کہ اللہ کے لیے ایک سجدہ بھی کرے اللہ کی راہ میں کام آ گیا۔

پھر اگلے موسم حج سے پہلے سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ اس طرح کی کامیابی کی بشارتیں لیے ہوئے مکہ واپس تشریف لائے۔

دوسری بیعت عقبہ:

موسم حج ۱۳ نبوت میں یثرب کے بہت سے مسلمان اور مشرکین حج کے لیے آئے اور مسلمانوں نے طے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے پہاڑوں میں چکر کاٹتے، ٹھوکریں کھاتے اور خوفزدہ کیے جاتے ہوئے نہ چھوڑیں۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے در پردہ رابطہ کیا اور ایام تشریق کے درمیانے روز رات کے وقت جمرۂ عقبہ کے پاس گھاٹی میں اجتماع منعقد کرنے پر اتفاق کیا۔

پھر مقررہ دن یہ لوگ اپنی قوم کے ساتھ اپنے ڈیروں میں سو گئے۔ جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر چکا تو چپکے چپکے ایک ایک، دو دو آدمی نکل نکل کر عقبہ کے پاس گھاٹی میں جمع ہوئے۔ یہ کل تہتر آدمی تھے، باسٹھ خزرج کے اور گیارہ اوس کے اور ان کے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں، نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا بنو نجار سے اور اسماء بنت عمرو رضی اللہ عنہا بنو سلمہ سے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب بھی تھے۔ وہ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر تھے لیکن چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہیں اور ان کے لیے ٹھوس اطمینان حاصل کر لیں۔

سب سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی نے بات کی۔ انہوں نے کہا:

''رسول اللہ ﷺ اپنی قوم اور اپنے شہر میں عزت وحفاظت کے ساتھ ہیں۔ لہٰذا اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم انہیں جس چیز کی طرف بلا رہے ہو اسے نباہ لو گے، انہیں ان کے مخالفین سے بچالو گے تو تم نے جو ذمہ داری اٹھائی ہے اسے تم جانو، ورنہ ابھی سے انہیں چھوڑ دو۔''

اس کے جواب میں اہل یثرب کے ترجمان حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم صدق و وفا کا اور رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنی روحیں نچھاور کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا اے اللہ کے رسول! آپ بات کیجیے اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو عہد و پیماں پسند ہو لیجیے۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ آپ نے قرآن کی تلاوت کی، اللہ کی طرف دعوت دی، اسلام کی ترغیب دلائی اور اپنے رب کے لیے یہ عہد لیا کہ:

① تنہا اس کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے۔ اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے یہ عہد لیا۔ پھر جب اہل یثرب نے کہا: ''ہم کس چیز پر آپ سے بیعت کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

② چستی اور سستی ہر حال میں بات سنو گے اور مانو گے۔

③ تنگی اور خوشحالی، ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔

④ بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔

⑤ اللہ کے بارے میں اٹھ کھڑے ہو گے اور اس کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت تمہیں نہ پکڑے گی۔

⑥ جب میں تمہارے پاس آ جاؤں تو میری مدد کرو گے۔ جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری حفاظت کرو گے ......اور تمہارے لیے جنت ہے۔

⑦ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ (ہم نے اس بات پر بھی بیعت کی کہ) حکومت کے بارے میں اہل حکومت سے نزاع نہ کریں گے۔

اس پر حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور کہا:

"ہاں! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم یقیناً اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ ہم سے بیعت لیجیے۔ اللہ کی قسم! جنگ کے بیٹے ہیں اور ہتھیار ہمارا کھلونا ہے۔ ہماری یہی ریت باپ دادا سے چلی آ رہی ہے۔"

اتنے میں ابوالہیثم بن تیہان نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"اے اللہ کے رسول! ہمارے اور کچھ لوگوں کے درمیان ......عہد و پیماں کی ...... رسیاں ہیں، اب ہم انہیں کاٹنے والے ہیں، تو کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ایسا کر ڈالیں پھر اللہ آپ کو غلبہ عطا کر دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس پلٹ آئیں۔"

آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور فرمایا:

"نہیں، بلکہ خون خون ہے اور بربادی بربادی ہے۔ میں آپ لوگوں سے ہوں اور آپ لوگ مجھ سے ہیں۔ جس سے آپ جنگ کریں گے میں جنگ کروں گا اور جس سے آپ صلح کریں گے میں صلح کروں گا۔"

ٹھیک اسی فیصلہ کن لمحے میں حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انہوں نے کہا:

"آپ لوگ جانتے ہیں کہ ان سے کس بات پر بیعت کر رہے ہیں؟ ان سے سرخ وسیاہ (یعنی سارے انسانوں) سے جنگ پر بیعت کر رہے ہیں۔ اس لیے اگر آپ کا اندازہ ہے کہ جب آپ کے اموال کا صفایا کر دیا جائے گا، آپ کے اشراف قتل کر دیے جائیں گے تو آپ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے تو پھر ابھی سے چھوڑ دیجیے، کیونکہ یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے، اگر آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مال

کی تباہی اور اشراف کے قتل کے باوجود عہد نبھائیں گے تو پھر انہیں لے لیجیے، کیونکہ واللہ! یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔''

لوگوں نے کہا:

''ہم انہیں مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کے خطرے کے ساتھ لیتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ! بتلایئے! اس کے بدلے ہمارے لیے کیا ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت۔''

لوگوں نے کہا:

''اپنا ہاتھ پھیلائیں۔''

آپ ﷺ نے ہاتھ پھیلایا، لوگ بیعت کے لیے لپکے، مگر عین اسی وقت آپ کا ہاتھ حضرت اسعد بن زرارہ ﷺ نے پکڑ لیا اور کہا:

''اہل یثرب! ذرا ٹھہر جاؤ، ہم آپ کی خدمت میں اونٹوں کے کلیجے مار کر (لمبا سفر کر کے) اس یقین کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آج آپ ﷺ کو یہاں سے لے جانے کے معنی ہیں کہ سارے عرب سے دشمنی، اپنے چیدہ سرداروں کا قتل اور تلواروں کی مار۔ اب اگر آپ لوگ یہ سب برداشت کر سکتے ہیں تو انہیں لے لیں اور آپ کا اجر اللہ پر ہے۔ اگر آپ لوگ اپنے متعلق کوئی اندیشہ رکھتے ہیں تو انہیں ابھی سے چھوڑ دیں۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قابل عذر ہوگا۔''

لوگوں نے کہا:

''اسعد! اپنا ہاتھ ہٹایئے واللہ! ہم اس بیعت کو چھوڑ سکتے ہیں نہ توڑ سکتے ہیں۔''

اس کے بعد ایک ایک آدمی نے اٹھ کر بیعت کی۔ راجح ترین قول کے مطابق سب سے پہلے بیعت کرنے والے خود حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ تھے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ تھے۔ دونوں عورتوں کی بیعت صرف زبان سے ہوئی، ان سے مصافحہ نہیں فرمایا۔

بارہ نقیب:

بیعت مکمل ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے طلب کیا کہ وہ اپنے آپ میں سے بارہ نقیب پیش کریں جو اپنی قوم کے نگران اور ان کے معاملات کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس پر نو آدمی خزرج سے اور تین آدمی اوس سے منتخب کیے گئے۔ خزرج کے نقباء کے نام یہ ہیں:

① ...... سعد بن عبادہ بن دلیم رضی اللہ عنہ۔

② ...... اسعد بن زرارہ بن عدس رضی اللہ عنہ۔

③ ...... سعد بن ربیع بن عمرو رضی اللہ عنہ۔

④ ...... عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ۔

⑤ ...... رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ۔

⑥ ...... براء بن معرور بن صخر رضی اللہ عنہ۔

⑦ ...... عبداللہ بن عمرو بن صخر رضی اللہ عنہ۔

⑧ ...... عبادہ بن صامت بن قیس رضی اللہ عنہ۔

⑨ ...... منذر بن عمرو بن خنیس رضی اللہ عنہ۔

اوس کے نقباء کے نام یہ ہیں:

⑩ ...... اسید بن حضیر بن سماک رضی اللہ عنہ۔

⑪ ...... سعد بن خیثمہ بن حارث رضی اللہ عنہ۔

⑫ ...... رفاعہ بن منذر بن زبیر رضی اللہ عنہ...... اور کہا جاتا ہے کہ ابو الہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ۔

جب ان کا انتخاب ہو چکا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”آپ لوگ اپنی قوم کے جملہ معاملات کے کفیل ہیں۔ جس طرح حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کفیل ہوئے تھے اور میں اپنی قوم (مسلمانوں) کا کفیل ہوں۔“

ان سب نے کہا: ”جی ہاں۔“

یہ ہے دوسری بیعت عقبہ، یہ نبی ﷺ کی اب تک کی زندگی میں سب سے عظیم اور اہم بیعت تھی۔ اس کی وجہ سے واقعات کا رخ بدل گیا اور تاریخ کا دھارا تبدیل ہو گیا۔

جب بیعت پوری ہو چکی اور لوگ بکھرنے ہی والے تھے تو ایک شیطان کو اس کا پتہ چل گیا۔ اس نے نہایت بلند آواز سے جو شاید ہی کبھی سنی گئی ہو، پکار لگائی کہ:

''خیمے والو! کیا محمد (ﷺ) سے نمٹو گے؟ اس وقت بے دین اس کے ساتھ ہیں اور وہ تم سے لڑنے کے لیے جمع ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''او اللہ کے دشمن! میں تیرے لیے جلد ہی فارغ ہو رہا ہوں۔''

اور لوگوں سے فرمایا کہ اپنے ڈیروں پر چلے جائیں۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے ٹھکانوں پر واپس جا کر سو گئے اور وہیں صبح کی۔

ادھر صبح ہوئی تو قریش نے اس پر احتجاج کے لیے اہل یثرب کے خیموں کا رخ کیا مگر مشرکین یثرب نے کہا یہ باطل خبر ہے، ایسی کوئی بات ہوئی ہی نہیں ہے۔ جب کہ مسلمانوں نے چپ سادھے رکھی۔ چنانچہ قریش نے مشرکین کی بات سچ سمجھی اور نامراد واپس چلے گئے۔

لیکن بعد میں قریش کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ خبر صحیح ہے۔ چنانچہ سواروں نے تیز رفتاری سے اہل یثرب کا پیچھا کیا اور سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہما کو ''اذاخر'' کے پاس جا لیا۔ لیکن منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں بے بس کر دیا اور نکل بھاگے۔ البتہ سعد رضی اللہ عنہ پکڑے گئے اور انہیں باندھ کر مارتے اور بال گھسیٹتے ہوئے مکہ لے جایا گیا۔ لیکن وہاں مطعم بن عدی اور حارث بن حرب نے انہیں چھڑا دیا کیونکہ وہ ان دونوں کے قافلوں کو مدینہ میں پناہ دیا کرتے تھے۔ ادھر انصار نے ارادہ کیا کہ مکہ پر دھاوا بول دیں مگر اتنے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ آتے دکھائی پڑ گئے، لہٰذا تمام لوگ بخیریت مدینہ روانہ ہو گئے۔

مسلمانوں کی ہجرت

عقبہ کی اس دوسری بیعت کے بعد عام مسلمانوں نے مدینہ کے لیے ہجرت شروع کردی، جب کہ بعض صحابہ اس سے پہلے ہی ہجرت کر چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو بھی مسلمانوں کا ''دارالہجرت'' دکھلایا جا چکا تھا۔ آپ ﷺ ان کو اس کی خبر بھی دے چکے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا:

''میں نے دیکھا ہے کہ میں مکہ سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجوریں ہیں۔ میرا خیال گیا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہے، لیکن وہ مدینہ...... یثرب ......تھا۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ:

''مجھے تمہارا دارالہجرت دکھلایا گیا، دوحروں (لاوے کی چٹانوں) کے درمیان ایک نشیبی زمین، اب وہ یا تو ہجر ہے یا یثرب۔''

سب سے پہلے مہاجر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بیوی بچے کے ساتھ نکلے لیکن بیوی کو اس کی قوم نے روک لیا اور بچے کو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے ماں سے چھین لیا۔ ابوسلمہ تنہا مدینہ جا سکے۔ یہ بیعت عقبہ سے کوئی ایک سال پہلے کا واقعہ ہے۔ پھر کوئی سال بھر بعد ان لوگوں نے بیوی کو چھوڑ دیا اور وہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے آملیں۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بعد عامر بن ربیعہ، ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ اور عبداللہ ابن ام مکتوم

رضی اللہ عنہما نے ہجرت کی۔ پھر بیعت عقبہ مکمل ہوگی تو مسلمانوں نے پے در پے ہجرت کی۔ یہ لوگ قریش کے ڈر سے چھپکے چھپکے نکلتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی، وہ قریش کو چیلنج دیتے ہوئے بیانگ دہل نکلے، لیکن کسی کو ان کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ بیس صحابہ کے ساتھ مدینہ تشریف لائے۔

غرض سارے مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی۔ عام مہاجرین حبشہ...... بھی مدینہ آ گئے۔ مکہ میں صرف ابوبکر، صہیب اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے۔ یا پھر وہ کمزور مسلمان جو ہجرت کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا قصد کیا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ذرا رکے رہو، توقع ہے کہ مجھے بھی اجازت دے دی جائے گی۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر فدا آپ کو اس کی توقع ہے۔'' فرمایا: ''ہاں۔'' چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رک گئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کریں۔ ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔ انہیں سفر ہجرت کے لیے ببول کے پتے کھلا کھلا کر خوب تیار کیا۔

قریش دارالندوہ میں:

قریش پر یہ دیکھ کر جنون طاری ہوگیا کہ مسلمانوں نے حفظ و امان کی ایک جگہ پا لی ہے۔ انہیں مسلمانوں کی ہجرت اور مدینہ میں اجتماع سے اپنے دین، اپنی تجارت اور اپنے وجود کے لیے بھی خطرہ محسوس ہوا۔ چنانچہ وہ جمعرات ۲۶ صفر ۱۴ نبوت کی صبح کسی ایسی تجویز پر غور و خوض کے لیے ''دارالندوہ'' میں اکٹھے ہوئے جو اس خطرے سے نجات کی ضامن ہو۔ بالخصوص ابھی صاحب دعوت ...... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... مکے ہی میں تھے اور صبح وشام میں ان کے بھی نکل جانے کا اندیشہ تھا۔ اس اجتماع میں سرداران قریش کے تقریباً تمام نمایاں چہرے موجود تھے۔ ابلیس بھی نجد کے ایک ''شیخ جلیل'' کی صورت میں اجازت لے کر شریک ہوا۔

❁ اہل اجتماع پر اصل قضیہ پیش کیا گیا تو ابوالاسود نے کہا:

''ہم اسے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زمین سے نکال دیں اور اپنا معاملہ درست کر لیں، پھر ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کہاں گیا۔''

❀ شیخ نجدی نے کہا: ''تم دیکھتے نہیں اس کی بات کتنی عمدہ اور اس کے بول کتنے میٹھے ہیں۔ وہ کس طرح لوگوں کا دل جیت لیتا ہے۔ لہٰذا جب وہ یہاں سے نکلے گا تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ عرب کے کسی قبیلے کے ہاں ٹھہرے اور لوگ اس کے گرد اکٹھا ہو جائیں۔ پھر وہ ان کی مدد سے تمہارے علاقے ہی میں تم پر چڑھ آئے اور تمہارے ساتھ جیسا سلوک چاہے کرے۔ کوئی اور تجویز سوچو۔''

❀ اس پر ابوالبختری نے کہا:

''اسے قید کر دو اور باہر سے دروازہ بند کر دو۔ یہاں تک کہ اس کا بھی وہی انجام ہو جو اس سے پہلے موت کی شکل میں دوسرے شعراء کا ہو چکا ہے۔''

❀ شیخ نجدی نے کہا:

''واللہ! اگر تم لوگوں نے اسے قید کر دیا تو یہ بات اس کے ساتھیوں تک ضرور پہنچ جائے گی اور وہ اسے باپ اور بیٹوں سے بھی بڑھ کر مانتے ہیں۔ لہٰذا کچھ بعید نہیں کہ وہ دھاوا بول کر اس کو تمہارے قبضے سے نکال لے جائیں پھر اس کی مدد سے تعداد بڑھا کر تمہیں مغلوب کر لیں۔ لہٰذا کوئی اور تجویز سوچو۔''

❀ اب طاغوت اکبر ابوجہل نے کہا:

''اس کے بارے میں میری ایک رائے ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب تک تم لوگ اس پر نہیں پہنچے۔ وہ رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلے سے ایک مضبوط صاحب نسب اور بانکا جوان منتخب کریں۔ پھر ہر ایک کو ایک تیز تلوار دیں، اس کے بعد سب کے سب اس شخص کا رخ کریں اور اسے اس طرح یکبارگی تلوار مار کر قتل کر دیں۔ جیسے ایک ہی آدمی نے تلوار ماری ہو۔ اس طرح اس کا خون سارے قبائل میں بکھر جائے گا اور بنوعبدمناف سارے قریش سے جنگ نہ کر سکیں گے۔ اس لیے دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے اور وہ ہم انہیں دے دیں گے۔''

❀ شیخ نجدی نے کہا:

''بات یہ رہی جو اس جوان نے کہی۔ رائے ہے تو یہی ہے دگر ہیچ۔''

❁ اہل اجتماع نے بھی یہی رائے پاس کی اور اٹھ کر اس کی تنفید کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ کی ہجرت

قریش کی تدبیر اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی تدبیر:

اس قسم کے اجتماع کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ انتہائی راز دارانہ ہو۔ ظاہری سطح پر کوئی ایسی حرکت پیش نہ آئے جو روز مرہ کے خلاف اور عام عادت سے مختلف ہو تاکہ کوئی شخص سازش اور خطرے کی بو سونگھ نہ لے اور کسی کے دل میں یہ بات نہ گزرے کہ یہ خاموشی کسی شر کا پیش خیمہ ہے۔ یہ قریش کا مکر تھا لیکن انہوں نے یہ مکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقابل کیا تھا۔ اس لیے انہیں اللہ نے اس طرح نامراد کیا کہ وہ سمجھ بھی نہ سکے۔ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کو قریش کی سازش کی خبر اور ہجرت کی اجازت دی، نکلنے کا وقت مقرر کیا اور قریش کے مکر کو ردّ کرنے کا پروگرام بتایا۔ چنانچہ فرمایا:

"جس بستر پر آپ سویا کرتے ہیں آج کی رات اس بستر پر نہ سوئیں۔"

ادھر ٹھیک دوپہر کے وقت جب لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کیا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ ہجرت کا پروگرام طے کیا۔ چنانچہ دونوں سواریوں کا سامان نہایت تیزی سے تیار کیا گیا۔ عبداللہ بن اریقط لیثی سے ...... جو ابھی تک دین قریش پر ہی تھا ...... یہ بات طے کی گئی اور اس سے عہد و پیمان لیا گیا کہ وہ اجرت پر ان کو مدینہ لے جائے گا۔ یہ شخص راستوں کا بڑا ماہر تھا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ تین رات کے بعد "جبل ثور" کے پاس آئے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس آ کر اپنے

روزمرہ کے کام میں حسب عادت اس طرح لگے رہے کہ کسی کو محسوس تک نہ ہوا کہ قریش کی قرارداد سے بچنے کے لیے آپ ہجرت کی یا کسی اور کام کی تیاری کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ آپ نماز عشاء کے بعد شروع رات میں سو جاتے۔ آدھی رات کے بعد گھر سے نکل کر مسجد حرام تشریف لے جاتے اور وہاں تہجد کی نماز پڑھتے۔ اس رات آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا دیا، بتلا دیا کہ تمھیں کوئی زک نہ پہنچے گی۔ چنانچہ جب عام لوگ سو گئے اور رات پرسکون ہوگئی تو سازشی حضرات نے چپکے سے آ کر آپ کا گھر گھیر لیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو آپ کے بستر پر آپ کی سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سوئے ہوئے دیکھا تو سمجھا کہ محمد ﷺ ہیں۔ چنانچہ وہ غرور و تکبر سے مٹکنے لگے۔ آپ کی گھات میں بیٹھ گئے کہ جب آپ اٹھیں گے اور باہر نکلیں گے تو وہ آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔

یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے قریش کے مکر کا جواب تھا۔ فرمایا:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ ٱللَّهُ ۖ وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلْمَـٰكِرِينَ ۝

(الأنفال: ٣٠)

''اور جب کفار آپ کے خلاف مکر کر رہے تھا تا کہ آپ کو قید کر لیں یا قتل کر دیں یا نکال باہر کریں۔ وہ داؤ چل رہے تھے اور اللہ (بھی) داؤ چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر داؤ والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ اپنا گھر چھوڑتے ہیں:

ادھر رسول اللہ ﷺ عین اسی حالت میں جبکہ یہ لوگ آپ کا گھر گھیرے ہوئے تھے باہر تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے ان کے سروں پر مٹی ڈالی:

''ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی۔ پس ہم نے انہیں ڈھانک لیا اور وہ دیکھ نہیں رہے ہیں''۔

چنانچہ اللہ نے ان کی نگاہیں پکڑ لیں اور وہ آپ کا مطلق احساس نہ کر سکے۔ اس کے بعد آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے یمن کا رخ کیا اور فجر کی پو پھٹنے سے پہلے پہلے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر واقع ثور نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا پہنچے۔

غار ثور میں تین رات:

غار کے پاس پہنچ کر پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے، تاکہ اس میں کوئی چیز ہو تو رسول اللہ ﷺ کے بجائے انہیں کو پہنچے۔ چنانچہ انہوں نے غار کو صاف کیا۔ چند سوراخ تھے انہیں تہ بند پھاڑ کر بند کیا۔ ایک یا دو سوراخ باقی رہے ان میں اپنا پاؤں ڈال دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سو گئے۔ اسی دوران ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں کسی چیز نے ڈس لیا مگر وہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے ہلے نہیں، لیکن ان کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر ٹپک گئے۔ جس سے آپ بیدار ہو گئے۔ دریافت کیا تو انہوں نے بتایا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔''

اس پر آپ ﷺ نے لعاب دہن لگا دیا اور تکلیف جاتی رہی۔

غار میں دونوں حضرات تین رات چھپے رہے۔ اس دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی یہیں رات گزارتے تھے۔ وہ گہری سوجھ بوجھ کے مالک، سخن فہم نوجوان تھے۔ وہاں سے سویرے نکل کر اس طرح قریش کے درمیان صبح کرتے گویا مکہ ہی میں رات گزاری ہے۔ پھر وہ قریش کی تدبیریں اور خبریں سنتے اور جب تاریکی گہری ہو جاتی تو انہیں لے کر غار میں پہنچ جاتے۔

ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریاں چراتے رہتے۔ جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا تو ان بکریوں کو لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے۔ اس طرح دونوں

حضرات آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے۔ پھر صبح تڑکے ہی عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریاں ہانک کر چل دیتے۔ انہیں عبداللہ بن ابی بکر کے نشانات قدم پر لے جاتے تا کہ وہ نشانات مٹ جائیں۔

باقی رہے قریش تو ان کے جوان رسول اللہ ﷺ کے اٹھنے اور نکلنے کے انتظار میں گھر گھیر کر بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بستر سے اٹھے تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کے بارے میں پوچھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے علم نہیں۔'' اس پر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مارا اور گھسیٹ کر خانہ کعبہ تک لے گئے، کچھ دیر قید بھی رکھا، لیکن بے فائدہ۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور ان کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ان کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ''مجھے معلوم نہیں۔'' اس پر خبیث ابوجہل نے ایسا چانٹا مارا کہ ان کے کان کی بالی گر گئی۔ پھر انہوں نے ہر جانب تلاش شروع کر دی اور اعلان کیا کہ جو کوئی ان دونوں کو زندہ یا مردہ حاضر کرے اسے ہر ایک کے بدلے سو اونٹ انعام دیے جائیں گے۔

تلاش کرنے والے غار کے دروازے تک جا پہنچے۔ اس قدر قریب کہ اگر کوئی شخص سر نیچا کرتا اور اپنا پاؤں دیکھتا تو انہیں بھی دیکھ لیتا۔ اس صورت حال سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سخت غم ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

مدینہ کی راہ میں:

دوشنبہ کی رات ...... ربیع الاوّل پہلا سن ہجری کی چاند رات ...... رہنما عبداللہ بن اریقط لیثی وعدے کے مطابق دونوں سواریاں لے کر جبل ثور کے دامن میں آیا۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوچ فرمایا۔ ان کے ساتھ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ رہنما پہلے جنوب کی جانب یمن کے رخ پر دور تک چلا۔ پھر پچھم کی طرف مڑا اور ساحل سمندر کا رخ کیا۔ ساحل کے قریب پہنچ کر شمال کی طرف مڑ گیا اور ایک ایسے راستہ پر چلا جس پر شاذ و نادر ہی

کوئی چلتا تھا۔

اس رات، رات بھر پھر آدھے دن تک مسلسل سفر جاری رکھا۔ جب راستہ خالی ہوگیا تو نبی ﷺ نے ایک چٹان کے سائے میں استراحت فرمائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ اسی دوران ایک چرواہا آیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے دودھ دوہوایا اور جب نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے تو آپ کو اتنا پلایا کہ جی خوش ہوگیا۔ پھر وہاں سے آگے چل پڑے۔

غالبًا دوسرے دن ام معبد کے خیمے سے گزر ہوا۔ یہ قدید کے اطراف میں مشلل کے پاس ہوا کرتی تھیں۔ مشلل مکہ سے ۱۳۰ کلومیٹر دور ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ اس کے پاس کچھ ہے؟ اس نے میزبانی سے معذرت کی اور بتلایا کہ بکریاں دور دراز گئی ہوئی ہیں۔ ادھر خیمے کے ایک گوشے میں ایک بکری تھی جسے کمزوری نے ریوڑ سے پیچھے چھوڑ رکھا تھا۔ اس میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت لے کر اسے دوہا تو اس نے اس قدر دودھ دیا کہ ایک بڑا سا برتن بھر گیا جسے پوری ایک جماعت بمشکل اٹھا سکتی تھی۔ آپ نے اسے ام معبد کو پلایا، وہ آسودہ ہوگئیں تو اپنے ساتھیوں کو پلایا، وہ بھی آسودہ ہوگئے تو خود پیا اور دوبارہ دوہ کر برتن بھر دیا اور اسے ام معبد کے پاس چھوڑ کر روانہ ہوگئے۔

اس کا شوہر آیا تو اسے دودھ دیکھ کر تعجب ہوا۔ دریافت کیا تو ام معبد نے پوری بات بتلائی۔ نبی ﷺ کا سراپا سر سے پاؤں تک اور گفتگو سے طور و اطوار تک نہایت باریکی سے بیان کیا۔ اس پر ابومعبد بول اٹھا:

> ”یہ تو واللہ! صاحب قریش ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ آپ کا ساتھ اختیار کروں اور کوئی راستہ ملا تو ایسا ضرور کروں گا۔“

تیسرے روز صبح اہل مکہ نے ایک آواز سنی جو زیریں مکہ سے شروع ہوئی اور بالائی مکہ سے گزر کر نکل گئی۔ لوگوں نے اس کا پیچھا کیا۔ مگر صاحب آواز کو نہ دیکھا، وہ کہہ رہا تھا:

جَزَى اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَائِهِ ۔۔۔ رَفِيْقَيْنِ حَلَّا خَيْمَتَي أُمِّ مَعْبَدِ
هُمَا نَزَلَا بِالْبِرِّ وَ ارْتَحَلَا بِهِ ۔۔۔ وَأَفْلَحَ مَنْ أَمْسٰى رَفِيْقُ مُحَمَّدِ
فَيَا لِقُصَيٍّ مَا زَوَى اللّٰهُ عَنْكُمْ ۔۔۔ بِهِ مِنْ فَعَالٍ لَا تُجَارٰى وَسُؤْدَدِ

لِيَهْنِ بَنِىْ كَعْبٍ مَكَانُ فَتَاتِهِمْ وَمَقْعَدُهَا لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِمَرْصَدِ
سَلُوْا أُخْتَكُمْ عَنْ شَاتِهَا وَإِنَاۤئِهَا فَإِنَّكُمْ إِنْ تَسْأَلُوا الشَّاةَ تَشْهَدِ

''اللہ، جو لوگوں کا پروردگار ہے، ان دو رفیقوں کو بہترین جزا دے جو ام معبد کے خیمے میں نازل ہوئے۔ وہ دونوں خیر کے ساتھ اترے اور خیر ہی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جو محمد ﷺ کا رفیق ہوا وہ کامیاب ہوا۔ ہائے قصی! اللہ نے اس کے ساتھ کتنے بے نظیر کارنامے اور سرداریاں تم سے سمیٹ لیں۔ بنو کعب کو ان کی خاتون کی قیام گاہ اور مومنین کی نگہداشت کا پڑاؤ مبارک ہو۔ تم اپنی خاتون سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق پوچھو، تم اگر خود بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی شہادت دے گی۔''

قدید سے آگے بڑھے تو سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی نے قریش کے اعلان کردہ انعام کے لالچ میں اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر آپ ﷺ کا پیچھا کیا۔ جب قریب پہنچا تو گھوڑا پھسل گیا اور سراقہ نیچے آ رہا۔ اس نے اٹھ کر فال گیری کے تیر دیکھے کہ نقصان پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ تیر وہ نکلا جو ناپسند تھا لیکن اس نے تیر کی نافرمانی کی اور سوار ہو کر آگے بڑھا۔ جب اس قدر قریب پہنچ گیا کہ آپ ﷺ کی قرأت سننے لگا۔ آپ التفات نہیں فرماتے تھے، جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بار بار مڑ کر دیکھ رہے تھے، تو اس کے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے، وہ گھوڑے سے گر گیا۔ پھر سراقہ کی ڈانٹ پر گھوڑا اٹھنے لگا تو بمشکل اپنے دونوں پاؤں نکال سکا۔ جب وہ سیدھا کھڑا ہوا تو اس کے پاؤں کے نشان سے آسمان کی طرف دھویں جیسا غبار اڑ رہا تھا۔ سراقہ نے پھر فال گیری کے تیر نکالے تو پھر وہی نکلا جو ناپسند تھا۔ اس سے اس پر زبردست رعب طاری ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ غالب آ کر رہے گا۔ چنانچہ اب اس نے امن کی پکار لگائی۔ وہ لوگ ٹھہر گئے، یہ ان کے پاس پہنچا اور بتلایا کہ قریش نے کیا طے کیا ہے۔ خود یہ کس ارادے سے چلا تھا۔ پھر زاد و متاع پیش کیا لیکن نبی ﷺ نے کچھ نہ لیا۔ البتہ اس سے یہ طلب کیا کہ آپ کی بات لوگوں سے چھپائے رکھے۔ سراقہ نے پروانۂ امن لکھوایا۔ آپ نے عامر بن

فہیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ انہوں نے ایک چمڑے پر لکھ دیا، پھر سراقہ واپس ہوا اور جو کوئی تلاش میں ملا اس سے کہا:

"ادھر کی کھوج خبر لے چکا ہوں، یہاں تمہارا جو کام تھا کیا جا چکا ہے۔"

اور یوں تلاش کرنے والوں کو واپس کر دیا۔

راستے میں بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر یا اسّی گھرانے تھے۔ یہ سب مسلمان ہو گئے اور نبی ﷺ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی۔ بریدہ غزوۂ احد کے بعد مدینہ آ گئے۔

مقام عرج میں آپ ﷺ کا گزر ابو تمیم اوس بن حجر اسلمی کے پاس سے ہوا۔ اس وقت بعض اونٹوں کے تھکنے کی وجہ سے آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک ہی اونٹ پر تھے۔ اوس نے اپنا ایک اونٹ دیا اور اپنے غلام مسعود بن ہنیدہ کو ساتھ کر دیا، جو مدینہ تک آپ کا ہمرکاب رہا۔ احد کے موقع پر بھی اوس نے مشرکین کی آمد کی خبر اپنے اسی غلام کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو بھجوائی تھی۔ اوس مسلمان ہو گیا تھا لیکن عرج ہی میں قیام پذیر رہا۔

وادی ریم میں پہنچے تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی جو مسلمانوں کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سفید پارچہ جات پیش کیے۔

قبا میں تشریف آوری:

دو شنبہ ۸ ربیع الاوّل ۱۴ نبوت ۱ ہجری کو رسول اللہ ﷺ قبا میں نازل ہوئے۔ ادھر اہل مدینہ نے جب سے رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی خبر سنی تھی روزانہ صبح ہی صبح حرہ کی طرف نکل جاتے تھے۔ جب دوپہر کو دھوپ سخت ہو جاتی تو واپس پلٹ آتے تھے۔ ایک روز طویل انتظار کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی اپنی کسی گڑھی پر کچھ دیکھنے کے لیے چڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقاء سفید کپڑوں میں ملبوس...... جن سے سراب ڈھلک رہی تھی...... چلے آ رہے ہیں۔ اس نے بے خود ہو کر نہایت بلند آواز سے کہا: "عرب کے لوگو! یہ رہا تمہارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔" یہ سنتے

ہی مسلمان ہتھیار اٹھا اٹھا کر استقبال کے لیے نکل پڑے اور رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری پر مارے خوشی کے شور برپا ہو گیا۔ تکبیر سنی گئی۔ لوگوں نے حرہ کا رخ کیا۔ وہیں پر آپ ﷺ سے ملاقات کی۔ پھر آپ داہنے جانب مڑ گئے اور قبا میں بنی عمرو بن عوف پر نزول فرمایا۔

قبا میں نزول فرمانے کے بعد آپ ﷺ خاموش بیٹھ گئے۔ اب انصار کا جو آدمی بھی آتا، جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا، وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول سمجھ کر انہی کو سلام کرتا، کیونکہ ان کے بالوں میں سفیدی آچکی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ پر دھوپ آگئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر تان کر آپ پر سایہ کیا، تب لوگوں نے پہچانا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔

قبا میں رسول اللہ ﷺ نے کلثوم بن ہدم ......اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن خیثمہ ...... کے مکان پر قیام فرمایا۔ وہاں چار دن ٹھہر کر مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اس میں نماز بھی پڑھی ...... پانچویں دن جو جمعہ کا دن تھا...... اللہ کے حکم سے سوار ہوئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے اور اپنے ننھیال بنو نجار کے پاس پیغام بھجوایا، وہ لوگ تلواریں حمائل کیے حاضر ہوئے۔ اس کے بعد ان کی معیت میں آپ نے مدینہ کی جانب کوچ کیا۔ بنو سالم بن عوف کی بستی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپ نے وہیں بطن وادی میں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ سو آدمی شریک تھے۔

مدینہ میں داخلہ:

جمعہ کے بعد مدینہ کا رخ کیا۔ اس وقت لوگ استقبال کے لیے امنڈ پڑے تھے۔ گھر اور گلی کوچے حمد و تسبیح سے گونج رہے تھے۔ عورتیں اور بچے، بچیاں نکل نکل کر کہہ رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا   مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوِدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا   مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
اَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا   جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

"ہم پر مدینہ کے اطراف سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک اللہ کو پکارنے والا پکارے ہم پر شکر واجب ہے۔ اے ہم میں بھیجے گئے (نبی!) آپ واجب الاطاعت دین لے کر آئے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ انصار کے جس محلے سے بھی گزرتے وہ آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے اور عرض کرتے کہ تعداد وسامان اور ہتھیار و حفاظت فرش راہ ہیں۔تشریف لائیے! مگر آپ فرماتے کہ: ''اونٹنی کی راہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔'' چنانچہ جب اونٹنی اس مقام پر پہنچی جہاں آج مسجد نبوی ہے تو بیٹھ گئی۔لیکن آپ نیچے نہیں اترے، یہاں تک کہ وہ اٹھ کر تھوڑی دور تک گئی، پھر مڑ کر دیکھنے کے بعد پلٹ آئی اور اپنی پہلی جگہ پر دوبارہ بیٹھ گئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نیچے تشریف لائے۔اب لوگوں نے اپنے اپنے گھر لے جانے کے لیے آپ سے عرض معروض شروع کی۔ادھر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جلدی سے آپ کا کجاوہ اٹھا لیا اور اپنے گھر لے کر چلے گئے۔اس پر رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے:

''آدمی اپنے کجاوے کے ساتھ ہے۔''

البتہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لی،اس لیے وہ انہی کی پاس رہی۔

ادھر سرداران انصار نے رسول اللہ ﷺ کی ضیافت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیا۔چنانچہ ان کی طرف سے روزانہ کئی کئی لگن پہنچتیں۔کوئی بھی ایسی رات نہ آتی کہ آپکے دروازے پر تین چار لگن حاضر نہ ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہجرت:

نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ مکہ میں تین روز ٹھہرے رہے۔اس دوران اہل مکہ کی جو امانتیں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں، انہیں ادا کیا۔پھر پیدل چل پڑے۔قبا میں رسول اللہ ﷺ سے آملے۔ان کا قیام کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان پر تھا۔

اہل بیت کی ہجرت:

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں قیام پذیر ہو چکے تو زید بن حارثہ اور ابورافع کو مکہ بھیجا۔وہ نبی کریم ﷺ کی دونوں صاحبزادیوں حضرت فاطمہ اور ام کلثوم کو،ام المومنین حضرت سودہ کو،ام ایمن اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو ساتھ لائے۔ان کے ہمراہ عبداللہ بن ابی بکر بھی ابوبکر کے عیال ام رومان،عائشہ اور اسماء کو لے کر آئے (رضی اللہ عنہم)۔یہ نبی ﷺ کی ہجرت کے چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے بعد ہجرت کی۔ انہوں نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو مشرکین نے انہیں روک لیا۔ ان کے پاس بہت مال تھا۔ وہ مال سے دستبردار ہو گئے تو مشرکین نے ان کی راہ چھوڑ دی۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کو واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا:

((رَبِحَ الْبَيْعُ يَا اَبَا يَحْيٰ))

''ابو یحیٰ! یہ بیع کامیاب رہی۔''

ابو یحیٰ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت تھی۔

کمزور مسلمان:

مشرکین نے بعض مسلمانوں کو ہجرت سے روک رکھا تھا۔ وہ انہیں ستاتے اور دین سے پھیرنے کی کوشش کرتے تھے۔ انہیں میں ولید بن ولید، عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص رضی اللہ عنہم تھے۔ رسول اللہ ﷺ کچھ عرصہ ان کے لیے نماز میں دعا فرماتے رہے اور جن کفار قریش نے انہیں روکا تھا ان پر بددعا کرتے رہے۔ یہی قنوت کی اصل ہے۔ پھر بعض مسلمانوں نے جرأت مندانہ قدم اٹھا کر انہیں کفار کی قید سے چھڑا لیا اور یہ بھی مدینہ آ گئے۔

مدینے کی آب و ہوا:

مہاجرین مدینہ اترے تو جس فضا میں پلے بڑھے تھے اس کی یاد ستانے لگی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ اللہ کی سب سے زیادہ وبا خیز سرزمین تھی۔ چنانچہ یہاں آنے کے بعد انہیں بخار اور مختلف امراض نے پکڑ لیا۔ آخر نبی ﷺ نے اپنے پروردگار سے دعا کی:

((اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ، وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَ انْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ))

''اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینہ کو اس طرح محبوب کر دے جیسے مکہ محبوب تھا یا اس سے بھی زیادہ۔ مدینے کی فضا صحت بخش بنا دے۔ اس کے صاع اور مد (غلے کے

پیمانوں) میں برکت دے اور اس کا بخار منتقل کر کے جحفه پہنچا دے۔"
اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سن لی۔ مسلمان امراض سے راحت پا گئے اور انہیں مدینہ محبوب ہو گیا۔

مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کے اعمال

جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو چکے تو دعوت الی اللہ کے پہلو بہ پہلو وہاں کے دینی اور دنیوی امور کو منظّم کرنا شروع کیا۔

مسجد نبوی:

اس سلسلے میں آپ ﷺ کا پہلا قدم یہ تھا کہ آپ نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی۔ اس کے لیے وہ زمین خریدی جس پر آپ کی اونٹنی بیٹھی۔ یہ دو یتیم بچوں کی زمین تھی۔ تقریباً سو ہاتھ لمبی اور سو ہاتھ چوڑی۔ اس میں مشرکین کی چند قبریں تھیں۔ کچھ ویرانہ تھا۔ کھجور اور غرقہ کے چند درخت بھی تھے۔ آپ نے قبریں اکھڑوا دیں۔ ویرانہ برابر کرا دیا۔ درخت اور کھجوریں کٹوا دیں اور انہیں قبلہ کی جانب لگوا دیا۔ بنیاد تقریباً تین ہاتھ کھدوائی، دیواریں مٹی اور کچی اینٹوں سے اٹھوائیں، دروازے کے دونوں بازو پتھر کے لگائے گئے، چھت کھجور کی شاخوں کی اور کھمبے کھجور کے تنوں کے۔ فرش پر ریت اور کنکریاں بچھائی گئیں۔ مسجد میں تین دروازے رکھے گئے۔ قبلہ شمال میں بیت المقدس کی طرف تھا۔ تعمیر کے لیے رسول اللہ ﷺ مہاجرین وانصار کے ساتھ خود پتھر اور اینٹ ڈھوتے تھے آپ رجز پڑھتے اور مہاجرین وانصار بھی رجز پڑھتے تھے۔ ان سے ان کی چستی اور بڑھ جاتی تھی۔

آپ ﷺ نے مسجد کے بازو میں پتھر اور مٹی کے دو حجرے بھی بنائے، جن پر کھجور کے تنوں اور شاخوں کی چھت ڈالی۔ ایک حضرت سودہ بنت زمعہ کے لیے اور دوسرا حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے۔اس وقت آپ کے عقد میں یہی دو بیویاں تھیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی آمد کے تھوڑے ہی دن بعد شوال ۱ ہجری میں رخصت کیا گیا۔

اذان:

اب مسلمان پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرنے کے لیے حاضر ہو رہے تھے اور اس کے لیے وہ وقت کا اندازہ لگاتے تھے مگر نتیجہ یہ تھا کہ کوئی بہت پہلے آ جاتا تھا تو کوئی دیر سے پہنچتا۔ چنانچہ نبی ﷺ اور مسلمانوں نے مشورہ کیا کہ کوئی ایسی علامت اختیار کی جائے کہ جس سے سب کو وقت کا پتہ چل جائے۔اس پر کسی نے مشورہ دیا کہ آگ بلند کی جائے۔کسی نے کہا سنکھ پھونکا جائے۔کسی نے کہا ناقوس بجایا جائے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیوں نہ کسی آدمی کو بھیج دیا جائے "الصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ" پکار دیا جائے۔''یعنی نماز جمع کرنے والی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہی رائے قبول کی اور اسی پر عمل کیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان دیکھی اور آ کر نبی ﷺ کو خبر دی۔آپ نے فرمایا:

''یہ برحق خواب ہے۔''

اور حکم دیا کہ وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات القا کرتے جائیں، بلال پکارتے جائیں، کیونکہ ان کی آواز زیادہ بلند اور میٹھی ہے۔چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی۔ان کی آواز سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہا:

''واللہ! میں نے بھی اسی طرح دیکھا ہے۔''

اس سے خواب کی مزید تائید ہوگئی اور اسی دن سے یہ اذان اسلام کا ایک شعار بن گئی۔

مہاجرین وانصار میں بھائی چارہ:

یہ انصار کا کرم اور ان کی خوبی تھی کہ وہ مہاجرین کو اپنے گھر ٹھہرانے اور ان کی میزبانی کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے تھے۔وہ اللہ کے اس ارشاد کا حقیقی نمونہ تھے کہ:

وَٱلَّذِينَ تَبَوَّءُو ٱلدَّارَ وَٱلْإِيمَـٰنَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ

إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوتُوا۟ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹)

''اور وہ لوگ جنہوں نے دار (ہجرت) میں پہلے ٹھکانا بنایا اور ایمان لائے۔ جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں، جو کچھ انہیں (مہاجرین کو) دیا جائے اس پر اپنے سینوں میں تنگی نہیں محسوس کرتے اور اپنے پر اوروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں تنگدستی ہی کیوں نہ ہو۔''

پھر نبی ﷺ نے اس محبت و ایثار کو انصار و مہاجرین میں بھائی چارہ کرا کے مزید پختہ کر دیا۔ چنانچہ آپ نے ہر انصاری اور اس کے نزیل (مہاجر مہمان) کو بھائی قرار دیا۔ یہ کل نوے آدمی تھے۔ آدھے مہاجرین سے آدھے انصار سے۔ آپ نے ان کے درمیان غمگساری پر اور اس بات پر بھائی چارہ کرایا کہ قرابت داروں کے بجائے وہی موت کے بعد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ بعد میں وراثت تو منسوخ کر دی گئی لیکن بھائی چارگی باقی رہی۔ یہ بھائی چارگی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان کے اندر عمل میں آئی۔

مہاجرین سے انصار کی محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے نبی ﷺ پر اپنے کھجوروں کے باغات پیش کیے کہ آپ ان کے اور مہاجرین کے درمیان اسے تقسیم فرما دیں۔ آپ نے انکار فرمایا تو انہوں نے کہا:

''پھر آپ لوگ کام کر دیا کریں اور ہم پھلوں میں آپ لوگوں کو شریک کر لیں گے۔''

آپ ﷺ نے اسے منظور فرما لیا۔

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ بڑے مالدار انصاری تھے۔ انہوں نے اپنے مہاجر بھائی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا:

''میرا مال آدھا آدھ تقسیم کر لو، میری دو بیویاں ہیں، دیکھو جو زیادہ پسند ہو مجھے بتلا دو، میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، جب عدت گزر جائے تو اس سے شادی کر لینا۔''

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اللہ آپ کے اہل اور مال میں برکت دے۔ آپ لوگوں کا بازار کدھر ہے؟"

انہوں نے انہیں بنوقینقاع کا بازار بتلا دیا۔ وہ واپس آئے تو ان کے پاس کچھ فاضل پنیر اور گھی تھا۔ پھر تھوڑے ہی دن گزرے کہ انہوں نے مال بھی کما لیا اور ایک انصاری عورت سے شادی بھی کر لی۔

اسلامی معاشرہ اور اسلامی امت کی تاسیس:

یہ بھائی چارہ مہاجرین کے ایک فرد اور انصار کے ایک فرد کے درمیان تعلق قائم کرتا تھا۔ لیکن مسلمان مدینہ آنے کے بعد چونکہ ایک مستقل امت ہو چکے تھے، اسے لیے ان کی اجتماعی تنظیم کی بھی ضرورت تھی۔ انہیں یہ بھی بتلانا تھا کہ ان کے حقوق وواجبات کیا ہیں؟ ان نکات کی بھی نشاندہی کرنا تھی جو انہیں اوروں سے الگ ایک مستقل امت بناتے ہیں۔

پھر مدینہ میں مسلمانوں کے علاوہ اور جماعتیں تھیں جو عقیدے، دینی مصالح، ضروریات وحاجات اور جذبات واحساسات میں مسلمانوں سے مختلف تھیں اور وہ تھے مشرکین اور یہود۔

چنانچہ نبی ﷺ نے ایک عہد و پیمان مسلمانوں کے درمیان آپس میں کرایا۔ ایک دوسرا عہد و پیمان مسلمانوں اور مشرکین اور مسلمانوں اور یہود کے درمیان کرایا۔ اس بارے میں ایک تحریر بھی لکھی جس کے خاص خاص نکات یہ ہیں:

① قریش اور یثرب کے مومنین و مسلمین اور ان کے تابع ہو کر ان کے ساتھ لاحق ہونے اور جہاد کرنے والے بقیہ لوگوں سے الگ ایک امت ہیں۔

② ان کی دیت کی ادائیگی اور قیدی کی رہائی اہل ایمان کے درمیان عرف سابق کے مطابق ہوگی۔ یہ فدیہ اور دیت میں اہل ایمان کی مدد کریں گے۔

③ یہ لوگ مفسد، ظالم اور باغی کے خلاف ایک ہاتھ ہو کر اٹھیں گے، چاہے وہ ان کی اپنی ہی اولاد کیوں نہ ہو۔

④ کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہ کرے گا نہ کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

⑤ اللہ کا ذمہ ایک ہے۔ لہٰذا ایک معمولی آدمی کا دیا ہوا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہوگا۔
⑥ جو یہود مسلمانوں کے پیروکار ہو جائیں ان کی مدد کی جائے گی اور وہ دوسرے مسلمانوں کے مثل ہوں گے۔
⑦ مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی۔
⑧ اور جو کسی مومن کو قصداً قتل کر دے اس سے قصاص لیا جائے گا۔ سوائے اس صورت کے کہ مقتول کے ولی راضی ہو جائیں اور اہل ایمان پر ضروری ہے کہ سب قاتل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔
⑨ کسی مومن کے لیے حلال نہیں کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے یا بدعتی کی مدد کرے یا اسے ٹھکانہ مہیا کرے۔
⑩ ان کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹایا جائے گا۔

اس عہد و پیمان کے علاوہ نبی ﷺ نے مختلف اوقات اور مواقع پر مسلمانوں سے اسلامی اخوت کا حق بھی بیان فرمایا۔ انہیں باہم تعاون و تناصر، اتحاد و یگانگت اور غمگساری و خیر رسانی کی ترغیب دی۔ یہاں تک کہ یہ اخوت تاریخ کی سب سے بلند چوٹی تک پہنچ گئی۔

باقی رہے مشرکین تو ان کا معاملہ چل چلاؤ پر تھا۔ ان کی اکثریت اپنے سرداروں اور بڑوں سمیت مسلمان ہو چکی تھی۔ ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ مسلمانوں کے مدمقابل کھڑے ہو سکتے۔ لہٰذا ان سے نبی ﷺ نے یہ عہد لیا کہ ''کوئی مشرک قریش کی جان و مال کو پناہ دے گا نہ کسی مومن کے آگے اس کی حفاظت کے لیے روک بن سکے گا۔'' اس عہد کے بعد ان کی طرف سے کوئی اندیشہ باقی نہ رہا۔

باقی رہے یہود تو ان کے ساتھ نبی ﷺ نے جو معاہدہ کیا اس کے خاص خاص نکات حسب ذیل ہیں:

① یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہوں گے۔ ان کے لیے ان کا دین اور مسلمانوں

کے لیے مسلمانوں کا دین ہوگا۔ ان کے ذمہ ان کا خرچہ ہوگا اور مسلمانوں کے ذمہ مسلمانوں کا۔

② جو طاقت اس معاہدے کے کسی بھی فریق سے جنگ کرے گی یا یثرب پر حملہ آور ہوگی سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کریں گے اور ہر ایک اپنی جانب کا دفاع کرے گا۔

③ اس معاہدے کے شرکاء کے درمیان خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے تعلقات ہوں گے، گناہ کے نہیں۔

④ آدمی اپنے حلیف کے جرم پر نہیں پکڑا جائے گا۔

⑤ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

⑥ جب تک جنگ برپا رہے گی، یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

⑦ اس معاہدے کے شرکاء پر یثرب (میں ہنگامہ آرائی اور کشت وخون) حرام ہوگا۔

⑧ اگر ان میں کوئی ہنگامہ یا جھگڑا برپا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کریں گے۔

⑨ قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

⑩ یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لیے آڑ نہ بنے گا۔

اس پیمان کے ذریعہ یثرب کے سارے باشندے مسلمان، مشرکین اور یہود ایک ہی وحدت کی لڑی میں پرو دیے گئے، مدینہ اور اس کے اطراف کو ملا کر ایک آزاد وخود مختار حکومت قائم ہوگئی جس میں کلمہ مسلمانوں کا نافذ تھا اور جس کے سربراہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔

اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ اور مسلمان دعوت الی اللہ کے کام میں سرگرم ہو گئے۔ چنانچہ آپ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مجالس میں تشریف لے جاتے، ان پر کلام اللہ کی آیات تلاوت فرماتے۔ اللہ کی دعوت دیتے، جو ایمان لاتا اس کا تزکیہ فرماتے اور اسے کتاب وحکمت سکھاتے۔

قریش کی فتنہ خیزیاں

قریش کے داؤ پیچ:

مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ وہاں کے امور مرتب فرما رہے تھے، زندگی کے مختلف گوشوں کی تنظیم کر رہے تھے اور یہ توقع کر رہے تھے کہ وہاں آپ کو اور مسلمانوں کو کسی کشمکش اور ٹکراؤ کے بغیر اپنے دین پر عمل کرنے کے لیے ایک پرامن ماحول میسر آئے گا کہ اسی دوران قریش کے ایسے داؤ گھات سامنے آئے جن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے۔

چنانچہ قریش نے مشرکین یثرب کو لکھا کہ ''مسلمانوں سے لڑ کر انہیں مدینہ سے نکال باہر کریں۔ اگر ایسا نہ کیا تو قریش ان کے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو قیدی بنالیں گے۔''

اس خط کی آمد پر مشرکین اس پر عمل درآمد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس جا کر وعظ و نصیحت کی تو لڑائی کے ارادے سے باز آ گئے اور ادھر ادھر بکھر گئے۔

اسی طرح اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ گئے تو ابوصفوان امیہ بن خلف کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابوجہل سے سامنا ہو گیا۔ اس نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو پہچانا تو انہیں دھمکیاں دیں۔ کہنے لگا:

''مکے میں امن کے ساتھ گھوم رہے ہو، جب کہ اپنے ہاں بے دینوں کو پناہ دے

رکھی ہے؟ سنو، واللہ! اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر سلامت پلٹ کر نہ جا سکتے تھے۔"

یہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنے کا اعلان تھا اور اس کا بھی کہ اگر وہ قریش کی حدود میں پائے گئے تو انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

قریش کے تعلقات یثرب کے یہود سے بھی تھے چنانچہ وہ اوس و خزرج کے درمیان پرانی دشمنیاں اور دفن شدہ کینے اکھیڑتے رہتے تھے۔ انہیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے اور بلوے اور فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

یوں مدینے میں اندر اور باہر سے مسلمانوں کو خطرات نے گھیر لیا۔ بات یہاں تک پہنچی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہتھیار لے کر سوتے تھے اور ہتھیار کے ساتھ ہی صبح کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پہرے کا انتظام کیا گیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ:

وَٱللَّهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِۗ (المائدۃ:٦٧)

"اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت کرے گا......"

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لوگو! واپس جاؤ اللہ عزوجل نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔"

قتال کی مشروعیت:

ان پُرخطر حالات میں اللہ عزوجل نے قریش سے قتال کی اجازت نازل فرمائی۔ آئندہ چل کر حالات مزید بدلے تو یہ اجازت وجوب میں تبدیلی ہوگئی اور غیر قریش کو بھی شامل ہوگئی۔ بیجا نہ ہوگا کہ واقعات کے ذکر سے پہلے یہاں ان مراحل کو بالاختصار ذکر کر دیا جائے۔

- **پہلا مرحلہ......:** مشرکین قریش کو برسر جنگ سمجھنا کیونکہ انہی نے ظلم کا آغاز کیا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو حق پہنچتا تھا کہ ان سے لڑائی لڑیں اور ان کا مال ضبط کریں، جب کہ دوسرے مشرکین عرب کے ساتھ یہ صورت حال نہ تھی۔
- **دوسرا مرحلہ......:** مشرکین عرب میں سے جو قریش کا ساتھ دیں اور ان سے اتحاد

کریں، یا غیر قریش میں سے جو بذات خود مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کریں ان سب سے لڑنا۔

- **تیسرا مرحلہ......:** جب یہود نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد ومیثاق کر رکھا ہے اگر وہ خیانت کریں اور مشرکین کا ساتھ دیں، تو ان اور ان کے عہد کو برابری کے ساتھ توڑ دینا۔
- **چوتھا مرحلہ......:** جو اہل کتاب مثلاً نصاریٰ، مسلمانوں سے عداوت کا آغاز کریں ان سے بھی لڑنا یہاں تک کہ وہ چھوٹے بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔
- **پانچواں مرحلہ......:** جو مشرک، یہودی یا نصرانی اسلام میں داخل ہو جائے اس سے ہاتھ روک لینا، نہ اس کی جان سے تعرض کرنا نہ مال سے مگر اسلام کے حق کی بنیاد پر اور اس کا حساب اللہ پر ہوگا۔

سرایا اور غزوات:

گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان شروع ہی سے احتیاط کا دامن پکڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے پہرے اور ہتھیاروں کے ساتھ سونے کا انتظام کر رکھا تھا۔ جب قتال کی اجازت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ''فوجی طلایہ گردی'' کا انتظام فرمایا جس کا سالار اپنے کسی صحابی کو بنا دیا کرتے تھے، اسے سریہ کہا جاتا ہے۔ کبھی کبھی آپ بنفس نفیس بھی نکلتے تھے، اسے غزوہ کہا جاتا ہے۔ اس طلایہ گردی کے مقاصد یہ تھے:

- دشمن کی نقل وحرکت کا پتہ لگانا اور مدینہ کے اطراف کو محفوظ رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کا دشمن دھوکے سے حملہ کر دے۔
- قریش کے قافلوں سے چھیڑ خانی کر کے ان پر دباؤ ڈالنا تاکہ انہیں اپنی تجارت اور جان ومال کے لیے خطرے کا احساس ہو جائے۔ اس کے بعد یا تو وہ اپنی حماقت سے باز آ کر مسلمانوں سے صلح کر لیں اور انہیں اسلام کو پھیلانے اور اس پر عمل کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیں...... یہی مسلمانوں کی انتہائی آرزو تھی...... یا جنگ اور قتال کا راستہ اپنائیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سب سے پہلے اپنی تجارت کا راستہ کھو دیں گے، کیونکہ وہ مدینہ کے اطراف سے گزرتا تھا۔ دوسرے درجہ پر اللہ کے اذن اور اس کی مدد سے اپنے

شر اور ظلم کی جزا پا جائیں گے۔ اس کی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام میں کئی بار اشارہ کیا جا چکا تھا۔

- دوسرے قبائل کے ساتھ دوستی وتعاون اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنا۔
- اللہ کا پیغام پہچانا اور قولاً وعملاً اسلام کی دعوت دینا۔

اس سلسلے میں پہلا سریہ جو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا وہ سریہ ''سیف البحر'' کہلاتا ہے۔ اسے آپ نے رمضان یکم ہجری میں بھیجا اور اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر بنایا۔ اس میں کل تیس مہاجرین تھے۔ یہ لوگ عیص کے اطراف میں بحر احمر کے ساحل تک گئے اور قریش کا ایک قافلہ جو ابو جہل کی سرکردگی میں شام سے آ رہا تھا، اس سے سامنا ہوا۔ دونوں فریق نے صفیں باندھ لیں اور قریب تھا کہ جنگ ہو جاتی لیکن مجدی بن عمرو جہنی نے بیچ بچاؤ کرا دیا اور دونوں فریق واپس چلے گئے۔

- یہ اسلامی تاریخ کا پہلا سریہ اور پہلا فوجی عمل تھا۔ اس کا پھریرا سفید تھا۔ یہ اسلامی تاریخ کا پہلا پھریرا تھا اور اس کے علمبردار ابو مرثد کنانہ بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ تھے۔
- اس کے بعد پے در پے سریے روانہ کیے گئے۔ چنانچہ شوال میں عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو ساٹھ مہاجرین کے ساتھ ''بطن رابغ'' میں بھیجا گیا۔ وہاں ابوسفیان سے سامنا ہوا جو دو سو آدمیوں کے ساتھ تھا۔ دونوں طرف سے تیر چلے لیکن جنگ نہ ہوئی۔
- پھر ذی قعدہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیس مہاجرین کے ساتھ رابغ کے قریب خرار کی طرف بھیجا گیا لیکن ان کا کسی سے سامنا نہ ہوا۔
- اس کے بعد صفر ۲ ہجری میں ستر ۷۰ مہاجرین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بذات خود نکلے اور ابواء یا ودان تشریف لے گئے لیکن کسی سے سامنا نہ ہوا۔ اس سفر میں آپ نے عمرو ابن مخشی الضمری کے ساتھ امان اور تعاون کا معاہدہ کیا۔ یہ پہلی مہم ہے جس میں رسول اللہ ﷺ بذات خود نکلے۔
- اس کے بعد آپ ربیع الاوّل ۲ ہجری میں دو سو مہاجرین کے ساتھ رضوی کے اطراف میں بواط تک تشریف لے گئے۔ وہاں بھی کسی سے سامنا نہ ہوا۔

* اسی مہینے میں کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور کچھ مویشی ہانک کر لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ستر مہاجرین کے ساتھ اس کا تعاقب کیا اور بدر کے اطراف میں سفوان تک تشریف لے گئے لیکن کرز نکل بھاگا۔ اسے غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہتے ہیں۔
* اس کے بعد آپ جمادی الاولیٰ یا جمادی الاخریٰ ۲ ہجری میں ایک سو پچاس یا دوسو مہاجرین کے ساتھ ''ذوالعشیرہ'' تک تشریف لے گئے۔ مقصود قریش کے ایک قافلے کو روکنا تھا جو ملک شام جا رہا تھا لیکن وہ آپ کے پہنچنے سے چند دن پہلے ہی جا چکا تھا۔ اس سفر میں آپ نے بنو مدلج کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا۔
* پھر رجب ۲ ہجری میں آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش اسدی کو بارہ مہاجرین کے ہمراہ مکہ اور طائف کے درمیان مقام نخلہ کے لیے روانہ کیا۔ مقصود یہ تھا کہ وہ قریش کے ایک قافلے کی خبر لائیں مگر ان لوگوں نے قافلہ پر حملہ کر کے ایک آدمی کو قتل اور دو کو قید کر لیا اور قافلہ کو ہانک لائے۔ اس حرکت پر رسول اللہ ﷺ ناراض ہوئے۔ چنانچہ قیدیوں کو چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بہا ادا کیا۔

یہ واقعہ رجب کی آخری تاریخ کو پیش آیا تھا۔ اس لیے مشرکین نے شور مچایا کہ مسلمانوں نے حرام مہینے کی حرمت پامال کر ڈالی۔ اس پر اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلشَّهْرِ ٱلْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ وَكُفْرٌۢ بِهِۦ وَٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِۦ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ ٱللَّهِ ۚ وَٱلْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ ٱلْقَتْلِ ۗ (البقرۃ:۲۱۷)

''لوگ آپ سے حرام مہینے میں قتال کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں، اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے۔ اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا، یہ سب اللہ کے نزدیک اور زیادہ

بڑا جرم ہے۔ جب کہ فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔"

شعبان ۲ رہجری میں قبلہ بھی بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ کو بنا دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ چاہتے بھی تھے اور اسی کا انتظار بھی کر رہے تھے۔ اس سے بعض دھو کے باز منافقین اور یہود بھی منظر عام پر آ گئے جو جھوٹ موٹ مسلمان ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ مرتد ہو گئے اور مسلمانوں کی صفیں ان سے پاک ہو گئیں۔

یہ تھی جنگی نقل و حرکت جو مدینہ اور اس کے اطراف کے امن کی حفاظت کے لیے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے قائم کر رکھی تھی۔ اس سے قریش کو یہ بتلانا بھی مقصود تھا کہ اگر وہ اپنے شر سے باز نہ آئے تو انجام برا ہو گا لیکن وہ اپنی خودسری اور تکبر میں بڑھتے ہی گئے۔ چنانچہ بدر کے میدان میں اس کی جزا پالی اور جزا بہرحال گھاٹے ہی کی تھی۔

غزوۂ بدر کبریٰ

(۱۷ رمضان ۲ ہجری)

یہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان پہلا فیصلہ کن معرکہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جس قافلے کے لیے ذوالعشیرہ تشریف لے گئے تھے اور جو بچ کر شام چلا گیا تھا، آپ اس کی تاک میں تھے۔ اس کی خبر لانے کے لیے آپ نے شام کے مقام ''حورَاء'' تک دو آدمی بھیجے تھے۔ چنانچہ جیسے ہی یہ قافلہ وہاں سے گزرا انہوں نے جلدی سے مدینہ خبر پہنچائی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے مسلمانوں کو نکلنے کی دعوت دی، لیکن نکلنا ضروری نہیں قرار دیا۔ چنانچہ اس دعوت پر ۳۱۳، یا ۳۱۷ آدمیوں نے لبیک کہا۔ جن میں ۸۲، ۸۳ یا ۸۶ مہاجرین تھے۔ ۶۱ قبیلہ اوس کے اور ۱۷۰ قبیلہ خزرج کے انصار تھے۔ انہوں نے مکمل تیاری بھی نہ کی تھی۔ سواری میں بھی صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے سفید جھنڈا باندھا اور اسے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ اس کے علاوہ ایک جھنڈا مہاجرین کا تھا جسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لیے ہوئے تھے اور ایک جھنڈا انصار کا تھا جسے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔ مدینہ کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا لیکن روحاء پہنچ کر ان کی جگہ ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ سے نکلے تو بدر منزل مقصود تھی۔ یہ مدینہ کے جنوب مغرب میں ۱۵۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسے ہر طرف سے بلند پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔ آمد و رفت

کے صرف تین راستے ہیں۔ ایک جنوب میں ہے جسے ''العدوۃ القصویٰ'' ......دور کا ناکہ...... کہا جاتا ہے۔ دوسرا شمال میں ہے جو ''العدوۃ الدنیا'' ......قریب کا ناکہ......کہلاتا ہے۔ تیسرا شمالی راستے کے قریب ہی مشرق میں ہے اور اس سے اہل مدینہ آتے جاتے ہیں۔ مکہ سے شام آنے جانے والے قافلوں کا کاروانی راستہ اسی احاطے کے اندر سے گزرتا تھا۔ اس میں کچھ مکانات، کنویں اور باغات بھی تھے۔ اس لیے قافلے عموماً یہاں پڑاؤ ڈالتے تھے اور کئی گھنٹوں سے لے کر کئی دنوں تک ٹھہرتے تھے۔ لہٰذا یہ بات بہت آسان تھی کہ اس احاطے میں قریشی قافلے کے اترنے کے بعد مسلمان تینوں راستے بند کر دیں۔ قافلہ اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن اس تدبیر کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ قافلے کو مسلمانوں کے نکلنے کا مطلق علم نہ ہو تاکہ وہ غفلت میں بدر کے اندر اتر پڑیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ جب مدینے سے نکلے تو آپ نے پہلے پہل جو راستہ اختیار کیا وہ بدر کے بجائے کہیں اور جاتا تھا۔ پھر بہت دھیمی رفتار سے بدر کی جانب پیش قدمی فرمائی۔

جہاں تک قافلے کا تعلق ہے تو اس میں ایک ہزار اونٹ تھے۔ جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار کی مالیت کا سامان لدا ہوا تھا۔ اس کا سالار ابو سفیان تھا اور اس کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے۔ ابو سفیان حد درجہ بیدار اور محتاط تھا۔ چنانچہ ابھی وہ بدر سے کافی دور تھا کہ اسے مسلمانوں کے نکلنے کا علم ہو گیا۔ لہٰذا اس نے قافلے کا رخ مغرب کی طرف پھیر کر ساحل کا راستہ پکڑ لیا اور بدر کا راستہ کلیتاً چھوڑ دیا۔ ساتھ ہی ایک آدمی کو اجرت دے کر مکہ بھیجا کہ جس قدر جلد ممکن ہو انہیں مسلمانوں کے نکلنے کی اطلاع دے دے۔ اس شخص نے خبر پہنچائی تو اہل مکہ نہایت تیزی سے تیار ہوئے اور سب نکلے۔ ابولہب کے سوا بڑوں میں کوئی پیچھے نہ رہا۔ آس پاس کے قبائل کے آدمی بھی ساتھ لے لیے۔ قریش کے بڑوں میں سے صرف بنو عدی نے اس میں شرکت نہ کی۔

جب یہ لشکر ''جحفہ'' پہنچا تو اسے ابو سفیان کا پیغام ملا، جس میں اس نے اپنے بچ نکلنے کی اطلاع دی تھی اور یہ مطالبہ کیا تھا کہ مکہ واپس پلٹ جائیں، چنانچہ لوگوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا مگر ابو جہل اپنے تکبر اور نخوت کے سبب آڑے آ گیا۔ چنانچہ کوئی واپس نہ ہو سکا۔ صرف

بنوزہرہ اپنے حلیف اور اخنس بن شریق ثقفی کی رائے پر واپس ہوئے۔ یہ تین سو تھے۔ باقی ایک ہزار لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا تا آنکہ عدوہ قصویٰ کے قریب پہنچ کر، بدر کے باہر پہاڑوں کے پیچھے ایک وسیع میدان میں پڑاؤ ڈالا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو راستے ہی میں اہل مکہ کے خروج کا علم ہوگیا۔ لہٰذا آپ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور اچھی بات کہی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور اچھی بات کہی۔ پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض پرداز ہوئے:

''اے اللہ کے رسول! واللہ ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی۔''

فَٱذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَٰتِلَآ إِنَّا هَٰهُنَا قَٰعِدُونَ ﴿٢٤﴾

(المائدۃ: ٢٤)

''تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو، ہم یہیں بیٹھے ہیں۔''

بلکہ ہم آپ کے دائیں اور بائیں آگے اور پیچھے سے لڑیں گے۔''

اس سے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک دمک اٹھا اور آپ مسرور ہوگئے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

''مسلمانو! مجھے مشورہ دو۔''

اس پر انصار کے رئیس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض پرداز ہوئے:

''یارسول اللہ! گویا آپ ہماری طرف اشارہ فرما رہے ہیں تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں اس سمندر پر لے چلیں اور اس میں کودنا چاہیں تو ہم اس میں بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے، ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں قطعاً کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ کل آپ ہمارے ساتھ دشمن سے ٹکرا جائیں، ہم جنگ میں پامرد اور لڑنے میں جوانمرد ہیں اور توقع ہے کہ اللہ آپ کو ہمارا وہ جوہر دکھلائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی۔ لہٰذا آپ

ہمیں لے کر آگے بڑھیں۔ اللہ برکت دے...... انہوں نے گفتگو کے دوران یہ بھی کہا: ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ پیش قدمی کرتے ہوئے ''برک الغماد'' تک جائیں تو بھی ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔''

اس سے رسول اللہ ﷺ پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ نے فرمایا:

''چلو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ مجھ سے اللہ نے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ! اس وقت میں گویا قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نے بدر کے جانب پیش قدمی کی اور وہاں اسی رات پہنچے جس رات مشرکین پہنچے تھے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے میدان بدر کے اندر ''عدوۂ دنیا'' کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ لیکن حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ آگے بڑھ چلیں اور جو چشمہ دشمن کے سب سے زیادہ قریب ہے اس پر پڑاؤ ڈالیں تاکہ مسلمان حوض بنا بنا کر اپنے لیے پانی جمع کرلیں اور بقیہ چشموں کو پاٹ دیں۔ اس طرح دشمن پانی سے محروم رہ جائے گا چنانچہ آپ ﷺ نے یہی کیا۔

پھر مسلمانوں نے ایک چھپر بنائی جو نبی کریم ﷺ کی قیادت گاہ تھی۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کمان میں انصاری جوانوں کی ایک جماعت پہرے اور حفاظت کے لیے مقرر کردی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب فرمائی اور میدان جنگ کا چکر لگایا۔ وہاں آپ نے ہاتھ سے اشارہ کر کر کے فرمایا کہ یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے اور یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے۔ (ان شاء اللہ) پھر ایک درخت کی جڑ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے رات گزاری۔ مسلمانوں نے بھی بھرپور اعتماد کے ساتھ پرسکون رات گزاری اور اللہ نے بارش نازل فرمائی۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

إِذْ يُغَشِّيكُمُ ٱلنُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِۦ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ ٱلشَّيْطَٰنِ

وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ ٱلْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ (الأنفال: ١١)

"جب اللہ تم پر اپنی طرف سے امن و بے خوفی کے طور پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تا کہ تمہیں اس کے ذریعے پاک کردے، تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے، تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدم جما دے۔"

پھر صبح ...... جمعہ ۱۷ رمضان ۲ ہجری کی صبح ...... دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! یہ قریش ہیں جو اپنے غرور و تکبر کے ساتھ تیری مخالفت کرتے ہوئے اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہوئے آئے ہیں۔ اے اللہ! تیری مدد ...... جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ! آج انہیں اینٹھ کر رکھ دے۔"

پھر آپ نے صفیں برابر کیں اور فرمایا:

"جب تک میرا حکم نہ آجائے لڑائی شروع نہ کریں۔"

نیز فرمایا کہ:

"جب وہ تمہارے قریب آجائیں تو ان پر تیر چلانا، اپنے تیروں کو بچائے رکھنے کی کوشش کرنا اور جب تک وہ تم پر چھا نہ جائیں تلوار نہ کھینچنا۔"

اس کے بعد آپ چھپر میں واپس آگئے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے اللہ عزوجل سے بڑے سوز کے ساتھ دعا کی، یہاں تک کہ فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدُ اَبَدًا اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ اَبَدًا))

"اے اللہ! اگر آج یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو کبھی تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد کبھی تیری عبادت نہ کی جائے۔"

آپ نے خوب تضرع اور خلوص کے ساتھ دعا کی، یہاں تک کہ آپ کی چادر آپ کے

کندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر درست کی اور عرض پرداز ہوئے کہ:

''اے اللہ کے رسول! بس فرمائیے۔ آپ نے اپنے رب سے الحاح کے ساتھ دعا فرمالی۔''

دوسری طرف مشرکین کی صورت حال یہ تھی کہ ابوجہل نے اللہ سے فیصلے کی دعا کی۔ اس نے کہا:

''اے اللہ! ہم میں جو فریق قرابت کو زیادہ کاٹنے والا اور غلط حرکتیں زیادہ کرنے والا ہے اسے آج توڑ دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جو فریق تیرے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ پسندیدہ ہے آج اس کی مدد فرما۔''

مبارزت اور قتال:

اس کے بعد قریش کے تین بہترین سوار عتبہ، شیبہ (ابنائے ربیعہ) اور ولید بن عتبہ آگے بڑھے اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ جواب میں انصار کے تین جوان نکلے۔ مشرکین نے کہا: ''ہم اپنے چچیرے بھائیوں کو چاہتے ہیں۔'' چنانچہ اب عبیدہ بن حارث، حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم آگے بڑھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو کھیت لیا۔ البتہ عبیدہ اور عتبہ کے درمیان دو ضربوں کا تبادلہ ہوا اور ہر نے دوسرے کو اچھی طرح زخمی کر دیا لیکن اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے اپنے شکار سے فارغ ہو کر عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کر کے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا لائے۔ ان کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ اس کی وجہ سے چار یا پانچ دن بعد مدینہ واپسی کے دوران صفراء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

مبارزت کا نتیجہ مشرکین کے لیے برا ثابت ہوا، چنانچہ وہ غصہ سے بے قابو ہو کر مسلمانوں کی صفوں پر نہایت تندی کے ساتھ ٹوٹ پڑے اور فرد واحد کی طرح یکبارگی حملہ کر دیا لیکن مسلمان اپنی اپنی جگہ جمے رہے۔ وہ اپنا دفاع کر رہے تھے اور ''احد احد'' کہہ رہے تھے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جھپکی آئی پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

''ابوبکر! خوش ہو جاؤ تمہارے پاس اللہ کی مدد آ گئی یہ جبریل علیہ السلام ہیں، اپنے

گھوڑے کی لگام تھامے آگے آگے چل رہے ہیں۔ ان کے جوڑوں پر گردوغبار ہے.."

اس دن اللہ نے ایک ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد کی تھی۔

پھر رسول اللہ ﷺ زرہ پوش، سپاہیانہ شان سے آگے بڑھے۔اس وقت آپ یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے:

سَيُهْزَمُ ٱلْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ ٱلدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ (القمر:٤٥)

"عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔"

پھر آپ نے ایک مٹھی کنکریلی مٹی لی اور ((شَاهَتِ الْوُجُوْهُ)) "چہرے بگڑ جائیں" کہتے ہوئے مشرکین کے چہروں پر دے ماری۔ اللہ کی قدرت کوئی مشرک نہ بچا کہ جس کی دونوں آنکھوں اور نتھنے میں ایک مٹھی مٹی میں سے کچھ نہ کچھ نہ گیا ہو۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ رَمَىٰ (الأنفال:١٧)

"جب آپ نے پھینکا تو درحقیقت آپ نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر حملے کا حکم اور جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

((شُدُّوْا)) "چڑھ دوڑو۔"

چنانچہ مسلمان جن کا جوش جہاد ابھی شباب پر تھا، چڑھ دوڑے۔ ان کے جوش وخروش میں یہ دیکھ کر مزید تیزی آگئی کہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان موجود ہیں اور سب سے آگے بڑھ کر لڑ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ صفوں کی صفیں درہم برہم کرنے اور گردنیں کاٹنے لگے۔ فرشتوں نے بھی ان کی مدد کی۔ وہ بھی مشرکین کی گردنیں مارتے اور جوڑوں پر ضرب لگاتے تھے۔ چنانچہ آدمی کا سر کٹ کر گرتا اور پتہ نہ چلتا کہ کس نے مارا ہے۔ آدمی کا ہاتھ کٹ کر گرتا اور پتہ نہ چلتا کہ کس نے کاٹا ہے۔ یوں مشرکین پر شکست نازل ہوگئی۔ انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور مسلمانوں نے ان کو کھدیڑ لیا۔ کسی کو قتل کیا تو کسی کو قید کیا۔

ادھر مشرکین کی تائید میں اور مسلمانوں کے خلاف ان کو بھڑکانے کے لیے ابلیس بھی سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں حاضر تھا۔ جب اس نے فرشتے اور ان کی کارروائیاں دیکھیں تو الٹے پاؤں پلٹ کر بھاگا اور اپنے آپ کو بحر احمر میں جا کر ڈال دیا۔

ابوجہل کا قتل:

ابوجہل ایک ایسے گروہ میں تھا جنہوں نے اس کے گرد اپنی تلواروں اور نیزوں کی باڑھ قائم کر رکھی تھی۔ ادھر مسلمانوں کی صف میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اردگرد دو انصاری نوجوان تھے، جن کی موجودگی سے وہ مطمئن نہ تھے کہ اتنے میں ایک نے اپنے ساتھی سے چھپا کر ان سے کہا:

''چچا جان! مجھے ابوجہل تو دکھلا دیجیے۔''

انہوں نے کہا: ''اسے کیا کرو گے؟''

اس نے کہا:

''مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو میرا وجود اس کے وجود سے جدا نہ ہوگا یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے ہے، وہ مر جائے۔''

اتنے میں دوسرے نے بھی یہی بات کہی۔ اس کے بعد جب صفیں پھٹ گئیں تو عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ابوجہل چکر کاٹ رہا ہے، انہوں نے دونوں جوانوں کو اسے دکھلا دیا۔ دونوں جھپٹ پڑے اور تلوار مار کر قتل کر دیا۔ ایک نے پنڈلی پر ضرب لگائی اور اس کا پاؤں یوں اڑ گیا جیسے موسل کی مار پڑنے پر گٹھلی اڑ جاتی ہے۔ دوسرے نے بری طرح زخمی کر دیا اور اس حال میں چھوڑا کہ صرف سانس آ جا رہی تھی۔ اس کے بعد دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ دونوں کا دعویٰ تھا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ یہ دونوں عفراء کے صاحبزادے معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما تھے۔ معوذ تو اسی غزوے میں شہید ہو گئے البتہ معاذ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک باقی رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو ابوجہل کا

سامان دیا۔[1]

معرکہ ختم ہو گیا لوگ ابوجہل کی تلاش میں نکلے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے پالیا۔ ابھی اس کی سانس آ جا رہی تھی۔ انہوں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا، سر کاٹنے کے لیے ڈاڑھی پکڑی اور فرمایا:

''او اللہ کے دشمن! آخر اللہ نے تجھے رسوا کیا ناں۔'' اس نے کہا:

''مجھے کاہے کو رسوا کیا؟ کیا جس شخص کو تم لوگوں نے قتل کیا ہے اس سے اوپر بھی کوئی آدمی ہے؟'' پھر بولا: ''کاش! مجھے کسانوں کے بجائے کسی اور نے قتل کیا ہوتا۔''

اس کے بعد کہنے لگا: ''مجھے بتاؤ آج فتح کس کی ہوئی؟''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔''

ابوجہل نے کہا: ''او بکری کے چرواہے! تو بڑی مشکل جگہ پر چڑھ گیا۔''

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر کاٹ لیا اور خدمت نبوی میں حاضر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اَللّٰهُ اَكْبَرُ))

''تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا سارے گروہوں کو شکست دے دی۔''

پھر فرمایا: ''یہ اس امت کا فرعون ہے۔''

یوم الفرقان:

یہ معرکہ کفر و ایمان کا معرکہ تھا۔ جس میں آدمی نے اپنے چچا اور باپ سے، اپنے بیٹے اور

---

[1] ایک صحیح روایت کے مطابق یہ دونو جوان معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن عمرو بن جموح کو ابوجہل کا سامان دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ پہلے معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما دونوں نے بیک وقت حملہ کیا، اس کے فوراً بعد معوذ رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ (فتح الباری، المغازی، باب قتل ابی جهل)

بھائی سے، اپنے قریب ترین لوگوں سے جنگ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قید کیا۔ یوں قرابت کے تعلقات کٹ گئے۔ اللہ نے کلمۂ ایمان کو کلمۂ کفر پر بلندی عطا کی اور حق کو باطل سے جدا کر دیا۔ اس لیے اس دن کا نام ''یوم الفرقان'' پڑ گیا۔ یعنی بدر کا دن ۱۷ رمضان المبارک۔

فریقین کے مقتولین:

اس معرکے میں چودہ مسلمان شہید ہوئے، چھ مہاجرین اور آٹھ انصار۔ انہیں میدان بدر ہی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ان کی قبریں اب بھی معروف ہیں۔

مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ مرنے والوں میں زیادہ سربرآوردہ قسم کے لوگ تھے۔ ان میں سے چوبیس سرداروں کے لاشے کھینچ کر بدر کے ایک گندے خبیث کنویں میں پھینک دیے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز بدر میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد جب واپسی کے لیے تیار ہوئے تو اس کنویں کی منڈیر پر آ کر کھڑے ہو گئے اور ان سرداروں کو نام لے لے کر پکارا:

''اے فلاں کے بیٹے فلاں! اور اے فلاں کے بیٹے فلاں! کیا تمہیں یہ بات خوش آتی ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ کیونکہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے برحق پایا۔ تو کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے تم نے برحق پایا ہے؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ایسے جسموں سے کیا باتیں کر رہے ہیں جن میں روح ہی نہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔''

مکہ اور مدینہ میں معرکے کی خبر:

مکے میں شکست کی خبر بھاگنے والے مشرکین سے پہنچی۔ جس سے انہیں بڑی ذلت اور روسیاہی محسوس ہوئی حتیٰ کہ انہوں نے مقتولین پر نوحہ گری سے روک دیا تاکہ مسلمان شماتت نہ کریں۔ لطف یہ ہوا کہ اسود بن مطلب کے تین بیٹے مارے گئے تھے اور ان پر نوحہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک رات نوحہ کرنے والی عورت کی آواز سنی تو سمجھا کہ اجازت مل گئی ہے اور جھٹ اپنے غلام کو تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ یہ عورت تو اپنے ایک گمشدہ اونٹ پر رو رہی ہے۔ اسود یہ سن کر اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا اور بے اختیار پکار اٹھا:

أَتَبْكِيْ أَنْ يَّضِلَّ لَهَا بَعِيْرٌ وَيَمْنَعُهَا مِنَ النَّوْمِ السُّهُوْدُ
فَلَا تَبْكِيْ عَلَى بَكْرٍ وَلٰكِنْ عَلٰى بَدْرٍ تَقَاصَرَتِ الْجُدُوْدُ

”کیا وہ اس بات پر روتی ہے کہ اس کا اونٹ غائب ہوگیا اور اس پر بے خوابی نے اس کی نیند حرام کررکھی ہے۔ تو اونٹ پر نہ رو، بلکہ بدر پر رو جہاں قسمتیں پھوٹ گئیں۔“
مزید چند شعر کہے جن میں بیٹوں پر آہ و فغاں کیا۔“

ادھر اہل مدینہ کو خوش خبری کیلئے رسول اللہ ﷺ نے دو قاصد روانہ فرمائے۔ ایک عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بالائی مدینہ کی طرف، دوسرے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ زیریں مدینہ کی طرف۔ اس دوران یہود نے جھوٹے پروپیگنڈے کرکے مدینہ میں ہلچل مچا رکھی تھی، اسلیئے جب فتح کی خبر پہنچی تو ہر طرف مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی مدینے کے در و بام تہلیل و تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے۔ سربرآوردہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کو مبارکباد دینے کے لیے بدر کے راستے نکل پڑے۔

رسول اللہ ﷺ مدینے کی راہ میں:

رسول اللہ ﷺ نصرت الٰہی کا تاج پہنے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ مال غنیمت اور قیدی بھی تھے۔ وادیٔ صفراء کے قریب پہنچے تو تقسیم غنیمت کا حکم نازل ہوا۔ چنانچہ آپ نے خمس نکال کر باقی مال غنیمت غازیوں پر تقسیم فرمادیا۔ پھر وادیٔ صفراء میں پہنچ کر نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم دیا اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن اڑا دی۔

اس کے بعد عرق انطبیہ پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے...... اور کہا جاتا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن اڑا دی۔

سر برآوردہ مسلمان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک باد دینے کے لیے نکلے تھے مقام روحاء میں آپ سے ان کی ملاقات ہوئی اور وہاں سے مدینہ تک انہوں نے آپ کی قیادت میں سفر طے کیا۔ اس طرح آپ مدینہ میں یوں مظفر و منصور داخل ہوئے کہ ہر دشمن پر آپ کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ اس کی وجہ سے بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام بھی ہوئے۔ اسی موقع پر عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں نے بھی دکھاوے کے لیے اسلام قبول کیا۔

قیدیوں کا قضیہ:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچ چکے تو آپ نے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدیہ لینے کی رائے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لینا طے کیا۔ یہ فدیہ چار ہزار سے تین ہزار اور (کم از کم) ایک ہزار درہم تک تھا۔ ان میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ بعض قیدیوں پر احسان کیا گیا اور انہیں فدیہ لیے بغیر رہا کر دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالعاص کے فدیے میں جو مال بھیجا اس میں ایک ہار بھی تھا، یہ ہار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص کے پاس رخصت کرتے وقت یہ ہار دیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو آپ پر بڑی رقت طاری ہوگئی اور آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اجازت چاہی کہ ابوالعاص کو بلا فدیہ چھوڑ دیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ آپ نے ابوالعاص کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی راہ چھوڑ دیں گے۔ ابوالعاص نے مکہ جا کر ان کا راستہ چھوڑ دیا اور وہ مدینہ ہجرت کر آئیں۔

آپ کی صاحبزادی سیدہ رقیہؓ کی وفات اور ام کلثومؓ سے حضرت عثمان کی شادی:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے گئے تھے آپ کی صاحبزادی حضرت

رقیہ ؓ بیمار تھیں۔ وہ حضرت عثمان ؓ کے نکاح میں تھیں۔ لہٰذا آپ نے انہیں حکم دیا کہ ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ ہی میں رہیں اور انہیں بھی بدر میں حاضر ہونے والے کا اجر اور حصہ ملے گا۔ اسامہ بن زید ؓ کو بھی ان کی تیمارداری کے لیے روک دیا مگر وہ آپ ﷺ کی واپسی سے پہلے ہی وفات پا گئیں۔ حضرت اسامہ بن زید ؓ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس فتح کی خوش خبری اس وقت آئی جب ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ ؓ پر مٹی برابر کر چکے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ کر مطمئن ہو چکے تو آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی، حضرت ام کلثوم ؓ کی شادی حضرت عثمان ؓ سے کر دی۔ اسی لیے حضرت عثمان ؓ کو ''ذوالنورین''......دو نور والے...... کہا جاتا ہے۔ حضرت ام کلثوم ؓ نے ان کے نکاح میں رہتے ہوئے شعبان ۹ ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

بدر کے بعد کے واقعات

اللہ نے بدر میں نصرت و فتح کے ذریعہ مسلمانوں کو جو اعزاز بخشا، مشرکین کے لیے وہ خاصا تکلیف دہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایسی تدبیریں سوچنا شروع کیں جن کے ذریعے مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکیں اور ان سے انتقام لے سکیں۔ لیکن اللہ نے ان کے داؤ پیچ ان کے سینوں پر الٹ دیے اور اپنے فضل سے اہل ایمان کی مدد کی۔

چنانچہ بدر سے واپسی کے صرف ایک ہفتہ بعد......اور کہا جاتا ہے کہ ڈھائی تین مہینہ بعد......بنو سلیم نے مدینہ پر حملہ کے ارادے سے جمعیت فراہم کرنا شروع کی۔ جواباً مسلمانوں نے ان کے ٹھکانوں پر دھاوا بول دیا اور مال غنیمت لے کر صحیح سالم مدینہ واپس آ گئے۔ اس کے بعد عمیر بن وہب جمحی اور صفوان بن امیہ نے نبی ﷺ کے قتل کی سازش رچائی، اس مقصد کے لیے عمیر مدینہ آیا لیکن آتے ہی اسے پکڑ لیا گیا اور نبی ﷺ نے بتلایا کہ وہ کیا سازش رچا کر آیا ہے۔ اس پر وہ مسلمان ہو گیا۔

غزوۂ بنو قینقاع:

اس کے بعد یہود بنو قینقاع نے کھل کر شر و عداوت کا مظاہرہ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں نصیحت کی تو کہنے لگے:

محمد ﷺ! تمہیں اس بنا پر خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ تم نے قریش کے کچھ اناڑی اور نا آشنائے جنگ لوگوں کو مار لیا ہے، اگر تمہاری لڑائی ہم سے ہوگئی تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم مرد ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس جواب پر صبر فرمایا۔ اس سے ان کی جرأت اور بڑھ گئی۔ انہوں نے اپنے بازار میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ جس میں ایک مسلمان اور ایک یہودی مارا گیا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرما لیا...... یہ نصف شوال ۲ ہجری ہفتہ کا دن تھا...... پندرہ دن گزرے تھے کہ ذی قعدہ کی چاند رات انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ''اذرعات شام'' کی طرف جلاوطن کر دیا۔ جہاں تھوڑے دنوں بعد اکثر کی وفات ہوگئی۔

غزوۂ سویق:

ادھر غزوۂ بدر کے بعد ابوسفیان نے نذر مانی تھی کہ جب تک محمد ﷺ سے غزوہ نہیں کر لیتا، اس کے سر کو جنابت کے سبب پانی نہ چھوئے گا۔ چنانچہ وہ دو سو سواروں کے ساتھ نکلا۔ مدینہ کے اطراف میں عریض نامی ایک مقام پر چھاپہ مار کر کھجور کے کچھ درخت کاٹے، جلائے اور دو آدمیوں کو قتل کر کے راہ فرار اختیار کی۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آئے، البتہ انہوں نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ستو اور توشے پھینک دیے۔ مسلمانوں نے ''قرقرۃ الکدر'' تک ان کا تعاقب کیا۔ مسلمان ستو وغیرہ لاد پھاند کر واپس آ گئے۔ اسی لیے اس مہم کا نام ''غزوۂ سویق'' اور ''غزوۂ قرقرۃ الکدر'' پڑ گیا۔ سویق عرب زبان میں ستو کو کہتے ہیں۔

کعب بن اشرف کا قتل:

یہ شخص بڑا مال دار اور یہودی شاعر تھا۔ اسے مسلمانوں سے سخت عداوت تھی۔ چنانچہ یہ

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی ہجو کرتا اور ان کی عورتوں کے متعلق غزلیہ اشعار کہتا تھا۔ جب کہ ان کے دشمنوں کی مدح کرتا اور انہیں جنگ کے لیے بھڑکاتا تھا حتیٰ کہ یہ بدر کے بعد قریش کے پاس جا پہنچا۔ انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے پر اکسایا اور اس بارے میں بہت سے اشعار کہے۔ یہ بھی کہا کہ تم لوگ مسلمانوں سے زیادہ ہدایت کی راہ پر ہو۔ بنو قینقاع پر جو کچھ گزر چکی تھی اس سے بھی عبرت حاصل نہ کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کون ہے جو کعب بن اشرف سے نبٹے؟''

جواب میں محمد بن مسلمہ، عباد بن بشر، ابو نائلہ، حارث بن اوس اور ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہم نے اپنی خدمات پیش کیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ان کے امیر قرار پائے اور انہوں نے نبی ﷺ سے کچھ کہنے کی اجازت لی۔

اس کے بعد وہ کعب کے پاس آئے اور کہا:

''اس شخص نے ...... اشارہ نبی ﷺ کی طرف تھا...... ہم سے صدقہ مانگا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے ہمیں مشقت میں ڈال دیا ہے۔''

کعب کی باچھیں کھل گئیں، بولا:

''واللہ! ابھی تم لوگ اور بھی اکتا جاؤ گے۔ پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بطور قرض گیہوں یا کھجور مانگی اور طے کیا کہ رہن میں ہتھیار دیں گے۔''

اس کے بعد ابو نائلہ آئے اور انہوں نے بھی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے ملتی جلتی بات کی۔ یہ بھی کہا کہ:

''میرے کچھ رفقاء ہیں جن کے خیالات بھی میرے ہی جیسے ہیں۔ میں انہیں بھی آپ کے پاس لانا چاہتا ہوں، آپ ان کے ہاتھ بھی کچھ بیچیں اور ان پر احسان کریں۔''

کعب نے ان کی یہ بات منظور کر لی۔

اس کے بعد ۱۴ ربیع الاوّل ۳ ہجری کی چاندنی رات کو یہ لوگ ہتھیار لے کر کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اسے پکارا کہ نیچے اترے کیونکہ وہ قلعے کے اندر تھا اور ابھی نئی نئی

شادی کی تھی۔ اس کی بیوی نے کہا: ''اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ میں ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے گویا خون ٹپک رہا ہے۔'' لیکن اس نے اس بات کی پروا نہ کی اور نیچے اتر کر ہتھیار دیکھے تو بھی نہیں چونکا کیونکہ ان لوگوں سے پہلے ہی یہ بات طے ہو چکی تھی۔

اس کے بعد یہ لوگ ٹہلنے کے لیے چل پڑے۔ اثنائے راہ میں ابونائلہ نے اس کے عطر کی تعریف کی اور اس کا سر سونگھنے کی اجازت چاہی۔ اس نے کبر و نخوت کے ساتھ اجازت دی۔ ابونائلہ نے خود سونگھا اور سر کے اندر ہاتھ ڈال کر ساتھیوں کو بھی سنگھایا۔ پھر دوبارہ اجازت لی اور یہی کیا۔ پھر سہ بارہ اجازت لی اور اب کی بار جب اچھی طرح سر قابو میں کر لیا تو کہا:

''لے لو اللہ کے اس دشمن کو۔''

اتنے میں اس پر کئی تلواریں پڑیں لیکن کام نہ کر سکیں۔ یہ دیکھ کر جھٹ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی کدال اس کے پیڑو (زیر ناف) پر لگائی اور چڑھ بیٹھے۔ کدال آر پار ہو گئی۔ اللہ کا دشمن اس زور سے چیخا کہ گرد و پیش ہلچل مچ گئی اور پھر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ چیخ سن کر قلعوں پر آگ روشن کی گئی لیکن مسلمان صحیح سالم واپس آ گئے اور فتنہ کی وہ آگ بجھ گئی جس نے عرصے سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ ایک مدت کے لیے یہودی سانپ بھی اپنے بلوں میں دبک گئے۔

سریہ قردہ:

جمادی الاولیٰ ۳ ہجری میں قریش نے اپنا ایک قافلہ، عراق کے کاروانی راستے ملک شام بھیجا۔ یہ راستہ نجد سے ہو کر شام جاتا تھا اور مدینہ کے قریب سے نہیں گزرتا تھا۔ اس قافلے کی قیادت صفوان بن امیہ کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہو گیا۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں دو سو سواروں کا ایک دستہ بھیج دیا۔ وہ قافلہ نجد میں قردہ نامی ایک چشمہ پر اتر رہا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس پر یلغار کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورا قافلہ ان کے قبضے میں آ گیا، البتہ اس میں جتنے آدمی تھے سب نکل بھاگے۔ صرف قافلے کا رہنما فرات بن حیان گرفتار ہو سکا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ مال غنیمت کی مقدار ایک لاکھ درہم تھی اور یہ قریش کے لیے غزوۂ بدر کے بعد سب سے تکلیف دہ مار تھی۔

غزوۂ اُحد

(شوال ۳ ہجری)

قریش ابھی غزوۂ بدر کے انتقام کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ مقام قردہ میں ان پر ایک اور مار پڑ گئی۔ اس سے ان کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور انہوں نے تیاری کی رفتار تیز کر دی۔ رضا کارانہ بھرتی کا دروازہ کھول دیا، احابیش کو بھرتی کیا اور ترغیب وتحریص کے لیے کچھ شاعر خاص کیے، یہاں تک کہ تین ہزار فوجیوں کا لشکر تیار ہو گیا۔ جس کے پاس تین سو اونٹ، دو سو گھوڑے اور سات سو زرہیں تھیں۔ اس لشکر کے ساتھ کئی عورتیں بھی تھیں، جن کا کام جنگ کے لیے بھڑکانا اور جوش و بہادری کی روح پھونکنا تھا۔ اس لشکر کا سپہ سالار ابوسفیان تھا اور علم بردار بنو عبدالدار کے بہادر۔

یہ لشکر غیظ وغضب سے بھر پور مدینہ کے اطراف میں پہنچا اور جبل عینین اور احد کے قریب ''وادیٔ قناۃ'' کے دامن میں ایک کھلے میدان کے اندر ڈیرہ ڈال دیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور شوال ۳ ہجری کی ٦ تاریخ۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو لشکر کی آمد سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے خبر ہو چکی تھی۔ آپ نے ہنگامی حالات سے نمٹنے اور مدینہ کی حفاظت کے لیے فوجی طلایہ گردی کا انتظام فرما لیا تھا۔ جب لشکر پہنچ گیا تو آپ نے مسلمانوں سے دفاع کے متعلق مشورہ کیا۔ آپ ﷺ کی رائے یہ تھی کہ مسلمان مدینہ کے اندر قلعہ بند ہو جائیں۔ مرد گلی کوچوں کے ناکوں پر لڑائی کریں اور عورتیں گھر کی چھتوں سے۔ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی اس رائے سے موافقت

کی۔ گویا وہ چاہتا تھا کہ گھر میں بیٹھا بھی رہے اور جنگ سے پیچھے رہنے کی تہمت بھی نہ لگے۔ لیکن جوانوں نے جوش دکھایا اور کھلی جگہ دودو ہاتھ کرنے پر اصرار کیا۔ آپ نے ان کی رائے مان لی اور لشکر کو تین دستوں میں تقسیم کیا۔ ایک دستہ مہاجرین کا، جس کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسرا قبیلہ اوس کا، جس کے علم بردار حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے اور تیسرا خزرج کا جس کے علم بردار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ تھے۔

پھر عصر کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل احد کا رخ کیا اور مقام ''شیخین'' پر پہنچ کر لشکر کا معائنہ کیا۔ جو چھوٹے تھے انہیں واپس کر دیا، البتہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو چھوٹے ہونے کے باوجود اجازت دے دی کیونکہ وہ تیر چلانے کے ماہر تھے۔ اس پر سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا میں رافع سے زیادہ طاقتور ہوں میں اسے پچھاڑ سکتا ہوں۔ آپ نے دونوں میں کشتی کرائی اور واقعی سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ لہٰذا سمرہ کو بھی اجازت مل گئی۔

مقام شیخین ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں اور وہیں رات گزاری۔ لشکر کی حفاظت کے لیے پچاس پہرے دار مقرر فرمائے۔ پھر اخیر رات میں فجر سے پہلے کوچ کر دیا اور شوط نامی ایک جگہ پر فجر کی نماز پڑھی۔ یہیں عبداللہ بن ابی نے سرکشی کی اور اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس پلٹ گیا۔ اس کی وجہ سے بنوحارثہ اور بنوسلمہ میں بھی ضعف کی لہر دوڑ گئی، قریب تھا کہ یہ دونوں گروہ بھی پلٹ جاتے لیکن پھر اللہ نے انہیں ثابت قدم رکھا۔ مسلمانوں کی تعداد پہلے ایک ہزار تھی، اب سات سو باقی بچے۔

اب اسی لشکر کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو مغرب کی سمت چھوڑتے ہوئے ایک مختصر راستے سے احد کی جانب پیش قدمی کی۔ احد کی بلندیوں کو پشت کی طرف کرتے ہوئے۔ وادی کے سرے پر واقع احد پہاڑ کی گھاٹی میں نزول فرمایا۔ اس طرح دشمن مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان حائل ہو گیا۔

پھر یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو مرتب فرمایا اور عبداللہ بن جبیر انصاری رضی اللہ عنہ کی کمان میں جبل عینین پر...... جو بعد میں جبل رماۃ کے نام سے معروف ہوا ...... پچاس تیر انداز مقرر فرمائے۔ انہیں حکم دیا کہ سواروں کو تیر مار کر دور رکھیں اور مسلمانوں کی پشت کی حفاظت

کریں۔ ان سے تاکید کی کہ جب تک آپ ﷺ کا حکم نہ آ جائے اپنی جگہ نہ چھوڑیں، خواہ مسلمان فتح یاب ہوں یا شکست کھائیں۔

ادھر مشرکین نے بھی اپنے لشکر کو مرتب کیا اور میدان جنگ کی طرف پیش قدمی کی۔ ان کی عورتیں صفوں میں گھوم گھوم کر، دف پیٹ پیٹ کر لوگوں کو جوش دلا رہی تھیں، لڑائی کے لیے بھڑکا رہی تھیں، جوانوں کو غیرت دلا رہی تھیں اور یہ اشعار پڑھ رہی تھیں:

اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقْ وَ نَفْرِشُ النَّمَارِقْ

اَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقْ فِرَاقَ غَیْرِ وَامِقْ

''اگر پیش قدمی کرو گے تو ہم گلے لگائیں گی، قالینیں بچھائیں گی...... اگر پیچھے ہٹو گے تو روٹھ جائیں گی اور الگ ہو جائیں گی۔''

اور علم برداروں کو ان کا فرض یاد دلاتے ہوئے یوں کہہ رہی تھی ؎

وَیْهًا بَنِی عَبْدِالدَّارِ

وَیْهًا حُمَاةَ الْاَدْبَارِ

ضَرْبًا بِكُلِّ بَتَّارِ

''دیکھو! بنی عبدالدار، دیکھو! پشت کے پاس دار، خوب کرو شمشیر کا وار۔''

مبارزت اور قتال:

پھر دونوں لشکر قریب آ گئے تو مشرکین کا علم بردار اور قریش کا سب سے بہادر انسان طلحہ ابن ابی طلحہ عبدری نمودار ہوا۔ وہ اونٹ پر سوار تھا۔ اس نے دعوت مبارزت دی۔ جواب میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ شیر کی طرح جست لگائی اور اونٹ پر جا چڑھے۔ پھر اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کود گئے اور تلوار سے ذبح کر دیا۔ اس پر نبی ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

اس کے بعد ہر طرف جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ خالد بن ولید نے ...... جو اس وقت مشرکین کے رسالدار تھے...... تین بار کوشش کی کہ مسلمانوں کی پشت پر جا پہنچیں لیکن

تیراندازوں نے تیر برسا کر انہیں واپس کر دیا۔

مسلمانوں نے مشرکین کے علم برداروں پر اپنا حملہ مرکوز رکھا یہاں تک کہ ان کا مکمل طور پر صفایا کر دیا۔ یہ کل گیارہ شخص تھے، ان کے خاتمے کے بعد جھنڈا زمین پر آ گرا۔ مسلمانوں نے بقیہ اطراف پر ہلہ بول دیا، صفوں کی صفیں الٹ دیں اور مشرکین کی اچھی طرح کٹائی کی۔ ابو دجانہ اور حمزہ رضی اللہ عنہما نے بڑے کارنامے انجام دیے۔

اسی پیش قدمی اور غلبے کے دوران اللہ اور اس کے رسول کے شیر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے۔ انہیں وحشی بن حرب نے قتل کیا۔ یہ ایک حبشی غلام تھا جو نیزہ پھینکنے کا ماہر تھا۔ اس کے مولیٰ جبیر بن مطعم نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے تو اسے آزاد کر دے گا۔ کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہی نے اس کے چچا طعیمہ بن عدی کو غزوۂ بدر میں قتل کیا تھا۔ چنانچہ وحشی ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں بیٹھ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مشرکین کے ایک آدمی سباع بن عرفطہ کا سر قلم کر رہے تھے کہ وحشی نے ان کی طرف نیزے کا رخ کیا اور اسے اچھال دیا۔ وہ غافل تھے۔ نیزہ ان کے پیڑو پر لگا اور دونوں پاؤں کے درمیان سے نکل گیا۔ وہ گر گئے اور اٹھ نہ سکے۔ یہاں تک کہ ان کی شہادت واقع ہو گئی۔

بہر حال مشرکین شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جوش دلانے والی عورتیں بھی بھاگیں۔ مسلمانوں نے مشرکین کو کھدیڑ لیا۔ انہیں مار بھی رہے تھے اور غنیمت بھی سمیٹ رہے تھے لیکن عین اسی موقع پر تیراندازوں نے غلطی کی۔ اپنے مورچوں میں باقی رہنے کا جو تاکیدی حکم انہیں دیا گیا تھا اس کے باوجود غنیمت کے چکر میں ان کے چالیس آدمی پہاڑ سے نیچے اتر آئے۔ خالد بن ولید نے اس موقع کو غنیمت جانا اور پہاڑ پر جو دس آدمی رہ گئے تھے، ان کا صفایا کر دیا۔ پھر پہاڑ کے پیچھے سے گھوم کر مسلمانوں کی پشت پر آ رہے اور ان کو نرغے میں لینا شروع کر دیا۔ ان کے سواروں نے ایک نعرہ بلند کیا جسے مشرکین نے پہچان لیا اور وہ بھی پلٹ پڑے۔ ان کی ایک عورت نے لپک کر جھنڈا اٹھا لیا۔ پھر کیا تھا بکھرے ہوئے مشرکین اس کے گرد سمٹ آئے اور جم گئے۔ یوں مسلمان چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں آ گئے۔

رسول اللہ ﷺ پر مشرکین کا حملہ اور آپ کے قتل کی افواہ:

اس وقت رسول اللہ ﷺ پیچھے تشریف فرما تھے۔ آپ کے ساتھ صرف سات انصار اور دو مہاجرین تھے۔ آپ نے پہاڑ کے پیچھے سے خالد کے سواروں کو نمودار ہوتے دیکھا تو نہایت بلند آواز سے پکارا کہ اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ لیکن اس آواز کو مشرکین نے...... جو مسلمانوں کی بہ نسبت آپ کے زیادہ قریب تھے، پہلے سن لیا۔ ان کے ایک دستے نے تیزی سے آواز کا رخ کیا اور رسول اللہ ﷺ پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ ان کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے آپ کا کام تمام کر دیں۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا:

"کون ہے جو ان کو ہم سے دفع کرے اور اس کے لیے جنت ہے۔ یا (یہ فرمایا کہ) وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا؟"

اس پر ایک انصاری نے بڑھ کر انہیں پیچھے دھکیلا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد مشرکین نے پھر ہجوم کیا اور آپ کے بالکل قریب آ گئے۔ آپ نے پھر یہی فرمایا۔ اب ایک دوسرے صحابی نے بڑھ کر انہیں پیچھے دھکیلا اور وہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ پھر تیسرے نے، پھر چوتھے نے، یہاں تک کہ ساتوں انصاری شہید ہو گئے۔

جب ساتویں انصاری صحابی گر گئے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف دو قریشی مہاجر باقی بچے۔ ایک طلحہ بن عبید اللہ اور دوسرے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما چنانچہ اب مشرکین نے اپنا حملہ رسول اللہ ﷺ پر مرکوز کر دیا۔ نتیجتاً آپ کو ایک پتھر لگا جس سے آپ پہلو کے بل گر گئے اور آپ کا نچلا داہنا رباعی دانت ٹوٹ گیا۔ نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا۔ خود سر پر ٹوٹ گئی، جس سے سر اور پیشانی پر چوٹ آئی۔ آنکھ سے نیچے کی ابھری ہوئی ہڈی پر تلوار کی ضرب لگی، جس سے خود کی دو کڑیاں اندر دھنس گئیں۔ کندھے پر بھی تلوار کی ایک سخت ضرب لگی، جس کی تکلیف ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک محسوس ہوتی رہی۔ البتہ آپ نے ڈبل زرہ پہن رکھی تھی۔ اس لیے وہ کٹ نہ سکی۔

یہ سب کچھ اس کے باوجود پیش آ گیا کہ دونوں قریشی جان پر کھیل کر آپ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس قدر تیر چلائے کہ رسول اللہ

ﷺ نے اپنی ترکش کے تیر ان کے لیے بکھیرتے ہوئے فرمایا:

''چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔''

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے تنہا پچھلے سب لوگوں کے برابر لڑائی لڑی۔ یہاں تک کہ انہیں ۳۵ یا ۳۹ زخم آئے۔ اپنے ہاتھ پر تیر یا تلوار روک کر نبی ﷺ کو بچایا۔ جس سے ان کی انگلیاں زخمی ہوئیں تو ان کے منہ سے حس (سی) کی آواز نکلی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم بسم اللہ کہتے تو تمہیں فرشتے اٹھا لیتے اور لوگ دیکھتے رہتے۔''

اس مشکل ترین گھڑی میں حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام اترے اور آپ کی طرف سے سخت لڑائی کی۔ کچھ مسلمان بھی پلٹ کر آپ کے پاس آ گئے اور انہوں نے بھی جم کر دفاع کیا۔ سب سے پہلے پلٹ کر آنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے ساتھ ہی ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے خود کی کڑی نکال دیں لیکن ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اصرار کر کے خود کڑی نکالی۔ جس سے ان کا اگلا ایک دانت گر گیا۔ اس کے بعد انہوں نے دوسری کڑی نکالی اور دوسرا دانت بھی گر گیا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر دونوں نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو سنبھالا۔ وہ زخمی ہو چکے تھے۔

اس دوران رسول اللہ ﷺ کے پاس ابو دجانہ، مصعب بن عمیر، عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی آ پہنچے۔ ادھر مشرکین کی تعداد بھی بڑھتی گئی اور ان کے حملے بھی سخت تر ہوتے گئے مگر مسلمانوں نے بھی نادرۂ روزگار بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ کوئی تیر چلا رہا تھا تو کوئی دفاع کر رہا تھا، کوئی لڑ بھڑ رہا تھا تو کوئی اپنے جسم پر تیروں کو روک رہا تھا۔

جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ مشرکین نے ان کے داہنے ہاتھ پر اس زور کی تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا۔ انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ مشرکین نے اسے بھی کاٹ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے جھنڈے پر گھٹنے ٹیک کر اسے سینے اور گردن کے سہارے لہرائے رکھا اور اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ ان کا قاتل عبداللہ بن قمہ تھا۔ چونکہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ہم شکل تھے، اس لیے اس نے سمجھا کہ نبی ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے واپس پلٹ کر چیختے ہوئے کہا:

"محمد ﷺ قتل کر دیے گئے۔"

یہ خبر تیزی سے پھیل گئی اور اس کے نتیجے میں مشرکین کا دباؤ کم ہو گیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں اب ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

نرغے میں آنے کے بعد عام مسلمانوں کا حال:

جب مسلمانوں نے نرغے میں لیے جانے کی کارروائی دیکھی تو وہ اتھل پتھل اور بدنظمی کا شکار ہو گئے، کوئی متحدہ موقف اختیار نہ کر سکے۔ چنانچہ بعض نے جنوب کی طرف راہ فرار اختیار کی اور مدینہ جا پہنچے۔ بعض احد کی گھاٹی کی طرف بھاگے اور اسلامی کیمپ میں پناہ گیر ہوئے۔ بعض نے رسول اللہ ﷺ کا رخ کیا اور جلدی سے آپ ﷺ کے پاس آ کر آپ کے دفاع میں لگ گئے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ لیکن اکثر مسلمان نرغے کے اندر اپنی اپنی جگہوں پر ثابت قدم رہ کر گھیرنے والوں سے لڑتے بھڑتے رہے۔ چونکہ کوئی شخص منظّم طور پر ان کی قیادت نہیں کر رہا تھا، اس لیے ان کی صفیں انتشار اور بدنظمی کا شکار ہو گئیں۔ پہلی صف پلٹی تو پچھلی صف سے ٹکرا گئی یہاں تک کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان رضی اللہ عنہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے۔ اس کے بعد جب مسلمانوں نے نبی ﷺ کے قتل کی خبر سنی تو ان کا رہا سہا ہوش بھی جاتا رہا، ان کا جوش سرد پڑ گیا اور وہ ٹوٹ کر رہ گئے۔ حتیٰ کہ کتنوں نے لڑائی ہی چھوڑ دی، جب کہ کچھ دوسروں کو جوش آ گیا۔ انہوں نے کہا:

"اٹھو اور جس بات پر رسول اللہ ﷺ نے جان دی ہے اسی پر تم بھی جان دے دو۔"

مسلمان انہی حالات سے دوچار تھے کہ اچانک کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا۔ اس وقت آپ نرغے میں آئے ہوئے مسلمانوں کی طرف راستہ بنا رہے تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے آپ کو دونوں آنکھوں سے پہچانا، کیونکہ چہرہ خود سے چھپا ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا:

"مسلمانو! خوش ہو جاؤ، یہ ہیں اللہ کے رسول ﷺ۔"

یہ سن کر مسلمانوں نے آپ کی طرف پلٹنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ تیس صحابہ جمع ہو گئے۔ اب آپ نے مشرکین کی صفیں چیر کر راستہ بنایا اور نرغے میں آئے ہوئے لشکر کو بچا کر پہاڑ کی

گھاٹی کی طرف لے گئے۔ مشرکین نے واپسی کی راہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن ناکام رہے اور اس کوشش میں ان کے دو آدمی کام بھی آئے۔

اس حکیمانہ تدبیر سے مسلمانوں کو نجات تو مل گئی لیکن تیر اندازوں نے جو غلطی کی اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی تھی، اس کی بھاری قیمت چکانا پڑی۔

گھاٹی میں:

مسلمان نرغے سے نکل کر گھاٹی میں قرار پذیر ہو چکے تو ان میں اور مشرکین میں بعض ہلکی اور انفرادی جھڑپیں ہوئیں۔ لیکن مشرکین کو آگے بڑھنے اور عام مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بلکہ وہ میدان میں تھوڑی ہی دیر باقی رہے اور اس دوران ان مقتولین کا مثلہ کرتے رہے یعنی ان کے کان ناک اور شرم گاہیں کاٹ ڈالیں اور پیٹ چاک کر دیے۔ ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالا اور اسے چبایا لیکن نگل نہ سکی، اس لیے پھینک دیا۔ کان، ناک وغیرہ کے ہار اور پازیب بنائے۔

ادھر ابی بن خلف نے بڑے گھمنڈ کے ساتھ گھاٹی کا رخ کیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرے گا لیکن الٹے رسول اللہ ﷺ نے اس کو خود اور زرہ کے درمیان حلق کے پاس ایک چھوٹے سے نیزے سے ایسی ضرب لگائی کہ وہ اپنے گھوڑے سے کئی بار لڑھک لڑھک گیا اور بیل کی طرح آوازیں نکالتا ہوا قریش کی طرف پلٹا۔ پھر واپسی میں مکہ کے بالکل قریب مقام ''سرف'' پہنچ کر مر گیا۔

اس کے بعد قریش کے چند اور آدمی آئے۔ ان کی قیادت ابوسفیان اور خالد بن ولید کر رہے تھے۔ یہ پہاڑ کے بعض اطراف میں چڑھ گئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور مہاجرین کی ایک جماعت نے لڑ کر انہیں پہاڑ سے نیچے اتار دیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر ان کے تین آدمی قتل بھی کیے۔

اس طرح مشرکین کے مقتولین کی کل تعداد ۲۲......اور کہا جاتا ہے کہ ۳۷ ہوئی جب کہ مسلمانوں کے ستر ۷۰ آدمی کام آئے۔ ۴۱ خزرج کے، ۲۴ اوس کے اور چار مہاجرین کے۔ ان

کے علاوہ ایک یہودی بھی مارا گیا۔ بعض اقوال اس سے مختلف بھی ہیں۔

ابوسفیان اور خالد بن ولید نے آخری ناکام کوشش کے بعد مکہ واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

ادھر رسول اللہ ﷺ جب گھاٹی کے اندر مطمئن ہو چکے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ''مہراس'' سے ...... جو احد کے اندر ایک چشمہ ہے ...... پانی لے آئے اور آپ ﷺ کو پینے کے لیے پیش کیا۔ آپ نے قدرے ناگوار بو محسوس کی، اس لیے اسے پیا تو نہیں، البتہ اس سے چہرہ دھویا اور سر پر ڈال لیا مگر اس کے سبب زخم سے خون بہنے لگا، جو تھم نہیں رہا تھا۔ لہٰذا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر اس پر راکھ چپکا دی اور خون تھم گیا۔ پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ خوش ذائقہ پانی لے کر آئے جسے آپ نے پیا اور انہیں دعائے خیر دی۔ زخم کے سبب ظہر کی نماز آپ نے بیٹھ کر پڑھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر ہی نماز ادا کی۔

اسی اثنا میں انصار و مہاجرین کی کچھ عورتیں بھی آ پہنچیں، جن میں حضرت عائشہ، ام ایمن، ام سلیم اور ام سلیط رضی اللہ عنہن تھیں۔ یہ پانی سے مشکیزے بھرتیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔

گفتگو اور قرارداد:

جب مشرکین واپسی کے لیے پورے طور پر تیار ہو چکے تو ابوسفیان جبل احد پر نمودار ہوا۔ اور بآواز بلند بولا:

''کیا تم میں محمد ﷺ ہیں؟''

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس نے پھر کہا: ''کیا تم میں ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکر رضی اللہ عنہ) ہیں؟''

پھر کسی نے جواب نہ دیا۔

اس نے پھر کہا: ''کیا تم میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں؟''

پھر کسی نے جواب نہ دیا۔

انہیں نبی ﷺ نے جواب دینے سے منع کر رکھا تھا۔ اب ابوسفیان نے کہا:

''اچھا چلو! ان تینوں سے فرصت ہوئی۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے، بولے:

"او اللہ کے دشمن! جن کا تو نے نام لیا ہے وہ سب زندہ ہیں اور ابھی اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے۔"

ابوسفیان نے کہا:

"تمہارے مقتولین کا مثلہ ہوا ہے، لیکن میں نے نہ اس کا حکم دیا تھا نہ اس کا برا ہی منایا ہے۔" پھر نعرہ لگایا:

"أُعْلُ هُبُلُ" (ہبل بلند ہو)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جواب سکھایا۔ انہوں نے کہا:

((اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ))

"اللہ اعلیٰ اور برتر ہے۔"

ابوسفیان نے پھر نعرہ لگایا:

((لَنَا عُزّٰى وَ لَا عُزّٰى لَكُمْ))

"ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارے لیے عزیٰ نہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جواب سکھایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا:

((اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ))

"اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں۔"

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا:

"کتنا اچھا کارنامہ رہا۔ آج کا دن جنگ بدر کے دن کا بدلہ ہے اور لڑائی ڈول ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"برابر نہیں، ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں۔"

ابوسفیان نے کہا:

"تم لوگ یہی سمجھتے ہو۔ لیکن اگر ایسا ہوا تو ہم خائب و خاسر رہے۔"

پھر ابوسفیان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا:

''عمر میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ ہم نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''واللہ! نہیں۔ اس وقت وہ تمہاری باتیں سن رہے ہیں۔''

ابوسفیان نے کہا:

''تم میرے نزدیک ابن قمہ سے زیادہ سچے اور راست باز ہو۔''

اس کے بعد ابوسفیان نے پکارا:

''آئندہ سال بدر میں پھر لڑنے کا وعدہ ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا:

''کہہ دو ٹھیک ہے۔ اب یہ بات ہمارے اور تمہارے درمیان طے رہی۔''

مشرکین کی واپسی اور مسلمانوں کی طرف سے شہیدوں اور زخمیوں کی خبر گیری:

اس کے بعد ابوسفیان واپس ہو گیا اور مشرکین کے لشکر نے کوچ کا آغاز کر دیا۔ وہ اونٹوں پر سوار تھے اور گھوڑوں کو پہلو میں کر رکھا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ان کا ارادہ مکہ کا ہے۔ یہ مسلمانوں پر محض اللہ کا فضل تھا، کیونکہ مشرکین اور مدینہ کے درمیان کوئی نہ تھا جو انہیں مدینہ میں داخل ہونے سے روکتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے، جو انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے، انہیں پھیر دیا۔

اس کے بعد مسلمان زخمیوں اور شہیدوں کی کھوج خبر لینے کے لیے میدان میں اتر آئے۔ بعض لوگوں نے بعض شہیدوں کو مدینہ منتقل کر دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ انہیں ان کی شہادت گاہوں میں واپس لایا جائے اور سارے شہداء کو غسل اور نماز کے بغیر ان کے کپڑوں ہی کے اندر دفن کر دیا جائے۔ آپ نے دو دو اور تین تین شہیدوں کو ایک ہی قبر کے اندر دفن کیا۔ بسا اوقات دو شہیدوں کو ایک ہی کپڑے کے اندر جمع فرمایا اور درمیان میں اذخر (گھاس) ڈال دی۔ لحد میں اس شخص کو آگے کیا جسے قرآن زیادہ یاد تھا اور فرمایا کہ ''میں ان لوگوں کے بارے میں قیامت کے روز گواہی دوں گا۔''

لوگوں نے حنظلہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی لاش اس حالت میں پائی کہ وہ زمین سے اوپر تھی اور اس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں۔''

ان کا واقعہ یہ تھا کہ انہوں نے ابھی نئی نئی شادی کی تھی اور بیوی کے ساتھ ہی تھے کہ جنگ کی پکار پڑ گئی۔ وہ بیوی کو چھوڑ کر سیدھے میدان جنگ اور پھر حالت جنابت ہی میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ لہٰذا فرشتوں نے انہیں غسل دیا اور اسی لیے وہ ''غسیل الملائکۃ'' (فرشتوں کے غسل دیے ہوئے) کہلاتے ہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اتنی چھوٹی چادر میں دفنایا گیا کہ اگر سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ چنانچہ پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی۔ یہی صورتحال مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آئی۔

جانب مدینہ اور اندرون مدینہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان شہداء کے دفن اور ان کے لیے دعا سے فارغ ہو چکے تو مدینہ کا رخ کیا۔ راستے میں کچھ عورتیں ملیں جن کے اقارب شہید ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ بنو دینار کی ایک خاتون آئی جس کے شوہر، بھائی اور باپ شہید ہو گئے تھے۔ جب اسے ان لوگوں کی شہادت کی خبر دی گئی تو کہنے لگیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا؟''

لوگوں نے کہا:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحمد اللہ، جیسا تم چاہتی ہو، ویسے ہی ہیں۔''

خاتون نے کہا:

''ذرا مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلا دو۔''

لوگوں نے انہیں اشارے سے بتلایا، جب ان کی نظر آپ پر پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھیں:

((كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ))

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔''

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں نے ہنگامی حالت میں رات گزاری، زخم، تکان اور حزن والم نے انہیں چور چور کر رکھا تھا۔ پھر بھی وہ مدینہ کا پہرا دیتے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر تعینات رہے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ اگر وہ مدینہ واپس آنے کی کوشش کرے تو اس سے کھلے میدان ہی میں دو دو ہاتھ کیے جائیں۔

غزوۂ حمراء الاسد:

چنانچہ صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں میں اعلان فرمایا کہ دشمن سے مقابلے کے لیے چلنا ہے اور صرف وہی آدمی چل سکتا ہے جو معرکۂ احد میں موجود تھا۔ لوگوں نے کہا:

((سَمْعًا وَ طَاعَةً))

''ہم نے بات سنی اور مانی۔''

چنانچہ لوگ مدینہ سے چل پڑے اور آٹھ میل دور حمراء الاسد پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

ادھر مشرکین نے مدینہ سے چھتیس میل دور مقام روحاء پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور وہاں سے مدینہ پلٹنے کے لیے صلاح مشورہ شروع کیا۔ انہیں افسوس تھا کہ انہوں نے ایک بہترین موقع ہاتھ سے جانے دیا۔

ادھر معبد بن ابی معبد خزاعی، جو رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہوں میں سے تھا، حمراء الاسد میں آپ کے پاس آیا اور احد کے واقعہ پر آپ سے تعزیت کی۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ابوسفیان سے ملے اور اس کی حوصلہ شکنی کرے۔ معبد روحاء پہنچا۔ اس وقت مشرکین مدینہ واپسی کا فیصلہ کر چکے تھے۔ معبد نے انہیں بری طرح ڈرایا اور کہا:

''محمد (ﷺ) ایسی جمعیت لے کر نکلے ہیں کہ میں نے کبھی ویسی جمعیت دیکھی ہی نہیں، سارے لوگ تمہارے خلاف غصے سے کباب ہوئے جا رہے ہیں اور تم پر اس قدر بھڑکے ہوئے ہیں کہ میں نے کبھی اس کی مثال نہیں دیکھی۔ میرا خیال ہے کہ تم لوگ کوچ کرنے سے پہلے لشکر کا ہراول دستہ اس ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوتا ہوا دیکھ لو گے۔''

یہ سن کر مکی لشکر کے عزائم ڈھیلے پڑ گئے اور ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ ابوسفیان نے صرف جوابی اعصابی جنگ پر اکتفا کیا۔ چنانچہ ایک قافلے کو مکلّف کیا کہ وہ مسلمانوں سے کہے:

إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدْ جَمَعُوا۟ لَكُمْ فَٱخْشَوْهُمْ (آل عمران: ۱۷۳)

''لوگ تمہارے خلاف جمع ہیں، ان سے ڈرو۔''

تاکہ مسلمان اس کا تعاقب نہ کریں اور وہ جلدی سے مکہ کوچ کر گیا۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو یہ دھمکی ان پر کچھ اثر انداز نہ ہوئی۔ بلکہ:

فَزَادَهُمْ إِيمَـٰنًا وَقَالُوا۟ حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ ﴿١٧٣﴾

(آل عمران: ۱۷۳)

''اس نے ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور انہوں نے کہا اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔''

فَٱنقَلَبُوا۟ بِنِعْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوٓءٌ وَٱتَّبَعُوا۟ رِضْوَٰنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٧٤﴾ (آل عمران: ۱۷٤)

''چنانچہ وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹے۔ انہیں کسی برائی نے نہ چھوا۔ انہوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

حادثے اورغزوات

احد میں مسلمانوں کو جوزک اٹھانا پڑی، اس کے اثرات بہر حال اچھے نہ تھے۔ دشمن جری ہو گئے اور کھل کر مدمقابل آ گئے۔ کئی واقعات ایسے پیش آئے جو مسلمانوں کے حق میں بہتر نہ تھے۔ یہاں اہم واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

رجیع کا حادثہ: (صفر ۴ ہجری)

عضل اور قارہ کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ذکر کیا کہ ان کے اندر اسلام کا کچھ چرچا ہے۔ لہٰذا آپ انہیں دین سکھانے اور قرآن پڑھانے کے لیے کچھ لوگوں کو بھیج دیں۔ آپ نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی امارت میں دس صحابہ کو روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ رجیع پہنچے توانہوں نے ان کے ساتھ غداری کی اور قبیلہ ہذیل شاخ بنولحیان کو ان پر چڑھا لائے۔ ان کے تقریباً ایک سو تیراندازوں نے انہیں ایک ٹیلے پر جا گھیرا۔ پھر عہد و پیمان دیا کہ اگر وہ اتر آئیں تو انہیں قتل نہ کریں گے۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے اترنے سے انکار کر دیا اور رفقاء سمیت ان سے جنگ شروع کر دی۔ سات مارے گئے، تین باقی رہے، کفار نے پھر وہی عہد و پیمان دہرایا۔ چنانچہ وہ تینوں اتر آئے، مگر کفار نے غداری کی اور انہیں باندھ لیا۔ اس پر ایک نے کہا: ''یہ پہلی غداری ہے'' اور ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ کفار نے اسے قتل کر دیا اور باقی دو کو مکہ لے جا کر بیچ دیا۔ یہ دونوں خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما تھے۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا تھا۔ لہٰذا انہیں کچھ عرصے تک قید رکھا گیا، پھر

تنعیم لے جا کر قتل کر دیا گیا۔ انہوں نے قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی، پھر ان پر بددعا کی، پھر چند اشعار کہے، جن میں سے دو یہ ہیں:

وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ فِي اللّٰهِ مَصْرَعِي
وَذَالِكَ فِيْ ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَّشَأْ يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

''میں مسلمان مارا جاؤں تو کچھ پروا نہیں کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو پر قتل ہوتا ہوں۔ یہ تو اللہ کی ذات کے لیے ہیں اور اگر وہ چاہے تو بوٹی بوٹی کٹے ہوئے اعضاء کے جوڑ جوڑ میں برکت ڈال دے۔''

اس کے بعد ابوسفیان نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے کہا:

''کیا تمھیں یہ بات پسند آتی ہے کہ (تمہارے بدلے) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس ہوتے، ہم ان کی گردن مارتے اور تم اپنے اہل وعیال میں ہوتے؟''

انہوں نے کہا:

''واللہ! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے اہل وعیال میں ہوتا (اس کے بدلے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں آپ ہیں، وہیں پر کوئی کانٹا چبھ جاتا اور وہ آپ کو تکلیف دیتا۔''

پھر حارث بن عامر کے بیٹے عقبہ نے انہیں اپنے باپ کے بدلے قتل کر دیا۔

باقی رہا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو انہوں نے غزوۂ بدر میں امیہ بن محرث کو قتل کیا تھا۔ لہٰذا انہیں اس کے بیٹے صفوان بن امیہ نے خرید کر اپنے باپ کے بدلے قتل کیا۔ بعض مصادر میں ابوسفیان اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا گفتگو حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔

حادثے کے بعد قریش نے بعض آدمی بھیجے کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم کا کوئی ٹکڑا لائیں لیکن اللہ نے بھڑوں کا جھنڈ بھیج دیا، جنہوں نے ان کی حفاظت فرمائی۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ ان کی زندگی میں نہ انہیں کوئی مشرک چھوئے گا اور نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے۔ اللہ نے وفات کے بعد بھی اس عہد کا پاس رکھا۔

بئر معونہ کا المیہ: (صفر ۴ ہجری)

حادثہ رجیع ہی کے زمانے میں ایک اور المیہ پیش آیا جو رجیع سے بھی زیادہ المناک تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو براء عامر بن مالک جو ''ملاعب الاسنہ'' (نیزوں سے کھیلنے والا) کے لقب سے مشہور تھا، مدینہ خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی، اس نے اسلام تو قبول نہیں کیا، مگر دوری بھی اختیار نہیں کی اور یہ توقع ظاہری کی کہ اگر اہل نجد کے پاس تبلیغ کے لیے آدمی بھیج دیے جائیں تو وہ اسلام قبول کرلیں گے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ میری پناہ میں ہوں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قراء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ستر مبلغین بھیج دیے۔ انہوں نے بئر معونہ پر پڑاؤ ڈالا۔ حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک لے کر اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کے پاس گئے۔ اس نے خط پڑھنے کی بجائے ایک آدمی کو حکم دیا اور اس نے حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے اس طرح نیزہ مارا کہ وہ آر پار ہوگیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔''

پھر فوراً ہی اس اللہ کے دشمن نے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم پر حملے کے لیے بنو عامر کو آواز دی مگر ابو براء کی پناہ کے پیش نظر انہوں نے اس کی آواز پر کان نہ دھرے۔ لہٰذا اس نے بنو سلیم کو آواز دی اور اس کی چند شاخوں، رعل، ذکوان اور عصیہ نے آکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محاصرہ کر لیا۔ سب کو تہ تیغ کر ڈالا، صرف کعب بن زید رضی اللہ عنہ اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بچ رہے۔ کعب بن زید رضی اللہ عنہ زخمی تھے، انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ وہ شہداء کے درمیان سے اٹھا لائے گئے پھر زندہ رہے اور غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ منذر بن عقبہ کے ساتھ اونٹ چرا رہے تھے۔ انہوں نے جائے واردات پر پرندوں کو منڈلاتے دیکھا تو حادثے کی نوعیت سمجھ گئے۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر منذر رضی اللہ عنہ نے لڑتے بھڑتے شہادت حاصل کی اور عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ قید کر لیے گئے۔ جب عامر بن طفیل کو بتایا گیا کہ ان کا تعلق قبیلہ مضر سے ہے تو عامر نے ان کی پیشانی کے بال کٹوا کر اپنی ماں کی طرف سے ...... جس پر ایک گردن آزاد کرنے کی نذر تھی ...... انہیں آزاد کر دیا۔

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ مدینہ پلٹے۔ راستے میں قرقرہ نامی ایک مقام پر پہنچے تو بنوکلاب کے دو آدمی ملے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں دشمن کا آدمی سمجھ کر قتل کر دیا حالانکہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عہد تھا۔ چنانچہ جب مدینہ آ کر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا:

''تم نے ایسے دو آدمی قتل کیے ہیں جن کی دیت مجھے دینا ہوگی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رجیع اور بئر معونہ کے ان حادثات سے سخت رنج والم پہنچا۔ یہ دونوں حادثے ایک ہی مہینے صفر ۴ ہجری میں پیش آئے...... اور کہا جاتا ہے کہ دونوں واقعات کی خبر آپ کو ایک ہی رات میں پہنچی...... آپ نے ان قاتلوں پر تیس روز تک نماز فجر میں بددعا فرمائی، یہاں تک کہ اللہ نے ان شہداء کی طرف سے یہ پیغام نازل کیا کہ:

''ہماری قوم کو ہماری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے تو وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہیں۔''

اس کے بعد آپ نے یہ قنوت ترک فرما دی۔

غزوۂ بنی نضیر: (ربیع الاوّل ۴ ہجری)

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر جب بنوکلاب کے دو آدمیوں کے قتل کی اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے تاکہ وہ معاہدہ کے مطابق ان دونوں مقتولین کی دیت کی ادائیگی میں اعانت کریں۔ انہوں نے کہا:

''ابوالقاسم! ہم ایسا ہی کریں گے۔ آپ یہاں تشریف رکھیے، ہم آپ کی ضرورت پوری کیے دیتے ہیں۔''

چنانچہ آپ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انتظار میں بیٹھ گئے۔ یہود آپس میں اکٹھے ہوئے تو ان پر شیطان سوار ہو گیا۔ انہوں نے کہا:

''کون ہے جو اس چکی کو لے کر اوپر جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر گرا دے؟''

اس پر بدبخت ترین یہودی عمرو بن جحاش اٹھا۔ ادھر حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادے کی خبر کر دی۔ آپ تیزی سے اٹھے اور مدینہ چلے آئے۔ بعد میں

صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ سے آن ملے اور آپ نے انہیں سازش کی اطلاع دی۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہود کے پاس بھیج کر کہلایا کہ مدینہ سے نکل جاؤ، اب میرے ساتھ یہاں نہیں رہ سکتے، تمہیں دس دن کی مہلت ہے۔ اس کے بعد جو پایا جائے گا اس کی گردن ماردی جائے گی۔ اس نوٹس پر یہود نے چند دن تک سفر کی تیاریاں کیں لیکن اسی دوران رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہلا بھیجا کہ ڈٹ جاؤ اور نہ نکلو۔ میرے پاس دو ہزار مردان جنگی ہیں جو تمہارے ساتھ تمہارے قلعوں میں داخل ہوں گے اور تمہاری حفاظت میں جان دے دیں گے:

لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ (الحشر: ١١)

”اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے۔ تمہارے بارے میں ہرگز کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔“

بنو قریظہ اور غطفان بھی تمہاری مدد کریں گے۔ یہ سن کر یہود نے قوت محسوس کی اور رسول اللہ ﷺ کو کہلا بھیجا کہ ”ہم نہیں نکلتے، آپ کو جو کرنا ہو کر لیں۔“

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تکبیر کہی۔ مدینہ کا انتظام حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپ کر اور جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے کر بنو نضیر کے علاقے کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر ان کا محاصرہ کرلیا۔ انہوں نے اپنے قلعوں اور گڑھیوں میں پناہ لی اور اسلامی لشکر پر تیر اور پتھر برسائے۔ چونکہ ان کے کھجور کے درخت اور باغات ان کے لیے سپر کا کام دے رہے تھے اس لیے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں کاٹ اور جلا دیا جائے۔ اس سے ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا۔ چنانچہ چھ روز کے بعد ...... اور کہا جاتا ہے کہ پندرہ روز کے بعد...... انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ وہ مدینہ سے جلاوطن ہو جائیں گے۔ اس موقع پر بنو قریظہ بھی ان سے الگ تھلگ رہے۔ رئیس المنافقین اور ان کے حلیفوں نے بھی خیانت کی:

كَمَثَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَٰنِ ٱكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّى بَرِىٓءٌ مِّنكَ (الحشر:١٦)

”جیسے شیطان انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ میں تم سے بری ہوں۔“

رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دی کہ ہتھیار کے سوا جو ساز و سامان چاہیں، لے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ ان سے جو کچھ ہو سکا لے گئے حتیٰ کہ گھروں کے دروازے، کھڑکیاں کھونٹیاں اور چھتوں کی کڑیاں تک اکھاڑ کر لے گئے۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا:

بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِى ٱلْمُؤْمِنِينَ فَٱعْتَبِرُوا۟ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَبْصَٰرِ ﴿٢﴾
(الحشر:٢)

”وہ اپنے ہاتھوں اور اہل ایمان کے ہاتھوں اپنے گھر برباد کر رہے تھے۔ پس اے اہل بصیرت! عبرت پکڑو۔“

جلاوطنی کے بعد ان کی اکثریت اور بڑے لوگوں نے خیبر میں قیام کیا اور ایک چھوٹا گروہ ملک شام جا رہا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی زمین اور علاقہ خاص مہاجرین اوّلین میں تقسیم فرمایا۔ صرف دو انصاری ابو دجانہ اور سہل بن حنیف کو ان کے فقر کے سبب اس میں سے عطا فرمایا۔ اس کے بعد جو کچھ بچتا تھا اسے جہاد کی تیاری کے لیے، ہتھیار اور گھوڑوں کی فراہمی میں صرف فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے پاس سے پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں بھی پائیں۔

غزوۂ بدر دوم: (شعبان ۴ ہجری)

گزر چکا ہے کہ ابوسفیان نے احد میں اگلے سال جنگ کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ شعبان ۴ ہجری کی آمد پر رسول اللہ ﷺ نے وعدے کے مطابق بدر کا رخ کیا۔ وہاں آٹھ دن ٹھہر کر

ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے۔ آپ کے ساتھ ڈیڑھ ہزار کا لشکر اور دس گھوڑے تھے۔ جھنڈا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا تھا اور مدینہ کا انتظام حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا۔

ادھر ابوسفیان بھی پچاس سوار سمیت دو ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا اور ''مرالظہران'' پہنچ کر مجنہ کے مشہور چشمے پر پڑاؤ ڈالا لیکن شروع ہی سے اس پر رعب طاری تھا۔ چنانچہ یہاں پہنچ کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''جنگ اس وقت موزوں ہوتی ہے جب شادابی اور ہریالی ہو کہ جانور بھی چر سکیں، تم بھی دودھ پی سکو۔ اس وقت خشک سالی ہے۔ لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں، تم لوگ بھی چلے چلو۔''

اس پر پورا لشکر کسی مخالفت کے بغیر واپس ہو گیا۔

مسلمانوں نے بدر میں ٹھہر کر اپنا سامان تجارت بیچا اور ایک درہم کے دو درہم بنائے۔ پھر اس شان سے واپس آئے کہ ہر دشمن پر ان کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور ہر جانب امن و امان قائم ہو چکا تھا۔ چنانچہ ایک سال سے زیادہ گزر گیا اور دشمنوں کو کچھ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اس کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حدود تک امن پھیلانے کا موقع پایا۔ چنانچہ ربیع الاوّل ۵ ہجری میں ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لیے دومۃ الجندل تشریف لے گئے۔ یوں ہر چہار جانب امن کا دور دورہ ہو گیا۔

غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق

(شوال وذیقعدہ ۵ ہجری)

جیسا کہ گزرا رسول اللہ ﷺ نے جو حکیمانہ اقدامات کیے تھے ان کی بدولت ہر طرف امن و امان چھا گیا تھا۔ چنانچہ غزوۂ بنونضیر کے بعد ڈیڑھ دو سال سے زیادہ عرصہ تک کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ ایسا لگتا تھا کہ اب مسلمان اپنے دین کی اشاعت اور اپنے احوال کی اصلاح کے لیے کلیتًا فارغ ہو جائیں گے لیکن یہ یہود تھے...... جنہیں حضرت مسیح علیہ السلام نے سانپ اور سانپوں کی اولاد کہا ہے...... جنہیں گوارا نہ تھا کہ مسلمان چین کا سانس لے سکیں۔ چنانچہ خیبر میں قیام کرنے اور مطمئن ہو جانے کے بعد انہوں نے سازشیں اور پس پردہ حرکتیں شروع کر دیں۔ اہل مدینہ کے خلاف قبائل عرب کا ایک نہایت زبردست لشکر لانے میں کامیاب ہو گئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ یہود خیبر کے بیس سردار اور رہنما قریش کے پاس گئے۔ انہیں مدینہ کے خلاف آمادۂ جنگ کیا اور اپنی مدد کا یقین دلایا۔ قریش اس کے لیے تیار ہو گئے تو یہ لوگ بنوغطفان کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی بات مان لی۔ اس کے بعد دوسرے قبائل میں گھومے اور ان میں سے بھی متعدد قبائل نے جنگ کرنا منظور کر لی۔ اس کے بعد پورے قبائل کو ایک منظّم پلان کے تحت اس طرح حرکت دی کہ سب ایک ہی وقت مدینہ کے اطراف میں پہنچ جائیں۔

شوریٰ اور خندق:

اس اجتماع اور حرکت کی خبر مدینہ پہنچ گئی چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ یہ رائے پسند کی گئی اور اس پر اتفاق ہوگیا۔

چونکہ مدینہ کے مشرق، مغرب اور جنوب تین اطراف میں لاوے کی چٹانیں ہیں، اس لیے صرف شمال کی جہت لشکر کے داخلہ کے لائق ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اسی جانب، حرہ شرقیہ اور غربیہ کے درمیان کا سب سے تنگ مقام منتخب کیا، جو کم وبیش ایک میل ہے۔ یہاں خندق کھود کر دونوں حروں کو ملا دیا۔ مغرب میں خندق پہاڑی کے شمال سے شروع ہوتی تھی اور مشرق میں مقام شیخین کے پاس حرہ شرقیہ کے ایک بڑھے ہوئے سرے سے جا ملتی تھی۔

آپ ﷺ نے ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا کام سونپا اور خود بھی خندق کھودنے اور مٹی ڈھونے میں شریک رہے۔ لوگ رجز پڑھتے اور آپ ﷺ جواب دیتے، آپ ﷺ رجز پڑھتے اور لوگ جواب دیتے تھے۔ لوگوں نے خندق کھودنے میں بڑی مشقتیں برداشت کیں۔ بالخصوص جاڑے کی شدت اور بھوک کی شدت۔ چنانچہ ہتھیلی بھر جو لائے جاتے اور بودیتی ہوئی چکنائی کے ساتھ (کھانا) بنایا جاتا۔ لوگ اسی کو کھا لیتے۔ حالانکہ اس کا حلق سے گزرنا مشکل ہوتا۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں پر ایک ایک پتھر بندھے ہوئے دکھلائے تو آپ نے انہیں اپنے پیٹ پر دو پتھر دکھلائے۔

خندق کی کھدائی کے دوران بعض نشانیاں پیش آئیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی بھوک کی سختی دیکھی تو صبر نہ کر سکے۔ اپنی بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع (تقریباً ڈھائی کلو) جو پیسا۔ پھر انہوں نے خفیہ طور پر رسول اللہ ﷺ کو چند صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت دعوت دی مگر رسول اللہ ﷺ سارے اہل خندق کے ساتھ جن کی تعداد ایک ہزار تھی، چل پڑے۔ پھر سب نے شکم سیر ہو کر کھایا اور پھر بھی ہنڈیا بھری کی بھری ابلتی رہی اور آٹے سے روٹی پکتی رہی۔

اسی طرح نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی بہن اپنے والد اور ماموں کے لیے ہتھیلی بھر کھجور لے کر گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کپڑے کے اوپر بکھیر کر سارے اہل خندق کو دعوت دے دی اور سب کھا کھا کر چلے گئے۔ مگر کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے کناروں سے باہر گری جا رہی تھیں۔

کھدائی کے دوران حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے حصے میں ایک سخت چٹان نما زمین آ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتر کر کدال ماری اور وہ بھربھری ریت میں بدل گئی۔ اسی طرح حضرت براء رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ایک چٹان پیش آ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتر کر بسم اللہ کہا اور کدال سے ایک ضرب لگائی تو ایک ٹکڑا کٹ گیا۔ اس سے ایک روشنی نکلی، آپ نے فرمایا:

''اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں اور اس وقت میں اس کے سرخ محل دیکھ رہا ہوں۔''

اس کے بعد آپ نے دوسری ضرب لگائی اور فتح فارس کی خوش خبری سنائی۔ پھر تیسری ضرب لگائی، فتح یمن کی خوش خبری سنائی اور پوری چٹان کٹ گئی۔

خندق کے آر پار:

ادھر قریش اور ان کے پیروکار چار ہزار کا لشکر لے کر آئے۔ ان کے ساتھ تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ ان کا سالار ابوسفیان تھا اور جھنڈا عثمان بن طلحہ بن ابوطلحہ عبدری نے اٹھا رکھا تھا۔ انہوں نے جرف اور زغابہ کے درمیان رومہ کے مجتمع الاسیال میں پڑاؤ ڈالا۔ دوسری طرف غطفان اور ان کے پیروکار اہل نجد چھ ہزار کا لشکر لے کر آئے۔ احد کے دامن میں وادی نقمی کے آخری سرے پر خیمہ زن ہوئے۔ مدینہ کی دیواروں تک ایسے زبردست لشکر کا پہنچ جانا بڑی سخت آزمائش اور خطرے کا باعث تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ ٱلْأَبْصَـٰرُ وَبَلَغَتِ ٱلْقُلُوبُ ٱلْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِٱللَّهِ

ٱلظُّنُونَا۠ ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ٱبْتُلِيَ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا۟ زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾ (الأحزاب: ١٠-١١)

''جب وہ تمہارے نیچے سے آئے، جب نگاہیں کج ہوگئیں، دل حلق کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت مومنین کو آزمایا گیا اور انہیں شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا۔''

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر مومنین کو ثابت قدم رکھا۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

وَلَمَّا رَءَا ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلْأَحْزَابَ قَالُوا۟ هَٰذَا مَا وَعَدَنَا ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَصَدَقَ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّآ إِيمَٰنًا وَتَسْلِيمًا ﴿٢٢﴾ (الأحزاب: ٢٢)

''اور جب اہل ایمان نے ان جتھوں کو دیکھا تو کہا یہ تو وہی چیز ہے، جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس کی حالت نے ان کے جذبہ ایمان واطاعت کو کچھ اور ہی بڑھا دیا۔''

البتہ منافقین اور بیمار دلوں کا حال یہ ہوا کہ انہوں نے کہا:

مَّا وَعَدَنَا ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾ (الأحزاب: ١٢)

''اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، وہ محض فریب تھا''۔

بہرحال رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، عورتوں اور بچوں کو گڑھیوں میں محفوظ کیا۔ پھر تین ہزار کا لشکر لے کر نکل پڑے اور جبل سلع کو پشت پر کر کے قلعہ بندی کی شکل اختیار کر لی۔ سامنے خندق تھی جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان حائل تھی۔

ادھر مشرکین نے قرار یابی کے بعد تیار ہوکر مدینہ کی طرف پیش قدمی کی۔ جب مسلمانوں کے قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چوڑی سی خندق ان کے اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گئے۔ ابوسفیان نے بے ساختہ کہا:

(تِلْكَ مَكِيْدَةٌ مَا عَرَفَهَا الْعَرَبُ)

''یہ ایسی چال ہے جس کو عرب جانتے ہی نہیں۔''

اب انہوں نے خندق کے گرد غیظ وغضب کے ساتھ چکر کاٹنا شروع کیا، انہیں کسی ایسے نقطے کی تلاش تھی جہاں سے خندق پار کرسکیں۔ لیکن مسلمان ان پر تیر برسا کر انہیں خندق کے قریب نہیں آنے دیتے تھے تاکہ وہ اس میں نہ کود سکیں اور نہ مٹی ڈال کر راستہ بنا سکیں۔

مجبوراً مشرکین کو مدینے کا محاصرہ کرنا پڑا، حالانکہ وہ اس کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے تھے کیونکہ چلتے وقت یہ منصوبہ ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔ لیکن اب بہر حال وہ روزانہ دن میں نکلتے اور خندق عبور کرنے کی کوشش کرتے تھے، جب کہ مسلمان پورے راستے پر ان کے مقابل موجود ہوتے، تیروں اور پتھروں سے ان کا استقبال کرتے۔ مشرکین نے کئی بار بڑی زبردست کوشش کی اور پورا پورا دن اسی میں صرف کردیا۔ لیکن مسلمان بھی دفاع میں ڈٹے رہے، یہاں تک کہ ان کی اور رسول اللہ ﷺ کی کئی کئی نمازیں فوت ہوگئیں اور سورج ڈوبنے کے قریب یا ڈوبنے کے بعد ہی انہیں ادائیگی کا موقع مل سکا۔ اس وقت تک ''نماز خوف'' مشروع نہیں ہوئی تھی۔

ایک روز مشرکین کے شہسواروں کی ایک جماعت نے، جن میں عمرو بن عبد ود، عکرمہ بن ابی جہل، ضرار بن خطاب وغیرہ تھے، ایک تنگ مقام سے خندق پار کرلی۔ ان کے گھوڑے خندق اور سلع کے درمیان چکر کاٹنے لگے۔ ادھر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ چند مسلمانوں کے ہمراہ نکلے اور جس مقام سے انہوں نے خندق پار کی تھی اسے قبضے میں لے کر ان کی واپسی کا راستہ بند کردیا۔ اس پر عمرو بن عبد ود نے مبارزت کے لیے للکارا، وہ بڑا جری اور سفاک تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ کہہ کر اسے بھڑکا دیا اور وہ گھوڑے سے اتر آیا، پھر دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر وار کیے، بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کردیا اور باقی مشرکین بھاگ نکلے۔ وہ اس قدر مرعوب تھے کہ عکرمہ نے بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ چھوڑ دیا اور نوفل بن عبداللہ خندق میں جا گرا، جسے مسلمانوں نے تہ تیغ کردیا۔

اس جنگ میں فریقین کے صرف چند افراد کام آئے یعنی بیس مشرک ہلاک ہوئے اور چھ

مسلمان شہید ہوئے۔

ایک تیر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو لگا جس سے ان کی شہ رگ کٹ گئی۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ اگر قریش کی جنگ کچھ باقی رہ گئی ہو تو اس کے لیے انہیں زندہ رکھے، ورنہ اسی زخم کو ان کی موت کا سبب بنا دے۔ البتہ اپنی دعا میں یہ بھی کہا:

''مجھے موت نہ دینا یہاں تک کہ بنو قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔''

بنو قریظہ کی غداری اور غزوے پر اس کا اثر:

جیسا کہ گزر چکا ہے بنو قریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد میں بندھے ہوئے تھے لیکن اس غزوے کے دوران بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب نے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس آ کر بڑے ڈھنگ سے عہد شکنی پر آمادہ کیا۔ چنانچہ قدرے پس وپیش کے بعد کعب نے عہد توڑ دیا، قریش اور مشرکین کے ساتھ ہو گیا۔

بنو قریظہ مدینہ کے جنوب میں تھے، جب کہ مسلمانوں کا مورچہ شمال میں تھا۔ لہٰذا بنو قریظہ اور مسلمان عورتوں اور بچوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ تھی، انہیں سخت خطرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے مسلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کو دو سو اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین سو آدمی دے کر عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے بھیجا۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مزید چند انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس خبر کی تحقیق کے لیے روانہ کیا۔ یہ لوگ گئے تو یہود کو انتہائی خباثت پر آمادہ پایا۔ انہوں نے علانیہ گالیاں بکیں، دشمنی کی باتیں کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی۔ کہنے لگے:

''اللہ کا رسول کون ......؟ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان کوئی عہد و پیماں نہیں۔''

یہ سن کر وہ لوگ واپس آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اتنا کہا: ''عضل و قارہ۔'' یعنی جس طرح عضل اور قارہ نے اصحاب رجیع کے ساتھ بدعہدی کی تھی، اسی طرح یہود بھی بدعہدی پر تلے ہوئے ہیں۔

لوگوں کو صورت حال سمجھ میں آ گئی اور ان پر سخت خوف طاری ہو گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ زَاغَتِ ٱلْأَبْصَٰرُ وَبَلَغَتِ ٱلْقُلُوبُ ٱلْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِٱللَّهِ ٱلظُّنُونَا۠ ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ٱبْتُلِىَ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا۟ زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾ (الأحزاب: ١٠-١١)

”جب نگاہیں کج ہوگئیں، دل حلق کو آ گئے، تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے، اس وقت مومنوں کی آزمائش کی گئی اور انہیں شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا۔“

اسی موقع پر نفاق نے بھی سر نکالا۔ چنانچہ بعض منافقین نے کہا:

”محمد تو ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ ہم قیصر وکسریٰ کے خزانے کھائیں گے، یہاں یہ حالت ہے کہ قضائے حاجت کے لیے نکلنے میں بھی جان کی خیر نہیں۔“

بعض منافقین نے کہا:

مَّا وَعَدَنَا ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾ (الأحزاب: ١٢)

”ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا تھا، وہ فریب کے سوا کچھ نہیں۔“

ایک اور گروہ نے کہا:

يَٰٓأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَٱرْجِعُوا۟ ﴿١٣﴾ (الأحزاب: ١٣)

”اے اہل یثرب! تمہارے لیے ٹھہرنے کی گنجائش نہیں، لہٰذا واپس چلو“۔

ایک اور فریق نے بھاگنا چاہا اور نبی ﷺ سے اجازت لینے کے لیے یہ حیلہ کیا کہ:

إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ﴿١٣﴾ (الأحزاب: ١٣)

”ہمارے گھر خالی پڑے ہیں، ان کا کوئی نگران نہیں۔“

حالانکہ وہ خالی نہ تھے۔ بہر حال جب بنو قریظہ کی غداری کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ کو رنج وقلق ہوا۔ آپ نے اپنا چہرہ اور سر کپڑے سے ڈھانپ لیا اور دیر تک چت لیٹے رہے۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھے اور مسلمانوں کو فتح ونصرت کی خوش خبری دی۔

پھر آپ ﷺ نے چاہا کہ عیینہ بن حصن کے پاس پیغام بھیج کر مدینہ کے ایک تہائی پھل پر مصالحت کر لیں اور وہ بنو غطفان کو لے کر واپس چلا جائے، لیکن انصار کے دونوں سرداروں سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے اسے منظور نہ کیا اور کہا:

''جب ہم لوگ اور یہ لوگ دونوں شرک پر تھے تب تو یہ لوگ ایک دانے کی بھی طمع نہیں کر سکتے تھے۔ بھلا اب جب کہ اللہ نے ہمیں اسلام سے نوازا ہے اور آپ کے ذریعہ عزت بخشی ہے، ہم انہیں اپنا مال دیں گے؟ واللہ! ہم تو انہیں صرف تلوار دیں گے۔''

اس پر آپ نے ان دونوں کی رائے کو درست قرار دیا۔

احزاب میں پھوٹ اور غزوے کا خاتمہ:

اللہ کے کام بھی نرالے ہیں۔ ابھی حالات اسی سنگین مرحلے سے گزر رہے تھے کہ خدمت نبوی میں نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ ان کا تعلق قبیلہ غطفان سے تھا۔ وہ قریش اور یہود کے دوست تھے۔ انہوں نے عرض کی:

''رسول اللہ ﷺ! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میری قوم کو میرے اسلام کا علم نہیں، لہٰذا آپ مجھے کوئی حکم فرمائیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم فقط ایک آدمی ہو، اس لیے کر ہی کیا سکتے ہو؟ البتہ جس قدر ممکن ہو ان میں پھوٹ ڈالو کیونکہ جنگ تو چال بازی کا نام ہے۔''

اس پر حضرت نعیم رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے ہاں پہنچے۔ انہوں نے دیکھا تو اعزاز و اکرام کیا۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے آپ سے محبت اور خصوصی تعلق خاطر ہے۔ اب میں آپ لوگوں کو ایک بات بتا رہا ہوں، اسے میری طرف سے چھپائے رکھیں۔''

انہوں نے کہا: ''جی ہاں!'' حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

''بنو قینقاع اور بنو نضیر پر جو گزر چکی ہے اسے آپ جانتے ہی ہیں۔ اب آپ

لوگوں نے قریش اور غطفان کا ساتھ دیا ہے، مگر ان کا معاملہ آپ جیسا نہیں ہے، یہ علاقہ آپ کا اپنا علاقہ ہے۔ یہاں آپ کے بال بچے ہیں، عورتیں ہیں اور مال و دولت ہے۔ آپ لوگ یہاں سے کہیں اور نہیں جاسکتے جب کہ ان کا علاقہ، مال ودولت، عورتیں اور بال بچے دور دراز ہیں۔ انہیں موقع ملا تو کوئی قدم اٹھائیں گے، ورنہ اپنے علاقے کی راہ لیں گے اور آپ کو محمد (ﷺ) کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں گے اور وہ جس طرح چاہیں گے انتقام لیں گے۔''

یہ سن کر وہ چونک پڑے اور بولے: ''اب کیا کیا جاسکتا ہے؟''

نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

''جب تک وہ اپنے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر نہ دیں ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونا۔''

انہوں نے کہا: ''آپ نے بہت درست رائے دی۔''

اس کے بعد حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے قریش کا رخ کیا، ان کے سرداروں سے ملاقات کی اور کہا:

''آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے آپ سے محبت وخیر خواہی ہے۔''

انہوں نے کہا: ''جی ہاں!''

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تو میں آپ کو ایک بات بتا رہا ہوں اسے میری جانب سے چھپائے رکھیں۔''

انہوں نے کہا: ''ہم ایسا ہی کریں گے۔''

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

''بات یہ ہے کہ یہود نے محمد (ﷺ) سے جو عہد شکنی کی ہے اس پر وہ نادم ہیں، انہیں یہ ڈر ہے کہ آپ لوگ انہیں محمد (ﷺ) کے رحم وکرم پر چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے۔ لہٰذا انہوں نے محمد (ﷺ) سے یہ مراسلت کی ہے کہ آپ لوگوں سے کچھ یرغمال لے کر ان کے حوالے کر دیں گے، پھر آپ لوگوں کے خلاف ان سے اپنا معاملہ استوار کرلیں گے، محمد ﷺ اس پر راضی ہوگئے ہیں، لہٰذا آپ لوگ چوکنا

رہیں اور اگر وہ آپ سے یرغمال طلب کریں تو ہرگز نہ دیں۔"

اس کے بعد غطفان کے پاس بھی جا کر یہی بات دہرائی اور ان کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔

اس باحکمت تدبیر سے دلوں میں شبہات پیدا ہو گئے اور پھوٹ پڑ گئی۔ چنانچہ ابوسفیان نے بنوقریظہ کے پاس ایک وفد بھیجا کہ کل جنگ کی جائے۔ بنوقریظہ نے کہا: "ایک تو کل ہفتے کا دن ہے اور ہم پر جو عذاب آیا اس دن میں حکم شریعت سے تجاوز کرنے کے سبب آیا۔ دوسرے آپ جب تک ہمیں کچھ یرغمال نہ دیں ہم آپ کے ساتھ جنگ میں شرکت نہیں کریں گے تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے اپنے علاقوں کی راہ لیں۔" اس پر قریش اور غطفان نے کہا: "واللہ! نعیم (رضی اللہ عنہ) نے سچ کہا تھا۔" قریش نے یہود کو کہلوا بھیجا: "ہم آپ کو کوئی یرغمال نہیں دیں گے، آپ لوگ جنگ کے لیے نکل پڑیں۔" اس پر یہود نے کہا: "واللہ! نعیم (رضی اللہ عنہ) نے سچ کہا تھا۔" اس طرح فریقین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی۔

اس دوران مسلمان یہ دعا کر رہے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَّوْعَاتِنَا))

"اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے مامون کر دے۔"

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے دعا فرمائی:

((اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ))

"اے اللہ! کتاب اتارنے والے، جلد حساب لینے والے ان لشکروں کو شکست دے دے۔ اے اللہ! انہیں شکست دے دے اور جھنجھوڑ کر رکھ دے۔"

اللہ نے دعا قبول کی اور مشرکین پر تند ہوائیں اور فرشتوں کا لشکر بھیج دیا، جس نے ان کو ہلا ڈالا، ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، ان کی ہانڈیاں الٹ دیں، ان کے خیمے اکھیڑ دیے اور کڑکڑاتی سردی نے الگ مار ماری۔ ان کی کوئی چیز اپنی جگہ نہ رہ سکی۔ چنانچہ انہوں نے کوچ

کی تیاری شروع کر دی۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر لانے کے لیے بھیجا، وہ کفار کے محاذ کے اندر تک گئے اور واپس آئے اور انہیں قطعاً سردی نہ لگی۔ بلکہ انہیں ایسا محسوس ہوا کہ گرم پانی کے حمام میں ہیں۔ انہوں نے واپس آ کر (دشمن) قوم کی واپسی کی اطلاع دی اور سو گئے۔ صبح ہوئی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ کفار کی طرف کا میدان جنگ صاف ہے۔ اللہ نے کفار کو کسی خیر کے بغیر غیظ وغضب سمیت واپس کر دیا تھا، ان سے جنگ کے لیے تنہا کافی ہوا اور اللہ قوی وعزیز ہے۔

اس غزوے کی ابتداء شوال ۵ ہجری میں اور انتہا ایک مہینے بعد ذی قعدہ میں ہوئی۔ یہ مدینہ پر ضرب لگانے، اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لیے اعدائے اسلام کی سب سے بڑی کوشش تھی لیکن اللہ نے انہیں نامراد کیا اور ان کی سازش ناکام بنا دی۔ ان طاقتوں کے مجموعی طور پر ناکام ہونے کے معنی یہ تھے کہ اب چھوٹے چھوٹے متفرق گروہ مدینہ کا رخ کرنے کی ہمت بدرجہ اولیٰ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اس کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

((اَلْآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَا نَحْنُ نَسِيْرُ إِلَيْهِمْ))

”اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہیں کریں گے، اب ہمارا لشکر ان کی طرف جائے گا۔“

غزوۂ بنوقریظہ

(ذی قعدہ ۵ ہجری)

رسول اللہ ﷺ غزوۂ خندق سے واپس آنے کے بعد ابھی ہتھیار اور کپڑے اتار کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں غسل فرما ہی رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور بنوقریظہ کی طرف نکلنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"میں آگے آگے جا رہا ہوں، ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا، ان کے دلوں میں رعب ڈالوں گا۔"

وہ یہ کہہ کر فرشتوں کے جلو میں روانہ ہو گئے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں منادی کرائی کہ "جو شخص سمع وطاعت پر قائم ہے وہ عصر کی نماز بنوقریظہ ہی میں پڑھے" اس کے بعد مدینے کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ کا پھریرا دے کر ایک جماعت کے ساتھ آگے روانہ فرما دیا۔ بنوقریظہ نے انہیں دیکھا تو رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی اور خوب ہرزہ سرائی کی۔ ادھر اعلان سن کر مسلمان بھی جھٹ پٹ تیار ہوئے اور نکلے، بعض لوگ ابھی راستے ہی میں تھے کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے وہیں نماز پڑھ لی اور کچھ لوگوں نے بنوقریظہ پہنچنے تک مؤخر کی۔ رسول اللہ ﷺ بھی مہاجرین وانصار کے جلو میں نکلے اور بنوقریظہ کے "انا" نامی ایک کنویں پر نزول فرمایا۔

اللہ نے بنو قریظہ کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند ہو گئے۔ انہیں لڑائی کی جرأت نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے سختی سے محاصرہ جاری رکھا۔ یہود نے جب دیکھا کہ محاصرہ طول پکڑ رہا ہے تو چاہا کہ اپنے بعض مسلمان حلیفوں سے مشورہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ وہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیں، تاکہ ان سے مشورہ کر لیا جائے۔ آپ نے ابولبابہ کو بھیج دیا۔ انہیں دیکھ کر مرد حضرات ان کی طرف دوڑ پڑے اور عورتیں اور بچے ان کے سامنے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر ابولبابہ رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہو گئی۔ یہود نے کہا:

"کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم محمد (ﷺ) کے فیصلے پر ہتھیار ڈال دیں۔"

انہوں نے کہا: "ہاں!" اور ساتھ ہی ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ ذبح کر دیے جاؤ گے۔ لیکن انہیں فوراً احساس ہوا کہ اشارہ کر کے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ وہ سیدھے مسجد نبوی پہنچے، اپنے آپ کو اس کے ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ اب انہیں رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے کھولیں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر وہ میرے پاس آ گئے ہوتے تو میں ان کے لیے دعائے مغفرت کر دیتا۔ لیکن جب وہ وہی کام کر بیٹھے ہیں تو اب ہم بھی انہیں چھوڑے رکھیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کے بارے میں فیصلہ فرمائے۔"

ادھر طول محاصرہ کے ساتھ ہی بنو قریظہ کے حوصلے ٹوٹ گئے، چنانچہ پچیس روز کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا کہ آپ جو فیصلہ مناسب سمجھیں کریں۔ آپ نے مردوں کو باندھ لیا اور عورتوں اور بچوں کو علیحدہ کر لیا۔ قبیلہ اوس کے لوگ عرض پرداز ہوئے کہ "ہمارے ان حلفاء پر احسان فرمائیں، جس طرح خزرج کے حلفاء بنو قینقاع پر احسان فرمایا تھا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ ان کے متعلق آپ ہی کا ایک آدمی فیصلہ کرے۔" انہوں نے کہا: "کیوں نہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "تو یہ معاملہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے ہے۔" اوس کے لوگوں نے کہا: "ہم اس پر

راضی ہیں۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو غزوۂ خندق میں جو زخم لگا تھا اس کی وجہ سے وہ مدینہ میں تھے۔ انہیں گدھے پر سوار کر کے لایا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے سردار کی جانب اٹھو۔" چنانچہ لوگ اٹھ کر ان کے استقبال کو گئے اور انہیں دونوں طرف سے گھیر لیا۔ کہنے لگے: "سعد! اپنے حلیفوں کے بارے حسن سلوک کیجیے گا۔" حضرت سعد رضی اللہ عنہ خاموش تھے، کچھ جواب نہیں دے رہے تھے۔ جب لوگوں نے گزارش کی بھرمار کر دی تو بولے:

"اب وقت آ گیا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ ہو۔"

یہ سن کر بعض لوگ وہیں سے مدینہ پلٹ آئے اور قیدیوں کی موت کا اعلان کر دیا۔

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ اتر چکے اور انہیں بتلا دیا گیا کہ بنو قریظہ ان کی ثالثی پر راضی ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا: "مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور اموال تقسیم کر دیے جائیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔"

یہ فیصلہ یہودی شریعت کے بھی مطابق تھا، بلکہ ان کی شریعت کے فیصلے سے زیادہ رحم و رفق پر مبنی تھا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کے بعد بنو قریظہ کو مدینہ لایا گیا اور بنو نجار کی ایک عورت ...... جو حارث کی صاحبزادی تھیں ...... کے گھر میں قید کر دیا گیا، مدینہ کے بازار میں خندقیں کھودیں گئیں، پھر انہیں ایک ایک جماعت کر کے لے جایا گیا اور ان خندقوں میں ان کی گردنیں ماری گئیں۔ ان کی تعداد چار سو اور کہا جاتا ہے کہ چھ سو اور سات سو کے درمیان تھی۔

انہی کے ساتھ بنونضیر کا سردار حیی بن اخطب بھی مارا گیا۔ یہ یہود کے ان بیس سرداروں میں سے ایک تھا جنہوں نے قریش اور غطفان کو غزوۂ احزاب کے لیے تیار کیا تھا، پھر بنوقریظہ کے پاس آ کر انہیں عہد شکنی پر ورغلایا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے مسلمانوں کی زندگی کے مشکل ترین اوقات میں ان کے ساتھ غداری کی تھی اور غداری کرتے وقت حیی بن اخطب سے یہ شرط لگائی تھی کہ یہ بھی ان کے ساتھ رہے گا۔ جو حشر ان کا ہوگا وہی اس کا بھی ہوگا۔ چنانچہ محاصرے اور ہتھیار ڈالنے کے دوران یہ بھی ان کے ساتھ رہا اور بالآخر قتل کر دیا گیا۔

بنوقریظہ کے چند افراد ہتھیار ڈالنے سے پہلے مسلمان ہوگئے تھے، ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ بعض لوگوں کو ہبہ کر والیا گیا تھا، انہیں بھی چھوڑ دیا گیا اور وہ مسلمان ہوگئے۔ ان کی ایک عورت بھی قتل کی گئی کیونکہ اس نے چکی پھینک کر حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا۔ ہتھیار اور اموال جمع کیے گئے تو ڈیڑھ ہزار تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار نیزے، پانچ سو ڈھال، بہت سا سامان، بہت سے برتن، اونٹ اور بکریاں جمع ہوئیں۔ آپ نے کھجوروں (درخت) اور قیدیوں سمیت ان سب کا خمس نکال کر بقیہ مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ جو پیدل تھا اسے ایک حصہ اور جو شہسوار تھا اسے تین حصے دیا۔ ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔

قیدیوں کو نجد بھیج کر ان کے بدلے ہتھیار خریدے گئے۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے حضرت ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ کو اپنے لیے منتخب کیا۔ پھر کہا جاتا ہے کہ انہیں اپنی ملکیت میں رکھا...... اور کہا جاتا ہے کہ انہیں آزاد کر کے شادی کر لی۔ حجۃ الوداع کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

جب بنوقریظہ کا کام تمام ہو چکا تو بندۂ صالح حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہوگئی۔ وہ مسجد نبوی کے ایک خیمے میں تھے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہی سے ان کی عیادت کرلیا کریں۔ ان کے اوپر سے ایک بکری گزر گئی جس سے زخم ٹوٹ کے سینے کے پاس سے بہہ پڑا اور اس قدر خون نکلا کہ ان کی وفات واقع ہوگئی۔ ان کا جنازہ مسلمانوں کے ساتھ فرشتوں نے

بھی اٹھایا اور ان کی موت پر رحمان کا عرش کانپ اٹھا۔

ادھر ابولبابہ رضی اللہ عنہ پر چھ راتیں گزر چکی تھیں۔ نماز کے لیے ان کی بیوی انہیں کھول دیتی تھیں، اس کے بعد وہ پلٹ کر پھر اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیتے تھے۔ اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں ان کی توبہ نازل ہوئی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بشارت دی تو لوگ انہیں کھولنے کے لیے دوڑ پڑے مگر انہوں نے انکار کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ انہیں کوئی اور نہیں کھولے گا۔ چنانچہ نبی ﷺ نماز فجر کے لیے نکلے تو انہیں کھول دیا۔

غزوۂ بنو قریظہ کے بعد مسلمانوں کو مزید کئی عسکری کارروائیاں انجام دینا پڑیں، ان میں اہم کارروائیاں حسب ذیل ہیں:

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کا قتل (ذی الحجہ ۵ ہجری):

یہ شخص حجاز کا تاجر اور یہود خیبر کا رئیس تھا۔ نیز ان کبار مجرمین میں سے ایک تھا جنہوں نے اہل مدینہ کے خلاف جماعتوں کو ورغلانے اور لانے کا کام کیا تھا، چنانچہ جب مسلمان احزاب اور قریظہ سے فارغ ہو چکے تو خزرج کے پانچ آدمی اس شخص کا قتل کرنے کے لیے تیار ہوئے تا کہ کعب بن اشرف کو قتل کر کے اوس نے جیسا شرف حاصل کیا تھا ویسا ہی شرف یہ لوگ بھی حاصل کر لیں۔

پھر یہ لوگ خیبر کے اطراف میں واقع اس کے قلعہ کے پاس پہنچے۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ ان کے قائد عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں جاتا ہوں اور دروازے کے پہرے دار کے ساتھ کوئی لطیف حیلہ اختیار کرتا ہوں، ممکن ہے اندر داخل ہو جاؤں۔"

اس کے بعد وہ تشریف لے گئے اور دروازے کے قریب جا کر سر پر کپڑا ڈال کر یوں بیٹھ گئے گویا قضائے حاجت کر رہے ہیں۔ پہرے دار نے زور سے پکار کر کہا:

"او اللہ کے بندے! اگر اندر آنا ہے تو آ جا ورنہ میں دروازہ بند کرنے جا رہا ہوں۔"

عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوگئے اور چھپ گئے۔ جب لوگ سوگئے تو انہوں نے کنجیاں لیں اور دروازہ کھول دیا تاکہ بوقت ضرورت بھاگنے میں آسانی ہو۔ اس کے بعد انہوں نے ابو رافع کے حجرے کا رخ کیا۔ ادھر جاتے ہوئے جو دروازہ کھولتے اسے اندر سے بند کر لیتے، تاکہ لوگوں کو، اگر ان کا پتہ لگ بھی جائے تو لوگوں کے پہنچنے سے پہلے وہ ابو رافع کو قتل کرلیں۔ جب اس کے حجرے میں پہنچے تو وہ اپنے بال بچوں کے درمیان تاریکی میں سو رہا تھا اور پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ لہٰذا انہوں نے آپ آواز دی: ''ابو رافع!'' اس نے کہا: ''کون ہے؟'' انہوں نے آواز کا رخ کیا اور تلوار کی ایک ضرب لگائی، لیکن چونکہ وہ لڑکھڑائے ہوئے تھے اس لیے کاری ضرب نہ لگی اور ابو رافع نے زور کی چیخ ماری۔ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ جھٹ باہر نکل گئے اور آواز بدل کر آئے، گویا مدد کرنے آئے ہیں۔ کہا: ''ابو رافع! یہ کیسی آواز تھی؟'' اس نے کہا:

''تیری ماں برباد ہو! ایک آدمی نے ابھی مجھے اس کمرے میں تلوار ماری ہے۔''

اب انہوں نے دوبارہ اس آواز کا رخ کیا اور تلوار کی ایسی زوردار ضرب لگائی کہ خون میں لت پت ہوگیا لیکن اب بھی قتل نہ ہوسکا۔ اس لیے انہوں نے اس کے پیٹ پر تلوار رکھ کر دبا دی اور وہ پیٹھ تک جا رہی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک ایک دروازہ کھولا اور باہر نکلے۔ چاندنی رات تھی اور ان کی نگاہ کمزور تھی، انہوں نے سمجھا زمین تک پہنچ چکے ہیں۔ پاؤں بڑھایا تو سیڑھی سے نیچے آرہے اور پاؤں میں چوٹ آگئی۔ انہوں نے پگڑی سے پاؤں باندھا اور دروازے کے پاس چھپ رہے۔ جب مرغ نے آواز دی تو ایک آدمی نے قلعہ کی دیوار پر کھڑے ہو کر اعلان کیا:

''میں اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کی اطلاع دیتا ہوں۔''

عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ وہ مر چکا ہے۔ لہٰذا اپنے ساتھیوں کے پاس آگئے اور سب نے مدینہ کی راہ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاؤں پر دست مبارک پھیرا اور ایسا لگا کہ گویا کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہیں۔

سید یمامہ ثمامہ بن اثال کی گرفتاری (محرم ٦ ہجری):

ثمامہ بن اثال نبی ﷺ اور آپ کے دین اسلام کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ محرم ٦ ہجری میں مسیلمہ کذاب کے حکم سے بھیس بدل کر نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے نکلے۔ ادھر نبی ﷺ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کے ساتھ ضریہ کے اطراف میں...... جو بصرہ کے راستہ میں مدینہ سے سات رات کے فاصلے پر واقع ہے...... بنی بکر بن کلاب کی تادیب کے لیے بھیجا تھا۔ سواروں نے واپس آتے ہوئے راستہ میں ثمامہ کو پالیا، چنانچہ انہیں گرفتار کر کے مدینہ لے آئے اور مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ نبی ﷺ وہاں سے گزرے تو فرمایا:

''ثمامہ تمہارے نزدیک کیا ہے؟''

انہوں نے کہا:

''اے محمد ﷺ! میرے نزدیک خیر ہے۔ اگر قتل کرو تو ایک خون والے کو قتل کرو گے، احسان کرو گے تو ایک قدر دان پر احسان کرو گے۔ اگر مال چاہتے ہو تو مانگو، جو چاہو گے دیا جائے گا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں اسی حال میں چھوڑ دیا۔ دوسرے دن پھر گزرے اور پھر یہی گفتگو ہوئی۔ پھر تیسرے دن بھی یہی سوال وجواب ہوا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''ثمامہ کو چھوڑ دو۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں چھوڑ دیا۔ انہوں نے غسل کیا اور مسلمان ہو گئے۔ پھر کہا:

''واللہ! روئے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپ ﷺ کے چہرے سے زیادہ قابل نفرت نہیں تھا لیکن اب آپ کا چہرہ میرے نزدیک دوسرے تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ واللہ! روئے زمین پر کوئی دین میرے نزدیک آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ مگر آپ کا دین میرے نزدیک دوسرے تمام ادیان سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔''

پھر واپسی میں حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ گئے تو قریش نے انہیں اسلام لانے پر

ملامت کی۔ انہوں نے کہا:

"واللہ تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہ آئے گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کی اجازت نہ دے دیں۔"

چنانچہ واپسی کے بعد انہوں نے اہل مکہ کے لیے گیہوں بیچنے کی ممانعت کردی، جس سے وہ مشکل میں پڑ گئے حتیٰ کہ نبی ﷺ کو قرابت کا واسطہ دے کر لکھا کہ آپ ثمامہ کو لکھ دیں وہ گیہوں بیچنے کی اجازت دے دیں۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

غزوۂ بنی لحیان (ربیع الاوّل ۶ ہجری):

بنولحیان وہی ہیں جنہوں نے رجیع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتل کیا تھا۔ یہ حجاز کے بہت اندر عسفان کی حدود میں میں آباد تھے۔ اس لیے نبی ﷺ نے ان سے نبٹنے میں قدرے تاخیر کی۔ جب کفار کے مختلف گروہوں میں پھوٹ پڑگئی، آپ دشمنوں سے کسی قدر مطمئن ہو گئے تو آپ نے مدینہ کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپ کر دو سو صحابہ اور بیس گھوڑوں کے ساتھ ربیع الاوّل ۶ ہجری میں بنولحیان کا رخ کیا۔ یلغار کرتے ہوئے "بطن غران" تک جا پہنچے۔ یہ امج اور عسفان کے درمیان ایک وادی ہے اور یہیں آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا تھا۔ آپ نے ان کے لیے دعائے رحمت کی اور دوروز یہیں قیام فرمایا۔ ادھر بنولحیان کو خبر ہوگئی اور وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر بھاگ نکلے، ان کا کوئی آدمی ہاتھ نہ آسکا۔ آپ نے عسفان کا قصد کیا اور وہاں سے دس سواروں کا دستہ آگے بھیجا تا کہ قریش ان کی آمد کا حال سن کر مرعوب ہو جائیں۔ اس دستے نے کراع الغمیم تک چکر لگایا، اس کے بعد آپ کُل چودہ دن مدینہ سے باہر گزار کر مدینہ واپس آ گئے۔

سریہ عیص اور حضرت ابوالعاص (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر) کا قبول اسلام:

جمادی الاولیٰ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو ستر سواروں کے ساتھ عیص کی جانب روانہ کیا۔ مقصد شام سے آنے والے ایک قریشی قافلے کو پکڑنا تھا۔ جس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر

ابوالعاص بن ربیع تھے۔ مسلمانوں نے اس قافلے کو تمام لوگوں سمیت گرفتار کرلیا۔ البتہ ابوالعاص ہاتھ نہ آئے لیکن وہ سیدھے مدینہ پہنچے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ لی۔ ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ آپ قافلے کا مال واپس کردیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹی بڑی، تھوڑی، زیادہ ہر چیز واپس کردی۔

ابوالعاص تجارت، مال اور امانت میں مکہ کے چند گنے چنے لوگوں میں سے تھے۔ وہ مکہ گئے، امانتیں اہل امانت کو ادا کیں، پھر مسلمان ہوگئے اور ہجرت کرکے مدینہ آگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے ہی نکاح سے ان پر واپس کردیا۔ یہ واپسی تین سال سے کچھ زیادہ عرصے کی جدائی کے بعد ہوئی۔ چونکہ کفار پر مسلمان عورتوں کی حرمت کی آیت ابھی نازل نہیں ہوئی تھی، اس لیے نکاح برقرار تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوران مزید کئی ''سرایا'' بھی بھیجے، جن کا دشمن کی سرکشی توڑنے، ان کے شر کی آگ بجھانے اور دور دراز علاقوں تک امن وامان پھیلانے میں بڑا اثر تھا۔ پھر آپ کے پاس کچھ اس طرح کی خبریں آئیں کہ آپ غزوۂ بنوالمصطلق کے لیے تشریف لے گئے۔

غزوہ بنوالمصطلق یا غزوۂ مریسیع

(شعبان ۵ ہجری یا ۶ ہجری)

''بنوالمصطلق'' قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ ہے، قبیلہ خزاعہ کے لوگ عام طور پر رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے، مگر یہ شاخ قریش کی طرف دار تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ آپ سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ نے اس کی خبر کی تحقیق کے لیے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان سے معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے، لہٰذا آپ نے مدینہ کا انتظام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ......اور کہا جاتا ہے کہ کسی اور کو .... سونپا اور بنوالمصطلق کی طرف یلغار کرتے ہوئے نکلے تا کہ بالکل اچانک ان پر ٹوٹ پڑیں۔ آپ کے ساتھ سات سو صحابہ تھے اور بنوالمصطلق اس وقت قدید کے اطراف میں ساحل کے قریب مریسیع نامی ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ آپ نے اس حال میں چھاپہ مارا کہ وہ غافل تھے۔ بعض کو قتل کیا، عورتوں بچوں کو قید کیا اور مال مویشی پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت شعبان ۵ ہجری...... اور کہا جاتا ہے کہ ۶ ہجری ...... کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔ قیدیوں میں بنوالمصطلق کے رئیس حارث بن ضرار کی صاحبزادی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ مدینہ آکر ان کے اسلام لانے پر نبی ﷺ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ اس پر صحابہ نے بنوالمصطلق کے ایک سو گھرانے جو مسلمان ہو چکے تھے آزاد کر دیے اور کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سسرال کے لوگ ہیں۔ لہٰذا حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لیے نہایت عظیم برکت والی خاتون ثابت ہوئیں۔

یہ ہے غزوہ بنو المصطلق کی مختصر روداد، اس میں کوئی ندرت نہیں...... لیکن اس غزوے کے دوران دو تکلیف دہ حادثے پیش آئے، جنہیں منافقین نے اسلامی معاشرے بلکہ نبوی گھرانے تک کے اندر فتنہ و اضطراب بھڑکانے کے لیے استعمال کیا۔ لہٰذا تھوڑی سی روداد ان کی بھی دی جاتی ہے۔

۱۔ پہلا حادثہ...... عزت والا کون؟:

رأس المنافقین (عبداللہ بن ابی) کا یہ قول کہ:

''مدینہ پلٹ کر عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔''

اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک مہاجرین کے حلیف اور ایک انصار کے حلیف میں مریسیع کے چشمہ پر ٹکراؤ ہو گیا۔ مہاجر نے انصاری کے سر پر لکڑی دے ماری۔ انصاری نے آواز لگائی:

"یا للانصار" (ہائے انصار کے لوگو!)

اس پر مہاجر نے آواز لگائی:

"یاللمھاجرین" (ہائے مہاجرو!)

یہ آوازیں سن کر طرفین کے کچھ لوگ جمع ہو گئے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے سبقت کی اور فرمایا:

''میں تمہارے اندر موجود ہوں اور جاہلیت کی پکار پکاری جارہی ہے؟ اسے چھوڑ دو، یہ بدبودار ہے۔''

چنانچہ لوگ اپنے رشد کی طرف پلٹ آئے اور واپس ہو گئے۔

اس غزوے میں منافقین کی ایک جماعت بھی ہمراہ تھی، جو اس سے پہلے نہیں نکلی تھی، ان کے ساتھ ان کا رئیس عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ اسے خبر ہوئی تو غصے سے بھڑک اٹھا۔ کہنے لگا:

''اچھا تو انہوں نے یہ حرکت کی ہے، یہ ہمارے ہی علاقے میں ہمارے حریف اور مدمقابل ہو گئے۔ ہماری اور قریش کے ان کنگلوں کی مثال تو وہی ٹھہری جو پہلوں نے کہی ہے کہ اپنے کتے کو پال پوس کر موٹا کرو اور وہ تم ہی کو کاٹ کھائے۔ سنو! واللہ! اب ہم مدینہ واپس ہوئے تو ہم میں سے عزت والا، ذلت والے کو نکال باہر

کرے گا۔"

عزت والے سے مراد اس نے اپنے آپ کو لیا اور ذلت والے سے رسول اللہ ﷺ کو (العیاذ باللہ)۔ اس کے لیے فتنوں کی تدبیریں کرنے لگا، حتیٰ کہ اپنے رفقاء سے کہا:

"یہ مصیبت تم نے اپنے گلے منڈھ لی ہے، انہیں اپنے شہر میں اتارا اور اپنے اموال بانٹ کر دیے۔ سنو واللہ! اگر تم لوگ ان سے اپنے ہاتھ روک لو تو یہ تمہارا شہر چھوڑ کر کہیں اور چلتے بنیں گے۔"

جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں، ایک مضبوط ایمان کے نوجوان حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ اس ہرزہ سرائی پر صبر نہ کر سکے اور رسول اللہ ﷺ کو اطلاع کر دی۔ آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے جو آپ کو معلوم ہوئی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ منافقین نازل کی اور اسے قیامت تک کے لیے رسوا کر دیا۔

اس منافق کے صاحبزادے جن کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا، خالص مومن تھے، انہیں علم ہوا تو تلوار سونت کر مدینہ کی گزرگاہ پر کھڑے ہو گئے اور اپنے باپ رأس المنافقین سے کہا:

"واللہ! جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دیں تم یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے، کیونکہ وہ عزیز ہیں اور تم ذلیل ہو۔"

رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے کہلوا بھیجا کہ اجازت دے دو۔ چنانچہ انہوں نے راستہ چھوڑ دیا اور اس حکمت سے یہ فتنہ فرو ہوا۔

دوسرا حادثہ...... واقعۂ افک:

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے اسی غزوہ سے واپسی میں مدینہ کے قریب ایک جگہ پڑاؤ ڈالا پھر رات ہی میں کوچ کا اعلان کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ہمراہ تھیں، وہ ضرورت کے لیے نکلیں اور واپس آ کر سینہ ٹٹولا تو ہار غائب تھا۔ لہٰذا جہاں غائب ہوا تھا وہیں تلاش کرنے واپس گئیں اور پا بھی لیا لیکن اس دوران لشکر کوچ کر گیا اور آپ کا ہودج بھی یہ سمجھتے ہوئے اونٹ پر لاد دیا کہ آپ اس میں موجود ہیں۔ چونکہ ہودج اٹھانے والی ایک

جماعت تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی ہلکی پھلکی تھیں، اس لیے ہودج کے ہلکے پن پر یہ لوگ نہ چونکے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا، لہٰذا وہ وہیں بیٹھ گئیں کہ لوگ انہیں نہ پائیں گے تو پلٹ کر وہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ پھر ان کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گئیں۔

ادھر ایک صحابی حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ جو لشکر کے پیچھے رہتے تھے تاکہ لشکر کی گری ہوئی چیز ملے تو اسے اٹھالیں۔ وہ مزید آگے بڑھے تو ایک سوئے ہوئے انسان کا ڈھانچہ دیکھا، قریب پہنچے تو پہچان گئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں کیونکہ وہ پردے کا حکم آنے سے پہلے انہیں دیکھ چکے تھے۔ دیکھ کر کہا:

''انا للہ وانا الیہ راجعون، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی؟''

اس کے سوا کچھ نہ کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی آواز سن کر بیدار ہوگئیں اور دوپٹے سے چہرہ ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے سواری قریب کر کے بٹھائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہوگئیں۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سواری کی نکیل تھامے آگے آگے پیدل چلتے ہوئے لشکر میں آگئے۔ یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اور لشکر پڑاؤ ڈال چکا تھا۔

یہ دیکھ کر اللہ کے دشمن عبداللہ بن ابی کو نفاق وحسد کے کرب سے ٹھنڈی سانس لینے کا موقع ملا۔ اس نے جھوٹ اور بہتان کے طور پر دونوں کے خلاف بدکاری کی تہمت تراشی، پھر اس میں رنگ بھرنا، پھیلانا، بڑھانا اور ادھیڑنا بننا شروع کیا۔ اس کے ساتھی بھی اس کو بنیاد بنا کر اس کا تقرب حاصل کرنے لگے۔ جب مدینہ آئے تو اس کا خوب خوب پروپیگنڈہ کیا، یہاں تک کہ متعدد اہل ایمان بھی دھوکے میں آگئے۔

ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ آکر بیمار پڑ گئیں اور بیماری نے تقریباً ایک مہینہ طول پکڑا۔ اب مدینہ تو تہمت تراشوں کے پروپیگنڈہ سے موج مار رہا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ خبر نہ تھی۔ انہیں صرف یہ بات کھٹکتی تھی کہ وہ اپنی بیماری کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو لطف و کرم دیکھا کرتی تھیں، وہ اب کی بار نہیں دیکھ رہی تھیں۔ آپ آکر سلام کرتے اور یہ پوچھ کر واپس ہو جاتے کہ یہ کیسی ہیں؟ بیٹھتے نہ تھے۔

پھر اس پورے عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، کوئی بات نہ کی لیکن جب لمبے عرصے

تک وحی نہ آئی تو آپ نے اپنے خاص اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اشاروں اشاروں میں مشورہ دیا کہ انہیں علیحدہ کر دیں۔ لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ''انہیں برقرار رکھیں، وہ کھرا سونا ہیں۔'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہوکر اس شخص سے نجات دلانے کی طرف توجہ دلائی جس کی ایذا رسانیاں آپ کے اہل خانہ تک کے بارے میں پہنچ چکی ہیں۔ اشارہ عبداللہ بن ابی کی طرف تھا۔ اس پر اوس کے سردار نے رغبت ظاہر کی کہ اسے قتل کر دیں لیکن خزرج کے سردار پر حمیت غالب آ گئی کیونکہ عبداللہ بن ابی اسی قبیلے سے تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں قبیلے بھڑک اٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مشکل سے خاموش کیا۔

ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیماری سے اٹھ چکیں تو رات میں قضائے حاجت کے لیے نکلیں، ساتھ میں ام مسطح رضی اللہ عنہا بھی تھیں، وہ چادر میں پھسلیں تو اپنے بیٹے مسطح کو بددعا دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ٹوکا تو انہوں نے سارا قصہ کہہ سنایا اور بتلایا کہ ان کا بیٹا مسطح بھی یہی بات کہتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی اور اپنے والدین کے پاس چلی گئیں۔ جب یقینی طور سے بات کا علم ہوگیا تو رونے لگیں اور خوب خوب روئیں۔ دو رات اور ایک دن روتے روتے گزر گیا۔ اس دوران نہ نیند کا سرمہ لگایا نہ آنسوؤں کی جھڑی رکی۔ انہیں اور ان کے والدین کو محسوس ہوتا تھا کہ روتے روتے کلیجہ شق ہو جائے گا۔

دوسری رات کی صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، بیٹھ کر خطبہ پڑھا پھر فرمایا:

> ''امابعد! عائشہ! مجھے تمہارے متعلق ایسی اور ایسی بات معلوم ہوئی ہے۔ اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تمہاری براءت ظاہر کر دے گا اور اگر تم نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ سے مغفرت مانگو اور توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر کے اللہ سے توبہ کرتا ہے، تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔''

اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آنسو تھم گئے اور انہوں نے والدین سے کہا کہ ''جواب دیں۔'' مگر انہیں سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہیں۔ لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی کہا:

''واللہ! میں جانتی ہوں کہ یہ بات سنتے سنتے آپ لوگوں کے دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اسے سچ سمجھ لیا ہے۔ اس لیے اب اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں، تو آپ لوگ میری بات سچ نہ مانیں گے۔ اگر میں کسی بات کا اعتراف کرلوں...... اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس سے پاک ہوں...... تو آپ لوگ صحیح مان لیں گے۔ اس لیے میں اپنے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثل پاتی ہوں جسے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا کہ:

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾

(یوسف: ۱۸)

''صبر ہی بہتر ہے اور تم لوگ جو کچھ کہتے ہو، اس پر اللہ کی مدد مطلوب ہے۔''

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پلٹ گئیں اور اسی وقت وحی نازل ہوئی۔ جب نزول وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے، آپ نے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ:

''اے عائشہ! اللہ نے تمہاری براءت کردی۔''

اس پر ان کی ماں نے کہا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھو! (شکریہ ادا کرو)۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''واللہ! میں ان کی طرف نہیں اٹھتی۔ میں تو صرف اللہ کی حمد کروں گی۔''

اس موقع پر ان کی براءت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے جو آیات نازل کیں وہ سورۂ نور کی دس آیات ہیں، جو:

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾

(النور: ۱۱)

بیسویں آیت پر ختم ہوتی ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے۔ انہیں خطبہ دیا اور براءت کے سلسلے میں اللہ نے جو آیات نازل فرمائی تھیں، ان کی تلاوت کی۔ اس کے بعد منبر سے اتر کر مومنین خالصین میں سے دو مردوں اور ایک عورت کے متعلق حکم دیا اور انہیں اسی اسی (۸۰،۸۰) کوڑے مارے گئے۔ یہ تھے حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم، ان کے قدم پھسل گئے اور انہوں نے بھی تہمت تراشی میں حصہ لیا تھا۔ باقی رہا اس جھوٹ کا پیشوا عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء تو انہیں اس دنیا میں سزا نہ دی گئی لیکن وہ قیامت کے روز اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے، جہاں نہ مال کام دے گا نہ اولاد صرف وہ کامیاب ہوں گے، جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر جائیں گے۔

عمرۂ حدیبیہ

(ذیقعدہ ۶ ہجری)

عمرہ کے لیے روانگی اور حدیبیہ میں نزول:

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کو خواب دکھلایا گیا کہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ امن کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور سروں کو منڈوایا اور قصر کرایا (بال کٹوائے)۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی اطلاع دی اور یہ بتلایا کہ آپ عمرے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ گردو پیش جو اعراب تھے ان میں بھی روانگی کا اعلان کر دیا مگر انہوں نے تاخیر کی۔ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور مومنین پلٹ کر اپنے گھر کبھی نہ آسکیں گے۔ مگر بعد میں عذر یہ تراشا کہ:

"ہمیں ہمارے اموال و اولاد نے مشغول کر رکھا تھا۔ لہٰذا ہمارے لیے دعائے مغفرت کر دیجیے۔"

رسول اللہ ﷺ بروز دوشنبہ یکم ذی قعدہ ۶ ہجری کو چودہ سو مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے اور اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے لیے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ آپ جنگ کے لیے نہیں بلکہ عمرہ کے لیے جا رہے ہیں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر جانوروں کو قلادے پہنائے، کوہان چیر کر نشان بنایا اور عمرہ کا احرام باندھا۔

پھر آپ ﷺ نے سفر جاری رکھا، عسفان پہنچے تو آپ کے جاسوس نے آکر اطلاح دی کہ قریش جنگ کا اور مسلمانوں کے بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کیے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے

ذی طویٰ میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ عسفان کے قریب کراع الغمیم بھیج دیا ہے تا کہ وہ مکہ آنے والا راستہ بند رکھیں، نیز اپنی مدد کے لیے احابیش کو بھی جمع کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشورہ کیا کہ کیا کریں؟ یہ احابیش جو جمع ہوئے ہیں ان کے گھروں پر ہلہ بول دیں یا سیدھے بیت اللہ کا قصد کریں اور جو روکے اس سے لڑیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم عمرہ کرنے آئے، لڑنے نہیں آئے ہیں، لہٰذا جو ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو اس سے لڑیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے یہ رائے قبول کی۔

ادھر خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) نے ظہر کی نماز میں مسلمانوں کو رکوع اور سجدہ کرتے دیکھا تو کہا

''یہ لوگ غافل تھے، ہم نے حملہ کر دیا ہوتا تو انہیں مار لیا ہوتا۔''

پھر طے کیا کہ عصر کی نماز کے دوران حملہ کریں گے لیکن اللہ نے ظہر اور عصر کے درمیان ''صلوٰۃ خوف'' (حالت جنگ کی مخصوص نماز) کا حکم نازل کر دیا اور خالد کے ہاتھ سے موقع جاتا رہا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس راستے کو چھوڑ کر ایک دوسرا راستہ اختیار کیا اور مکہ سے نیچے داہنے ہاتھ چل کر ''ثنیۃ المرار'' پہنچ گئے۔ جہاں سے حدیبیہ میں اترتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر اونٹنی بیٹھ گئی اور لوگوں نے ڈانٹا بھی تو نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا: ''قصواء اڑ گئی۔'' آپ نے فرمایا:

''قصواء اڑی نہیں ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے لیکن اسے اس ہستی نے روک رکھا ہے جس نے ہاتھی کو روک دیا تھا۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! یہ لوگ مجھ سے کسی بھی ایسے معاملے کا مطالبہ نہ کریں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کر رہے ہوں مگر میں اسے ضرور تسلیم کر لوں گا۔''

اس کے بعد آپ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔

اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی، خزاعہ کی ایک جماعت کے ساتھ آیا۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے۔ اس نے بتایا کہ قریش آپ سے جنگ کرنے اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کیے بیٹھے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے بتایا کہ:

"آپ عمرہ کے لیے آئے ہیں، لڑائی کے لیے نہیں یہ کہ آپ ﷺ صلح کے لیے تیار ہیں لیکن اگر قریش نے لڑائی ہی پر اصرار کیا تو آپ اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ آپ کا سر تن سے جدا نہ ہو جائے یا پھر اللہ کا حکم نافذ نہ ہو جائے۔"

رسول اللہ ﷺ اور قریش کے مابین گفت وشنید:

بدیل نے واپس پلٹ کر قریش کو یہ بات سنائی تو انہوں نے مکرز بن حفص کو بھیجا۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو بدیل سے کہی تھی۔ اس کے بعد قریش نے احابیش کے سردار حلیس بن عکرمہ کو بھیجا۔ جب وہ نمودار ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"یہ شخص ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو قربانی کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے، لہٰذا جانوروں کو کھڑا کر دو۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے جانوروں کو کھڑا کر دیا اور خود بھی لبیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا:

"سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا ہرگز مناسب نہیں۔ بھلا یہ کیا کہ لخم و جذام اور حمیر کے لوگ تو حج کریں اور عبدالمطلب کا بیٹا بیت اللہ سے روک دیا جائے۔ بیت اللہ کے رب کی قسم! قریش برباد ہوئے۔ یہ لوگ عمرہ کرنے آئے ہیں۔"

قریش نے یہ بات سنی تو کہا کہ:

"بیٹھ جاؤ، تم اعرابی ہو، تمہیں چال بازیوں کا علم نہیں۔"

اس کے بعد قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا، اس نے آکر بات کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی وہی کہا جو بدیل سے کہا تھا۔ اس نے کہا:

''اے محمد! اگر آپ نے اپنی قوم کا صفایا بھی کر دیا تو کیا آپ نے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا ہے کہ اس نے اپنی ہی قوم کا صفایا کر دیا ہو؟ اگر دوسری صورت پیش آئی......یعنی آپ کو شکست ہوئی......تو میں آپ کے گرد ایسے اوباش لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو اسی لائق ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔''

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''لات کی شرم گاہ کا لٹکتا ہوا چمڑہ چوس، ہم حضور کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟''

عروہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب نہ دے سکا کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی احسان کیا تھا۔

عروہ بات کرتے کرتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی پکڑ لیتا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مار کر کہتے:

''اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی سے پرے رکھ۔''

عروہ نے کہا:

''او غدار! کیا میں تیری غداری کے سلسلے میں دوڑ دھوپ نہیں کر رہا ہوں؟''

مغیرہ بن شعبہ عروہ کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو قتل کر کے ان کا مال لے لیا تھا اور آخر مسلمان ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن مال سے براءت اختیار کی تھی۔ عروہ بن مسعود اسی غداری کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہا تھا اور ان کی غداری سے اس نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

اس موقع پر عروہ نے صحابہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا جو منظر دیکھا تو واپس جا کر قریش سے کہنے لگا:

''اے قوم! واللہ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہ کے پاس جا چکا ہوں، واللہ! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کرتے ہیں۔ واللہ! وہ کھنکار بھی تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا۔ جب وہ حکم دیتے تھے تو اس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے تھے۔

جب وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے وضو کے پانی کے لیے لوگ لڑ پڑیں گے۔ جب کوئی بات بولتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے تھے اور فرط تعظیم کے سبب انہیں بھرپور نظر سے دیکھتے نہ تھے۔ انہوں نے تم پر ایک اچھی تجویز پیش کی ہے۔ لہٰذا اسے قبول کرلو۔‘‘

اسی سلسلۂ گفتگو کے دوران قریش کے ستر (۷۰) یا اسی (۸۰) پرجوش نوجوان ہنگامہ آرائی کے لیے رات کی تاریکی میں خاموشی کے ساتھ جبل تنعیم سے اتر کر مسلمانوں کے کیمپ میں گھس آئے۔ مقصد یہ تھا کہ صلح کی یہ گفتگو ناکام ہو جائے لیکن مسلمانوں نے ان سب کو گرفتار کرلیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں معاف کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔ اس سے ایک طرف تو قریش کے دلوں پر خاصا رعب طاری ہوا اور دوسری طرف ان کے اندر صلح کا رجحان اور بڑھ گیا۔ اسی سلسلے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَهُوَ ٱلَّذِى كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنۢ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ﴿٢٤﴾ (الفتح: ٢٤)

’’وہی ہے جس نے بطن مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے، اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے چکا تھا۔‘‘

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارت اور بیعت رضوان:

اب رسول اللہ ﷺ نے طے کیا کہ قریش کے پاس ایک سفیر روانہ کریں جو انہیں یقینی طور پر بتلائے کہ آپ عمرہ ہی کے لیے تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا، انہیں یہ بھی حکم دیا کہ:

’’وہ مکہ کے کمزور مومن مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انہیں قرب فتح کی بشارت سنادیں اور یہ بتلادیں کہ اللہ عزوجل اپنے دین کو مکہ میں ظاہر و غالب کرنے والا ہے، یہاں تک کہ کسی کو ایمان چھپانے کی ضرورت نہ ہوگی۔‘‘

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابان بن سعید اموی کی پناہ میں مکہ کے اندر داخل ہوئے اور پیغام

پہنچایا۔ قریش نے پیش کش کی کہ بیت اللہ کا طواف کر لیں، مگر انہوں نے اس حالت میں طواف کرنے سے انکار کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو روک رکھا گیا ہو۔

پھر قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ غالباً وہ چاہتے تھے کہ باہم مشورہ کر لیں، پھر جواب سمیت انہیں روانہ کریں۔ مگر ان کی تاخیر سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ چونکہ قاصد کو قتل کرنے کے معنی اعلان جنگ ہیں۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو فرمایا:

''ہم اس جگہ سے ٹل نہیں سکتے یہاں تک کہ ان لوگوں سے معرکہ آرائی نہ کر لیں۔''

پھر آپ نے ایک درخت کے نیچے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنگ پر بیعت کرنے کی دعوت دی۔ صحابہ ٹوٹ پڑے، بڑی گرم جوشی کے ساتھ موت پر اور میدان سے نہ بھاگنے پر بیعت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا:

''یہ عثمان کی طرف سے ہے۔''

لیکن جب بیعت مکمل ہو چکی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ اللہ نے اس بیعت کی فضیلت میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴿١٨﴾ (الفتح:۱۸)

''اللہ مومنین سے راضی ہوا جب وہ آپ (ﷺ) سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔''

اور یہیں سے اس کا نام ''بیعت رضوان'' پڑ گیا۔

اتمام صلح:

قریش نے اس بیعت کا حال سنا تو ان پر زبردست رعب طاری ہوا اور انہوں نے صلح کرنے کے لیے سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ سہیل نے لمبی گفتگو کی، بالآخر درج ذیل شرطیں طے ہوئیں:

① رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر مسلمانوں کے ساتھ واپس جائیں گے، اگلے سال مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ ان کے ساتھ کوئی ہتھیار نہ ہوگا، صرف میان کے اندر تلواریں ہوں گی۔

② فریقین میں دس سال کے لیے جنگ بند رہے گی۔

③ جو محمد ﷺ کے عہد میں داخل ہونا چاہے داخل ہوسکتا ہے اور جو قریش کے عہد میں داخل ہونا چاہے، داخل ہوسکتا ہے۔

④ قریش کا جو آدمی مسلمانوں کی پناہ میں جائے گا، مسلمان اسے قریش کے حوالے کردیں گے لیکن مسلمانوں کا جو آدمی قریش کی پناہ میں آئے گا تو قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور املاء کرایا کہ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' لکھیں۔ سہیل نے کہا: ''ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے۔'' آپ ''بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ'' لکھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہی لکھنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے املاء کرایا کہ:

''یہ وہ بات ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے مصالحت کی۔''

اس پر سہیل نے کہا:

''اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے۔ لیکن آپ محمد بن عبداللہ لکھوایے۔''

آپ نے فرمایا: ''میں اللہ کا رسول ہوں، اگرچہ تم لوگ جھٹلاؤ۔'' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھیں۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مٹانا گوارا نہ کیا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے مٹایا۔ پھر پوری دستاویز کے دو نسخے لکھے گئے۔ ایک نسخہ قریش کے لیے ایک نسخہ مسلمانوں کے لیے۔

ابو جندل رضی اللہ عنہ کا قضیہ:

نوشتۂ صلح ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ اس صلح میں قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو کے

صاحبزادے ابو جندل بیڑیاں گھسیٹتے آ پہنچے، سہیل نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''ابھی تو ہم نے نوشتہ مکمل نہیں کیا ہے۔''

سہیل نے کہا:

''تب میں آپ سے صلح ہی نہیں کرتا۔''

آپ نے فرمایا:

''اچھا تم اس کو میری خاطر چھوڑ دو۔''

اس نے کہا: ''یہ بھی نہیں۔''

پھر سہیل نے ابو جندل کو مارا۔ ابو جندل نے چیخ کر کہا:

''مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ مجھے میرے دین سے فتنے میں ڈالیں؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''صبر کرو اور باعث ثواب سمجھو۔ اللہ تمہارے لیے اور تمہارے علاوہ جو دوسرے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لیے کشادگی پناہ کی جگہ بنائے گا۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو بھڑکایا کہ وہ اپنے باپ سہیل کو قتل کر دیں مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔

عمرے سے مسلمانوں کی دستبرداری اور صلح پر ان کا غم:

رسول اللہ ﷺ معاہدۂ صلح لکھوا کر فارغ ہو چکے تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اٹھو اور اپنے جانور قربان کر دو'' مگر کوئی نہ اٹھا حتیٰ کہ آپ نے یہ بات تین بار کہی مگر کوئی نہ اٹھا، تو آپ ﷺ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ اٹھ کر اپنا جانور ذبح کر دیں، اپنا سر منڈوا لیں اور کسی سے کوئی بات نہ کریں۔ آپ نے یہی کیا اور مشرکین کو جلانے بھنانے کے لیے ابو جہل کا ایک اونٹ بھی ذبح کیا جس کی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے جانور ذبح کر دیے اور اپنے

سر منڈوا لیے، مگر غم کے سبب ان کی کیفیت یہ تھی کہ لگتا تھا ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔ اس موقع پر گائے اور اونٹ سات سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے گئے۔

صحابہ کے غم کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ وہ بلا عمرہ کیے واپس ہو رہے تھے، دوسری یہ کہ فریقین میں برابری نہ تھی۔ مسلمانوں کے پاس کوئی آئے تو اسے تو مسلمان واپس کر دیں گے، لیکن قریش کے پاس کوئی جائے تو اسے قریش واپس نہ کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں پہلی وجہ کے متعلق مطمئن کیا کہ:

''وہ اگلے سال عمرہ کریں گے۔ لہٰذا خواب سچا ہے اور صلح کی اس دفعہ میں مسلمانوں کے جذبات کی رعایت کی گئی ہے۔''

دوسری وجہ کے متعلق مطمئن کیا کہ:

''ہمارا جو آدمی ان کے پاس چلا گیا اللہ تعالیٰ نے اسے دور کر دیا اور ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔''

آپ ﷺ کی یہ بات دور بینی پر مبنی تھی، کیونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت ابھی تک حبشہ میں تھی اور ان پر یہ صلح لاگو نہیں ہوتی تھی۔ لہٰذا محبوسین مکہ کے لیے ان کے پاس پناہ لینا ممکن تھا۔ لیکن بظاہر صلح بہر حال قریش کے حق میں تھی، اس لیے مسلمانوں کے احساسات پر اس کا گہرا اثر تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خدمتِ نبوی ﷺ میں آ کر کہا:

''کیا ہم لوگ حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں!''

انہوں نے کہا: ''کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں؟''

آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔''

انہوں نے کہا:

''تو پھر ہم کیوں اپنے دین کے بارے میں دباؤ قبول کریں اور ایسی حالت میں پلٹیں کہ ابھی اللہ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا ہے؟''

آپ نے فرمایا:

''خطاب کے صاحبزادے! میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ وہ میری مدد کرے گا اور مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا۔''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے سے بھرے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے بھی وہی کہا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مزید کہا کہ:

''آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب تھامے رہو یہاں تک کہ تمہاری موت آجائے کیونکہ واللہ! آپ حق پر ہیں۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ (الفتح: ١)

کی آیات نازل کیں، جن میں اس صلح کو فتح مبین قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پڑھ کر سنایا۔ وہ کہنے لگے: ''یا رسول اللہ! یہ فتح ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' اس سے ان کے دل کو سکون ہوگیا اور وہ واپس چلے گئے۔

بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی اس تقصیر پر سخت ندامت ہوئی اور اس کی وجہ سے انہوں نے بہت سے اعمال کیے، برابر صدقہ وخیرات کیا، روزے رکھے، نماز پڑھی اور غلام آزاد کیے، یہاں تک کہ خیر کی امید بندھی۔

مہاجر عورتوں کا قضیہ:

صلح مکمل ہوچکی اور لوگ عمرے سے حلال ہو چکے تو کچھ مومن عورتیں آگئیں ان کے کفار اولیاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ انہیں واپس کیا جائے۔ مگر آپ نے اس دلیل کی بنا پر واپس کرنے سے انکار کردیا کہ عورتیں معاہدہ میں شامل نہیں ہیں۔ ادھر اللہ نے یہ حکم نازل فرمایا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ مُهَٰجِرَٰتٍ فَٱمْتَحِنُوهُنَّ ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَٰنِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا

تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴿١٠﴾

(الممتحنة: ١٠)

''اے اہل ایمان! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے۔ پس اگر انہیں مومنہ جانو تو کفار کی طرف نہ پلٹاؤ۔ نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں نہ کفار ان کے لیے حلال ہیں۔ البتہ ان کے کافر شوہروں نے جو مہر ان کو دیے تھے وہ واپس دے دو اور (پھر) تم پر کوئی حرج نہیں کہ ان سے نکاح کر لو، جب کہ انہیں ان کے مہر ادا کر لو اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کا امتحان اس آیت کی روشنی ں لیتے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ (الممتحنة: ١٢)

''اے نبی! جب تمہارے پاس مومن عورتیں آئیں اور اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے کوئی بہتان گھڑ کر نہ

لائیں گی اور کسی معروف بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو، ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو، یقیناً اللہ غفور رحیم ہے۔''

چنانچہ جو عورت ان شرائط کا اقرار کرتی اس سے آپ ﷺ فرماتے کہ میں نے تم سے بیعت کرلی۔ صرف زبان سے کہتے، مصافحہ نہ فرماتے اور پھر اسے کفار کو واپس نہ کرتے۔ نیز مسلمانوں نے اپنی کافر بیویوں کو طلاق دے دی اور مسلمان عورتوں کو ان کے کافر شوہروں سے علیحدہ کرلیا۔

مسلمانوں کے معاہدہ میں بنوخزاعہ کا دخول اور کمزور مسلمانوں کے قضیے کا حل:

بنوخزاعہ نے پسند کیا کہ وہ معاہدے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہیں۔ چنانچہ وہ آپ کے ''عہد'' میں داخل ہوگئے۔ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت سے بنو ہاشم کے حلیف چلے آرہے تھے جب کہ ان کے حریف بنو بکر قریش کے عہد میں داخل ہوگئے۔ وہی فتح مکہ کا سبب بنے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

رہے وہ مسلمان جو مکہ میں تعذیب کا شکار تھے تو انہی میں سے ابو بصیر نامی ایک صاحب چھوٹ کر مدینہ بھاگ آئے۔ قریش نے ان کی واپسی کے لیے نبی کریم ﷺ کے پاس دو آدمی بھیجے، آپ نے انہیں واپس کردیا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ایک کو قتل کردیا دوسرا بھاگ کر سیدھا نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا میرا ساتھی قتل کردیا گیا اور میں بھی قتل ہی کیا جانے والا ہوں۔ اتنے میں ابو بصیر رضی اللہ عنہ آگئے۔ نبی ﷺ نے ڈانٹا تو سمجھ گئے کہ پھر واپس کیا جاؤں گا، لہٰذا وہ نکل کر ساحل سمندر پر آرہے۔ ادھر ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی چھوٹ کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے آن ملے۔ اب قریش کا جو آدمی بھی اسلام لا کر بھاگتا وہ ابو بصیر سے آملتا۔ یہاں تک کہ ان کی ایک جماعت اکٹھی ہوگئی۔ اس کے بعد قریش کا جو قافلہ بھی ملک شام جاتا اس سے یہ لوگ ضرور چھیڑ چھاڑ کرتے۔ اس پر حملے کرتے اور اس کا مال چھین لیتے۔ اس سے تنگ آکر قریش نے نبی ﷺ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیا کہ انہیں مدینہ بلالیں۔ اب جو بھی آپ کے پاس آئے گا مامون رہے گا، چنانچہ آپ نے انہیں مدینہ بلا بھیجا، وہ آگئے اور مشکل حل ہوگئی۔

صلح کا اثر:

اسلامی دعوت کی رفتار پر اس صلح کا بڑا اثر ہوا۔ مسلمانوں کو عام عرب سے ملنے اور انہیں اللہ کی دعوت دینے کا موقع ملا۔ چنانچہ لوگ بکثرت اسلام میں داخل ہوئے۔ صرف دو سال میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہوگئی کہ انیس برسوں میں نہیں ہوئی تھیں۔ کبار قریش، جو قریش کا نچوڑ اور عطر تھے یعنی عمرو بن عاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ اپنی رغبت اور مرضی سے لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیتے ہوئے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ اسلام پر بیعت کی اور اس کی راہ میں جان و مال اور صلاحیت و قدرت سب کچھ صرف کر دیا۔ جب یہ لوگ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔''

بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط

جب رسول اللہ ﷺ قریش سے معاہدہ کر کے اور ان کی طرف سے مطمئن ہو کر حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط لکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی اور ان کو ان کی دوہری ذمہ داری یاد دلائی۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ یہ خطوط نقل کیے جا رہے ہیں۔

نجاشی شاہِ حبشہ کے نام خط:

اس کا نام اصحمہ بن ابجر تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے نام حسب ذیل خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ خط ہے نبی ﷺ کی طرف سے نجاشی اصحمہ، شاہ حبشہ کی جانب

"اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس نے نہ کوئی بیوی اختیار کی نہ لڑکا۔ (میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ) محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، کیونکہ میں اس کا رسول ہوں، لہٰذا اسلام لاؤ، سلامت رہو گے۔"

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا

وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾ (آل عمران:٦٤)

’’اے اہل کتاب !ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض،بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔‘‘

’’اگر تم نے (یہ دعوت) قبول نہ کی تو تم پر اپنی قوم نصاریٰ کا بھی گناہ ہے۔‘‘

یہ خط آپ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ کیا۔ نجاشی نے جب اسے لیا تو اپنی آنکھوں پر رکھا، تخت سے نیچے اتر آیا اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ نبی ﷺ کو اپنے اسلام اور بیعت کے متعلق خط لکھا۔ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا کی شادی نبی ﷺ سے کردی اور انہیں اپنی طرف سے چار سو دینار مہر دیا۔ پھر انہیں اور مہاجرین حبشہ کو عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو کشتیوں میں روانہ کیا۔ وہ انہیں لے کر اس وقت مدینہ پہنچے جب نبی ﷺ خیبر میں تھے۔

اس نجاشی نے رجب ۹ ہجری میں وفات پائی۔ نبی ﷺ نے اس کی وفات ہی کے دن صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی موت کی اطلاع دی اور اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اس کی وفات کے بعد دوسرا بادشاہ اس کا جانشین ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے پاس بھی ایک خط روانہ فرمایا اور اسے اسلام کی دعوت دی لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔

مقوقس شاہِ اسکندریہ و مصر کے نام خط:

اس کے نام آپ ﷺ نے جو خط لکھا وہ یہ تھا:

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

(اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے مقوقس سربراہ قبط کی جانب)
اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، امابعد!
''میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لاؤ، سلامت رہو گے اور اسلام لاؤ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہل قبط کا بھی گناہ ہوگا۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾ (آل عمران:٦٤)

''اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔''

یہ خط آپ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا، انہوں نے مقوقس سے گفتگو کی اور اسے خط پہنچایا۔ مقوقس نے ان کا اکرام کیا، خط ہاتھی دانت کے ایک ڈبے میں رکھ کر اس پر مہر لگائی اور اسے محفوظ کرلیا۔ نبی ﷺ کو جواب لکھا، اس میں اقرار کیا کہ ایک نبی باقی رہ گیا ہے اور میں سمجھتا تھا کہ وہ ملک شام سے نکلے گا۔ لیکن وہ مسلمان نہیں ہوا۔ تحفے میں ماریہ اور سیرین دو لونڈیاں بھیج دیں جن کا قبط میں بڑا مقام تھا۔ کچھ کپڑے اور ایک خچر بھی ہدیہ کیا، جس کا نام دلدل تھا۔ نبی ﷺ نے ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے اور دلدل کو اپنی سواری کے لیے منتخب فرمایا۔ جب کہ سیرین کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے ہبہ کردیا۔

شاہِ فارس، خسرو پرویز کے نام خط:

آپ ﷺ نے اس کے پاس یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسریٰ والیٔ فارس کی جانب)

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا فرستادہ (بھیجا ہوا) ہوں، تاکہ جو شخص زندہ ہے اسے انجام بد سے ڈرایا جائے اور کافروں پر حق بات ثابت ہوجائے۔ (یعنی حجت تمام ہوجائے) پس تم اسلام لاؤ، سالم رہو گے اور اگر اس سے انکار کیا تو تم پر مجوس کا بار گناہ بھی ہوگا۔''

یہ خط آپ ﷺ نے عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ اسے عظیم بحرین کے حوالے کردیں۔ سربراہ بحرین اسے کسریٰ کے حوالے کرے گا۔ جب یہ خط کسریٰ پر پڑھا گیا تو اس نے اسے چاک کردیا اور کہا:

''میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو فرمایا:

''اللہ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کرے۔''

پھر وہی ہوا جو آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ چنانچہ اس کے لشکر نے رومیوں کے سامنے بدترین شکست کھائی۔ پھر خسرو کے بیٹے شیرویہ نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اسے قتل کرکے بادشاہت پر قبضہ کرلیا۔ پھر وہاں افتراق اور فساد کا ایک سلسلہ قائم ہوگیا تاآنکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی لشکر نے اس ملک پر قبضہ کرلیا اور یہ بادشاہت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

قیصر، شاہِ روم کے نام خط:

اس کے نام آپ ﷺ نے یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے ہرقل: عظیم روم کی طرف) اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تم اسلام لاؤ، سالم رہو گے۔ اسلام لاؤ، اللہ تمہیں تمہارا اجر دوبار دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر اریسیوں (رعایا) کا (بھی) گناہ ہوگا۔"

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾ (آل عمران: ٦٤)

"اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور اللہ کے سوا ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ پس اگر یہ لوگ رخ پھیریں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔"

آپ ﷺ نے اس خط کو دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ انہیں حکم دیا کہ یہ خط عظیم بصریٰ کے حوالے کر دیں اور وہ اسے قیصر کے پاس پہنچا دے گا۔ قیصر اس وقت اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لیے حمص سے پیدل چل کر بیت المقدس آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اہل فارس پر فتح ونصرت عطا کی ہے۔ جب یہ خط اسے ملا تو اس نے اپنے ہرکارے دوڑائے کہ عرب کا کوئی ایسا آدمی لائیں جو نبی ﷺ کو پہچانتا ہو۔ انہیں ابوسفیان کی سربراہی میں قریش کا ایک قافلہ مل گیا۔ انہوں نے قافلے کو ہرقل کے پاس حاضر کیا۔ ہرقل نے انہیں اپنے دربار میں بلایا، اس وقت روم کے بڑے بڑے لوگ اس کے گرداگرد موجود تھے۔ اس نے پوچھا:

"نسب کے لحاظ سے کون شخص آپ ...... ﷺ ...... کے زیادہ قریب ہے؟" لوگوں نے بتایا کہ "ابوسفیان۔"

ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے قریب کیا۔ بقیہ لوگوں کو اس کے پیچھے بٹھایا اور کہا:

"میں اس سے، اس شخص ...... نبی ﷺ ...... کے بارے میں پوچھوں گا، اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اسے جھٹلا دینا۔"

اس پر ابوسفیان کو شرم آئی کہ جھوٹ بولے۔ اس کے بعد ہرقل اور ابوسفیان میں گفتگو ہوئی:

ہرقل: تم لوگوں میں اس کا نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان: وہ اونچے نسب والا ہے۔

ہرقل: تو کیا یہ نبوت کا دعویٰ اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کیا تھا؟

ابوسفیان: نہیں!

ہرقل: کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں!

ہرقل: اچھا تو بڑے لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے یا کمزوروں نے؟

ابوسفیان: بلکہ کمزوروں نے۔

ہرقل: یہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟

ابوسفیان: بلکہ بڑھ رہے ہیں۔

ہرقل: تو کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس دین سے برگشتہ ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں!

ہرقل: اس نے جو بات کہی ہے کیا اسے کہنے سے پہلے لوگ اس کو جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟

ابوسفیان: نہیں!

ہرقل: کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں (اور یہاں ابوسفیان کو ایک مشکوک بات کہنے کا موقع ملا۔ چنانچہ اس نے مزید کہا) البتہ ہم لوگ اس وقت اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں، معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرے گا؟

ہرقل: کیا تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟''

ابوسفیان: ''جی ہاں!''

ہرقل: تو تمہاری اور اس کی جنگ کیسی رہی؟

ابوسفیان: جنگ ہمارے اور اس کے درمیان ڈول ہے۔ وہ ہمیں زک پہنچا لیتا ہے اور ہم اسے زک پہنچا لیتے ہیں۔

ہرقل: وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، تمہارے باپ دادا جو کچھ کہتے تھے اسے چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز، سچائی، پرہیز گاری، پاک دامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔

اس کے بعد ہرقل نے اس گفتگو پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

- تم نے بتایا کہ وہ اونچے نسب والا ہے، تو دستور یہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم کے اونچے نسب میں بھیجے جاتے ہیں۔
- اور تم نے بتایا کہ اس سے پہلے تم میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی، تو میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص تو ایک ایسی بات کی نقل کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہی جا چکی ہے۔
- تم نے بتایا کہ اس کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کے باپ دادوں میں اگر کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں کہتا کہ وہ شخص اپنے باپ دادا کی بادشاہت طلب کر رہا ہے۔

- تم نے بتایا کہ جو بات اس نے کہی ہے اس سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹ سے متہم نہیں کرتے تھے، تو میں نے یہ جان لیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولے۔
- تم نے یہ بھی بتایا کہ کمزور لوگ اس کی پیروی کررہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ پیغمبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔
- تم نے بتایا کہ یہ لوگ زیادہ ہورہے ہیں اور ایمان کا معاملہ ایسا ہی ہے، یہاں تک کہ وہ مکمل ہوجائے۔
- اور تم نے بتایا کہ ان میں سے کوئی آدمی مرتد نہیں ہوتا اور حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی بشاشت جو دلوں میں گھر کرجاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔
- تم نے بتایا کہ وہ بدعہدی نہیں کرتا اور پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ بدعہدی نہیں کرتے۔
- اور تم نے بتایا کہ وہ تمہیں صرف اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتا ہے۔ بت پرستی سے منع کرتا ہے، نماز، سچائی، پرہیز گاری اور پاک دامنی کا حکم دیتا ہے۔
- تو جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر وہ برحق ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک ہوجائے گا۔ میں جانتا تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کے پاس پہنچ سکوں گا تو اس سے ملاقات کی زحمت اٹھاتا اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے دونوں پاؤں دھوتا۔

اس کے بعد ہرقل نے آپ ﷺ کا خط منگوا کر پڑھا تو آوازیں بلند ہوگئیں اور بہت شور مچا۔ چنانچہ اس نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو باہر کرادیا۔ باہر آکر ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

”ابو کبشہ کے بیٹے کا معاملہ بہت زور پکڑ گیا۔ اس سے تو بنو اصفر (رومیوں) کا

بادشاہ ڈرتا ہے۔"

اس کے بعد ابو سفیان کو برابر یقین رہا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین غالب آ کر رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ نے اسے اسلام کی توفیق دی۔

ہرقل نے نامہ بر حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کو مال اور پارچہ جات سے نوازا اور پھر حمص واپس چلا گیا۔ وہاں ایک بڑے ہال میں عظمائے روم کو باریابی بخشی اور اس کے دروازے بند کرا دیے۔ پھر کہا:

"اے جماعت روم! کیا تم لوگ فلاح و رشد چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ تمہاری بادشاہت برقرار رہے تو اس نبی ﷺ کی پیروی کرلو۔"

اس پر وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح بدک کر دروازوں کی طرف بھاگے۔ مگر دروازوں کو بند پایا۔

ادھر قیصر نے ان کی نفرت دیکھی تو کہا: "انہیں میرے پاس پلٹا لاؤ۔"

پھر ان سے کہا:

"میں نے جو بات کہی تھی اس سے تمہارے دین میں تمہاری پختگی آزما رہا تھا، جسے میں نے دیکھ لیا۔"

اس پر ان عظماء نے اسے سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیصر نے نبی ﷺ کو اور آپ کی نبوت کی سچائی کو پوری طرح جان اور پہچان لیا تھا، لیکن بادشاہت کی محبت غالب آ گئی اور وہ اسلام نہ لایا۔ چنانچہ اپنا گناہ بھی اٹھایا اور اپنی رعایا کا بار گناہ بھی۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے نامہ مبارک میں تحریر فرمایا تھا۔

ادھر دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آتے ہوئے "حسمی" سے گزرے تو جذام کے لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈال کر سب کچھ لوٹ لیا اور ان کے پاس کچھ بھی نہ چھوڑا۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں پانچ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کا دستہ روانہ کیا۔ انہوں نے شب خون مار کر لوگوں کو قتل کیا، غنیمت میں

ایک ہزار اونٹ اور پانچ سو بکریاں حاصل کیں، ایک سو عورتوں اور بچوں کو قید کیا۔

اس واقعہ پر قبیلہ جذام کے ایک سردار حضرت زید بن رفاعہ جذامی رضی اللہ عنہ جھٹ پٹ مدینہ آئے...... وہ اوران کی قوم کے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے، جب حضرت دحیہ پر ڈاکہ پڑا تھا انہوں نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی مدد بھی کی تھی...... لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت اور قیدی انہیں واپس کر دیے۔

حارث بن ابی شمر غسانی کے نام خط:

یہ قیصر کی طرف سے دمشق کا امیر تھا۔ اس کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط لکھا وہ یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حارث بن ابی شمر کی جانب)

''اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور تصدیق کرے۔ میں تجھے دعوت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک لہٗ پر ایمان لا، تیرے لیے تیرا ملک باقی رہے گا۔''

یہ خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا...... یہ اسد بن خزیمہ کی طرف نسبت ہے...... حارث نے یہ خط پڑھا تو اسے پھینک دیا اور کہا:

''کون ہے جو مجھ سے میرا ملک چھینے گا۔''

پھر مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ حضرت ابن وہب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

''جو کچھ دیکھ رہے ہو اپنے صاحب کو اس کی خبر کر دینا۔''

اس نے قیصر روم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت چاہی، مگر قیصر نے اس عزم سے موڑ دیا۔ اس کے بعد اس نے شجاع بن وہب کو کپڑے اور مال سے نوازا اور اچھائی کے ساتھ واپس کیا۔

امیر بصریٰ کے نام خط:

اس خط میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''امیر بصریٰ'' کو اسلام کی دعوت دی اور اسے حارث بن عمیر

ازدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بھیجا۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ جنوبی اردن میں علاقہ بلقاء کے مقام موتہ میں پہنچے تو شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کا سامنا کیا اور ان کی گردن ماردی۔

قاصدوں کے سلسلے میں یہ سب سے سخت ظالمانہ قدم تھا۔ ان کے سوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قاصد قتل نہیں کیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت غم ہوا اور یہی غزوۂ موتہ کا سبب بنا۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

ہوذہ بن علی، صاحب یمامہ کے نام خط:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوذہ بن علی کی جانب)

''اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرا دین اونٹوں اور گھوڑوں کی رسائی کی آخری حد تک غالب آکر رہے گا۔ لہٰذا اسلام لاؤ سالم رہو گے اور تمہارے ماتحت جو کچھ ہے اسے تمہارے لیے برقرار رکھوں گا۔''

یہ خط آپ نے سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا، ہوذہ نے ان کا اکرام کیا، انہیں انعام سے نوازا، ہجر کے کپڑے دیے اور جواب میں لکھا:

''آپ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اس کی بہتری اور عمدگی کا کیا پوچھنا اور میں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب ہوں۔ عرب پر میری ہیبت بیٹھی ہوئی ہے، اس لیے کچھ کارپردازی میرے ذمہ کردیں۔ میں آپ کی پیروی کروں گا۔''

یہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تو آپ نے فرمایا:

''اگر وہ مجھ سے زمین کا ایک ٹکڑا بھی مانگے گا تو میں اسے نہ دوں گا۔ وہ خود بھی تباہ ہوگا اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی تباہ ہوگا۔''

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو اس کا انتقال ہو چکا تھا۔

منذر بن ساوی، حاکم بحرین کے نام خط:

اس خط میں آپ ﷺ نے منذر کو اسلام کی دعوت دی اور اسے علاء ابن الحضرمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ منذر مسلمان ہوگیا، کچھ اہل بحرین بھی مسلمان ہوگئے۔ جبکہ کچھ دوسرے اپنے دین یہودیت اور مجوسیت پر برقرار رہے۔ منذر نے رسول اللہ ﷺ کو لکھ کر اس کی خبر دی اور اس کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اسے لکھ کر حکم دیا:

"مسلمان جس حال پر ایمان لائے ہیں انہیں اسی حال پر چھوڑ دو، یہود اور مجوس سے جزیہ لو اور تم جب تک درست راہ پر رہو گے ہم تمہیں تمہارے عمل سے معزول نہ کریں گے۔"

شاہان عمان جیفر اور اس کے بھائی کے نام خط:

ان کے نام آپ ﷺ کا خط یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جلندی کے دونوں صاحبزادے جیفر اور عبد کے نام)

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، امابعد!

"میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لاؤ، سالم رہو گے، کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا رسول ہوں تاکہ جو زندہ ہے اسے انجام کے خطرے سے آگاہ کردوں اور کافروں پر سچی بات واضح ہو جائے۔ اگر تم دونوں اسلام کا اقرار کرلو گے تو تم ہی دونوں کو والی اور حاکم بناؤں گا۔ اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کرنے سے گریز کیا تو تمہاری بادشاہت ختم ہوجائے گی، تمہاری زمین پر گھوڑوں کی یلغار ہوگی اور تمہاری بادشاہت پر میری نبوت غالب آجائے گی۔"

یہ خط آپ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ آپ جب عمان تشریف لے گئے تو عبد بن جلندی سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ عبد نے پوچھا:

"تم کس بات کی دعوت دیتے ہو؟"

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم اللہ کی طرف بلاتے ہیں جو تنہا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور ہم کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ جس کی پوجا کی جاتی ہے اسے چھوڑ دو، یہ گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

پھر قدرے گفتگو کے بعد عبد نے پوچھا:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس بات کا حکم دیتے ہیں۔''

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے روکتے ہیں۔ نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ظلم و زیادتی، زنا کاری و شراب نوشی اور پتھر، بت اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں۔''

عبد نے کہا:

''یہ کتنی اچھی بات ہے جس کی طرف بلاتے ہیں، اگر میرا بھائی بھی اس بات پر میری پیروی کرتا تو ہم لوگ سوار ہو کر (چل پڑتے) یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق کرتے، لیکن میرا بھائی اپنی بادشاہت کا اس سے کہیں زیادہ حریص ہے کہ اسے چھوڑ کر کسی کا تابع فرمان بن جائے۔''

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اگر تمہارا بھائی اسلام قبول کر لے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قوم پر اس کی بادشاہت برقرار رکھیں گے۔ البتہ ان کے مال داروں سے صدقہ لے کر فقیروں پر پلٹا دیں گے۔''

عبد نے کہا:

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔''

پھر پوچھا: ''صدقہ کیا ہے۔''

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے تفصیل بتائی، جب مویشیوں کا ذکر کیا تو اس نے کہا:

"میں نہیں سمجھتا کہ میری قوم اس کو مان لے گی۔"

پھر عبد نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اپنے بھائی جیفر کے پاس پہنچایا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کو خط دیا۔ اس نے خط پڑھا، پھر اپنے بھائی کے حوالے کر دیا اور عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

"قریش نے کیا کیا؟"

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بتایا: "وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔"

یہ بھی کہا کہ:

"اگر وہ اسلام لائے تو سالم رہے گا ورنہ شہسوار اس کو روندیں گے اور اس کی ہریالی کا صفایا کر دیں گے۔"

جیفر نے کل تک کے لیے اپنا معاملہ مؤخر کر دیا، کل ہوئی تو قوت و طاقت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن پھر اپنے بھائی سے تنہائی میں مشورہ کیا۔ اس کے دوسرے دن دونوں بھائی مسلمان ہو گئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا اور جس کسی نے ان کی مخالفت کی اس کے خلاف مددگار ثابت ہوئے۔

عبد اور جیفر کے پاس یہ خط فتح مکہ کے بعد بھیجا گیا، جب کہ بقیہ خطوط حدیبیہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد بھیجے گئے تھے۔

غزوۂ غابہ یا غزوۂ قرد

(محرم ۷ ہجری)

حدیبیہ کی صلح میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ دس سال جنگ بند رہے گی۔ اس کی بدولت رسول اللہ ﷺ جزیرۃ العرب میں اپنے سب سے بڑے دشمن قریش سے مطمئن ہو کر مکر و دغا، غداری و بدعہدی، احزاب کو بھڑکانے کے لحاظ سے سب سے گندے دشمن یہود سے حساب چکانے کے لیے فارغ ہو چکے تھے۔ یہود خیبر اور اس کے شمال میں آباد تھے، نبی ﷺ ان کی طرف نکلنے کی تیاری فرما ہی رہے تھے کہ ایک ہلکا سا حادثہ پیش آ گیا، جسے غزوۂ غابہ کہتے ہیں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اونٹ ''احد'' کے اطراف میں ''غابہ'' کے اندر چرنے کے لیے بھیج رکھے تھے۔ ساتھ میں آپ ﷺ کا غلام رباح، اونٹوں کا چرواہا اور سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا بھی تھا۔ اچانک عبدالرحمن بن عیینہ فزاری نے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور چرواہے کو قتل کر کے سارے اونٹ ہانک لے گیا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا رباح کو دیا کہ وہ جلدی سے مدینہ جا کر حادثے کی اطلاح دیں۔ خود ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر مدینہ کا رخ کیا اور تین بار نہایت بلند آواز سے پکارا:

(یَاصَبَاحَاہُ) ''ہائے صبح کا حملہ''

پھر حملہ آوروں کے پیچھے چل نکلے، وہ تیر برسا رہے تھے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے:

خُذْهَا، أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ
وَ الْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

''یہ لے، میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کا دن دودھ پینے والے کا دن ہے۔''

غرض وہ مسلسل تیر برساتے اور زخمی کرتے رہے۔ جب دشمن کا کوئی سوار پلٹ کر آتا تو وہ کسی درخت کی اوٹ میں بیٹھ جاتے اور تیر مارتے۔ پھر دشمن پہاڑ کے ایک تنگ راستے میں داخل ہوا تو یہ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے اور ان پر پتھر لڑھکانے لگے۔ یوں اس کا پیچھے کیے رکھا یہاں تک کہ اس نے سارے اونٹ چھوڑ دیے، لیکن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے پھر بھی ان کا پیچھا کیے رکھا اور ان کو تیر مارتے رہے۔ یہاں تک کہ بوجھ کم کرنے کے لیے اس نے تیس چادریں اور تیس نیزے پھینک دیے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ان پر (بطور نشان) تھوڑے تھوڑے پتھر ڈالتے گئے تاکہ انہیں پہچان لیا جائے۔

پھر وہ لوگ گھاٹی کے ایک موڑ پر بیٹھ گئے، حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بھی ایک چوٹی پر جا بیٹھے۔ یہ دیکھ کر ان کے چار آدمی چڑھ کر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف آئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تم جانتے ہو میں کون ہوں، میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہوں۔ تم میں سے کسی کو دوڑاؤں گا بے دھڑک پالوں گا جو کوئی مجھے دوڑائے گا ہرگز نہ پاسکے گا۔''

یہ سن کر وہ سب واپس چلے گئے۔

کچھ دیر بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواروں کو دیکھا کہ وہ درختوں کے درمیان چلے آرہے ہیں۔ آگے اخرم تھے پھر قتادہ پھر مقداد رضی اللہ عنہم۔ حضرت اخرم رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن میں ٹکر ہوئی۔ اخرم رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن کا گھوڑا زخمی کیا لیکن عبدالرحمٰن نے انہیں نیزہ مار کر شہید کر دیا اور ان کے گھوڑے پر پلٹ آیا۔ مگر اتنے میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن کے سر پر جا پہنچے اور اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ دشمن کے باقی آدمی بھاگ کھڑے ہوئے اور انہیں ان سواروں نے جا کھدیڑا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ پیدل دوڑ رہے تھے، سورج ڈوبنے سے کچھ پہلے دشمن ایک گھاٹی میں پہنچا، جس میں ''ذی قرد'' نام کا ایک چشمہ تھا۔ دشمن پیاسا تھا اور پانی پینا چاہتا تھا لیکن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر اسے پرے رکھا۔

رسول اللہ ﷺ اور شہسوار صحابہ رضی اللہ عنہم دن ڈوبنے کے بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے کہا:

"یارسول اللہ ﷺ! یہ سب پیاسے تھے، اگر آپ مجھے سو آدمی دے دیں تو میں ان کے جانوروں سمیت ان کی گردنیں پکڑ لاؤں۔"

آپ نے فرمایا:

"اکوع کے صاحبزادے! تم قابو پا گئے ہو، اب ذرا نرمی برتو۔"

پھر آپ نے فرمایا:

"اس وقت بنوغطفان میں ان کی مہمان نوازی کی جارہی ہے۔"

اس غزوے میں آپ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو پیدل اور سوار دونوں کے حصے دیے، عضباء اونٹنی پر انہیں اپنے پیچھے بٹھایا اور فرمایا:

"آج ہمارے بہترین سوار ابوقتادہ اور بہترین پیادہ سلمہ رضی اللہ عنہما ہیں۔"

یہ غزوہ آپ ﷺ کی خیبر روانگی سے صرف تین روز پہلے پیش آیا۔ اس غزوے کے دوران آپ نے مدینہ کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپا اور پرچم حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو دیا۔

غزوۂ خیبر

(محرم ۷ ہجری)

محرم ۷ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے خیبر کا قصد فرمایا۔ اس موقع پر ان لوگوں نے بھی اجازت چاہی جو حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا:

''آپ کے ساتھ وہی آدمی روانہ ہو جسے جہاد کی خواہش ہے۔ رہا مال غنیمت تو اس میں سے کچھ نہ ملے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیعت رضوان والے چودہ سو افراد کے سوا کوئی نہ نکلا۔''

آپ ﷺ نے مدینہ کا انتظام سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو سونپا، پھر خیبر جانے والے معروف کاروانی راستہ پر چل پڑے۔ تقریباً آدھا راستہ طے کر لینے کے بعد آپ نے دوسرا راستہ منتخب فرمایا جو ملک شام کی جانب سے خیبر پہنچتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح یہودیوں کے ملک شام کا راستہ بند کر دیں۔

آپ ﷺ نے آخری رات خیبر کے قریب گزاری مگر یہود بے خبر رہے۔ پھر صبح، فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی اور سوار ہو کر خیبر کی آبادی کا رخ کیا۔ ادھر یہود بے خبری میں اپنے پھاوڑے اور ٹوکریاں وغیرہ لے کر اپنی زمینوں کی طرف نکلے تو اچانک لشکر دیکھ کر چیختے ہوئے بھاگے کہ:

''واللہ! محمد ﷺ لشکر سمیت آ گئے ہیں۔''

نبی ﷺ نے فرمایا:

"اللہ اکبر! خیبر تباہ ہوا۔ جب ہم کسی قوم کے درمیان میں اتر پڑتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔"

خیبر مدینہ سے ۱۷۱ کلومیٹر شمال میں ہے۔ اس وقت اس کی آبادی تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی:

① نطاۃ ② کتیبہ ③ شق

نطاۃ میں تین قلعے تھے: حصن ناعم، حصن صعب بن معاذ، حصن قلعۃ الزبیر۔ شق میں دو قلعے تھے: حصن ابی اور حصن نزار۔ کتیبہ میں تین قلعے تھے: حصن قموص، حصن وطیح، حصن سلالم۔

ان کے علاوہ خیبر میں مزید قلعے اور گڑھیاں بھی تھیں، مگر وہ چھوٹی تھیں اور قوت و حفاظت میں ان قلعوں کے ہم پلہ نہ تھیں۔

نطاۃ کی فتح:

رسول اللہ ﷺ نے نطاۃ کے قلعوں کے مشرق میں تیروں کی پہنچ سے دور پڑاؤ ڈالا اور حصن ناعم کے محاصرے سے جنگ کا آغاز کیا۔ یہ بہت محفوظ، بلند اور مشکل چڑھائی والا قلعہ تھا۔ یہود کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس میں ان کا شہ زور بہادر "مرحب" تھا جو ہزار مردوں کے برابر مانا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ چند روز فریقین میں تیراندازی ہوئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فتح کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

"کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ نیز جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت رکھتے ہیں۔"

یہ سن کر انصار و مہاجرین سب نے اسی آرزو کے ساتھ رات گزاری کہ جھنڈا اسے دیا جائے۔ صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "علی کہاں ہیں؟"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: "ان کی آنکھ دکھتی ہے۔"

آپ ﷺ نے انہیں بلا بھیجا، وہ لائے گئے آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب

دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ وہ شفایاب ہو گئے، گویا انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں پھر انہیں جھنڈا دیا اور فرمایا:

''جنگ سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو۔''

ادھر یہود نے اپنی عورتیں اور بچے ''شق'' کے قلعہ میں منتقل کر دیے تھے اور اسی صبح طے کیا تھا کہ کھلے میدان میں جنگ کریں گے۔ چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو انہیں جنگ کے لیے بالکل تیار پایا۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، انہوں نے صاف صاف انکار کر دیا اور ''مرحب'' نے اپنی تلوار لے کر ناز و تکبر سے اٹھلاتے ہوئے دعوت مبارزت دی، وہ کہتا جا رہا تھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبُ
شَاكِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ
اِذَا الْحُرُوْبُ اَقْبَلَتْ تُلَهِّبُ

''خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار پوش، بہادر اور تجربہ کار، جب جنگ و پیکار شعلہ زن ہو۔''

اس کے مقابل حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے وہ کہہ رہے تھے:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ عَامِرُ
شَاكِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرُ

''خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں ہتھیار پوش، شہ زور اور جنگجو۔''

پھر دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیا۔ مرحب کی تلوار حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے ڈھال میں پھنس گئی اور حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اپنی تلوار سے یہودی کی پنڈلی مار دیں مگر ان کی تلوار چھوٹی تھی۔ اس کی پنڈلی تک پہنچنے کے بجائے پلٹ کر حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں آ لگی اور بعد میں وہ اسی چوٹ سے انتقال کر گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا:

''ان کے لیے دوہرا اجر ہے، وہ بڑے جاں باز مجاہد تھے، کم ہی ان جیسا کوئی عرب

روئے زمین پر چلا ہوگا۔"

اب مرحب کے مقابل حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے، وہ یہ رجز کہہ رہے تھے۔

أَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ أُمِّیْ حَیْدَرَہْ

کَلَیْثِ غَابَاتٍ کَرِیْہِ الْمَنْظَرِہْ

أُوْفِیْہِمْ بِالصَّاعِ کَیْلَ السَّنْدَرَہْ

"میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ جنگل کے شیر کی طرح خوفناک۔ میں انہیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔"

اس کے بعد مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ پھر مرحب کے بھائی یاسر نے نکل کر دعوت مبارزت دی، اس کے مقابل حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے اور اسے اس کے بھائی کے پاس پہنچا دیا۔ اس کے بعد گھمسان کا رن پڑا اور کئی یہودی سردار مارے گئے جس سے ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ اپنے مورچے چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور بزور قلعہ میں داخل ہوگئے۔ یہود نے بھاگ کر اس سے متصل حصن الصعب میں مورچہ بندی کی۔ مسلمانوں کو حصن ناعم میں بہت سا غلہ، کھجور اور ہتھیار ہاتھ آیا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت حصن صعب کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ تین دن جاری رہا۔ تیسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح وغنیمت کی دعا کی پھر مسلمانوں کو حملے کی دعوت دی۔ مسلمانوں نے شدت کا حملہ کیا۔ اس قلعے میں سب سے زیادہ خوراک اور چربی تھی اور یہ مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ کارآمد قلعہ تھا۔ مسلمان اس سے پہلے سخت بھوک کا شکار تھے، چنانچہ بہت سے لوگوں نے گدھے ذبح کر دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا گوشت کھانے سے منع کر دیا۔ آپ کے حکم سے ہانڈیاں جو آگ پر چڑھی تھیں اور جن میں یہ گوشت پک رہا تھا، الٹ دی گئیں۔

اب یہود نے قلعۃ الزبیر میں پناہ لی اور وہاں قلعہ بند ہوگئے۔ یہ نطاۃ کا تیسرا اور آخری قلعہ تھا، مسلمانوں نے اس کا بھی محاصرہ کرلیا۔ چوتھے دن ایک یہودی نے چند نالیاں بتائیں

جن سے یہود پینے کا پانی حاصل کرتے تھے، مسلمانوں نے یہ نالیاں کاٹ دیں۔ یہود نے قلعہ سے نکل کر سخت لڑائی کی، لیکن شکست کھا کر شق کی جانب بھاگ نکلے اور وہاں حصن ابی میں قلعہ بند ہو گئے۔

شق کی فتح:

مسلمانوں نے پیچھا کر کے وہاں بھی ان کا محاصرہ کر لیا چنانچہ وہ نہایت سخت لڑائی کے لیے تیار ہو کر نکلے۔ ان کے ایک بہادر نے نکل کر دعوت مبارزت دی اور مارا گیا۔ پھر دوسرا نکلا اور وہ بھی مارا گیا۔ اسے حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ اسے قتل کرتے ہی وہ تیزی سے قلعہ میں جا گھسے اور ان کے ساتھ ہی مسلمان بھی گھس گئے۔ کچھ دیر قلعہ کے اندر لڑائی ہوئی۔ پھر یہود نے راہ فرار اختیار کی اور اس علاقے کے دوسرے اور آخری قلعے ''حصن نزار'' میں قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں کو حصن ابی میں بہت سا سامان، بھیڑ بکریاں اور غلہ ہاتھ آیا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے آگے بڑھ کر حصن نزار کا محاصرہ کر لیا مگر یہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ جہاں پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی اور یہاں یہود نے اپنی حفاظت کا بڑا سخت انتظام کیا تھا۔ انہیں تقریباً یقین تھا کہ اس میں مسلمان داخل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اس میں عورتوں، بچوں سمیت قیام کیا۔ تیر اور پتھر برسا برسا کر سخت ترین جوابی کارروائی کی۔ جواب میں مسلمانوں نے منجنیق نصب کیا جس سے ان کے دلوں پر رعب چھا گیا اور وہ کوئی قابل ذکر سختی جھیلے بغیر کتیبہ کے علاقے میں بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے اس قلعے میں تانبے اور مٹی کے برتن پائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انہیں دھولو اور ان میں پکاؤ۔''

کتیبہ کی فتح:

اس کے بعد مسلمان ''قلعہ قموص'' کی طرف بڑھے۔ یہ ''کتیبہ'' کا پہلا قلعہ تھا۔ چودہ دن یا بیس دن تک اس کا محاصرہ جاری رکھا۔ اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ یہود نے پناہ طلب کر لی اور کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے بزور طاقت قلعہ فتح کیا۔ یہود باقی دو قلعے ''وطیح'' اور

''سلالم'' کی طرف نکل بھاگے۔ جب مسلمانوں نے ان کے محاصرے کے لیے پیش قدمی کی تو یہود نے اس شرط پر امان طلب کر لی کہ وہ عورتوں بچوں سمیت خیبر کی سرزمین سے جلاوطن ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے یہ شرط منظور فرمالی۔ یہ بھی اجازت دے دی کہ سونے، چاندی، گھوڑے اور ہتھیار کے علاوہ اپنی سواریوں پر جو کچھ اور جتنا کچھ لاد سکتے ہیں، لے جائیں اور اگر کچھ چھپایا تو ذمہ ختم سمجھا جائے گا۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں یا تینوں قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیے۔ مسلمانوں کو ایک سو زرہیں، چار سو تلواریں، ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی کمانیں ہاتھ آئیں۔ تورات کے کچھ صحیفے بھی ملے لیکن یہ مانگنے والوں کو واپس دے دیے گئے۔

کنانہ بن ابی الحقیق اور اس کے بھائی نے بدعہدی کی اور بہت سا سونا، چاندی اور جواہرات چھپا دیے، لہٰذا ان سے ذمہ ختم ہو گیا اور بدعہدی کی سزا میں ان دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ حیی بن اخطب کی صاحبزادی حضرت صفیہ کنانہ کے تحت تھیں، انہیں قیدیوں میں داخل کر لیا گیا۔

فریقین کے مقتولین:

اس غزوے میں کل ۹۳ یہودی مارے گئے اور مسلمان شہداء کی تعداد ۱۵، ۱۶ یا ۱۸ تھی۔

مہاجرین حبشہ ابو ہریرہؓ اور ابان بن سعیدؓ کی آمد:

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ جو نجاشی کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر گئے تھے، جب وہ مہاجرین حبشہ کو ساتھ لے کر واپس ہوئے تو ان میں سے ایک جماعت نے خیبر کا رخ کیا، جس میں جعفر بن ابی طالب اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا اور ابھی مال غنیمت تقسیم نہیں ہوا تھا۔ نبی ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا اور فرمایا:

''واللہ! میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہے؟ خیبر کی فتح کی یا جعفر کی آمد کی۔''

اور جب مال خیبر تقسیم کیا تو انہیں بھی مال غنیمت سے حصہ دیا۔ باقی مہاجرین حبشہ سے، بچوں اور عورتوں سمیت سیدھے مدینے تشریف لے آئے تھے۔

فتح خیبر کے بعد آپ کی خدمت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوئے۔ وہ آپ ﷺ کے خیبر روانہ ہونے کے بعد مدینہ آ کر مسلمان ہوئے، پھر اجازت لے کر خیبر روانہ ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی خیبر کی غنیمت میں سے حصہ دیا۔ فتح خیبر کے بعد آپ کی خدمت میں حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوئے۔ وہ ایک سریہ لے کر نجد تشریف لے گئے تھے اور اپنی مہم پوری کر کے خیبر آ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی غنیمت میں ان کا اور ان کے ساتھیوں کا حصہ نہ رکھا۔

خیبر کی تقسیم:

جب یہود نے امان حاصل کر لی تو جلا وطنی سے پہلے ایک نئی تجویز پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ:

> ''اے محمد (ﷺ)! ہمیں اسی سرزمین میں رہنے دیں۔ ہم اس کی دیکھ بھال کریں گے، کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے زیادہ اس کی معلومات ہیں۔ پھل اور غلے کی جو پیداوار ہو گی اس کا آدھا آپ ہمیں دے دیں گے۔''

آپ ﷺ نے اس شرط پر اسے منظور کر لیا کہ آپ جب چاہیں گے انہیں خیبر سے جلاوطن کر دیں گے۔ چنانچہ اس شرط پر وہ باقی رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ...... جبکہ انہوں نے شر اور خبث کی راہ اختیار کر لی تھی ...... انہیں جلا وطن کر دیا گیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو چھتیس (۳۶) حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصہ ایک سو حصوں کا مجموعہ تھا۔ اس میں نصف، یعنی اٹھارہ حصے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات وحوادث کے لیے الگ کر لیے۔ باقی نصف (یعنی اٹھارہ) حصے اس طرح غازیوں میں تقسیم کیے کہ پا پیادہ کو ایک حصہ اور گھڑ سوار کو تین حصے دیے۔ ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ اس غزوے میں دو سو شہسوار تھے، ان کے چھ حصے ہو گئے اور بارہ سو پیدل تھے، ان کے بارہ حصے ہوئے۔

خیبر کھجور اور غلوں سے بھرا پڑا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا: ''اب ہمیں پیٹ بھر کر کھجور ملے گی۔'' خیبر سے مدینہ واپس آ کر مہاجرین نے انصار کو کھجوروں کے وہ درخت واپس کر دیے جو انصار نے بطور امداد انہیں دے رکھے تھے۔

زہریلی بکری:

جب حالات پرسکون ہو گئے اور خوف جاتا رہا تو یہود اپنے خبث پر پلٹ آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی۔ چنانچہ اپنے اکابر میں سے ایک شخص سلام بن مشکم کی بیوی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زہر آلود بکری ہدیہ کی۔ اسے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند ہے، لہٰذا اس نے بازو میں زیادہ زہر ڈالا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کا ایک لقمہ لے کر چبایا، پھر اسے تھوک دیا اور فرمایا کہ: ''یہ زہر آلود بکری ہے۔''

پھر اس عورت سے اور یہود سے دریافت کیا تو انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور کہا کہ ہم نے سوچا کہ:

''اگر یہ بادشاہ ہے تو ہم اس سے راحت پا جائیں گے، اگر نبی ہے تو اسے زہر نقصان نہ پہنچا سکے گا۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اور اس عورت کو معاف کر دیا۔ لیکن بعد میں بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ اسی زہر کی وجہ سے انتقال کر گئے تو آپ نے عورت کو قصاص میں قتل کرا دیا۔

اہل فدک کی سپردگی:

فدک خیبر کے مشرق میں دو دن کے فاصلے پر ایک بستی تھی جو آج کل ''حائل'' کے علاقے میں ''حائط'' کے نام سے معروف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پہنچ کر حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ''یہود فدک'' کے پاس بھیجا کہ انہیں اسلام کی دعوت دیں مگر انہوں نے تاخیر کی۔ لیکن جب خیبر کی فتح کا حال سنا تو ان پر رعب طاری ہو گیا اور انہوں نے پیغام دیا کہ ان کے ساتھ بھی اہل خیبر جیسا معاملہ کیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور فرما لیا۔ چنانچہ فدک کی

زمین رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص تھی۔ اس میں سے آپ اپنے اوپر خرچ فرماتے تھے، بنو ہاشم کے بچوں کی عیال داری کرتے تھے اور ان میں سے غیر شادی شدہ ضرورت مندوں کی شادی فرماتے تھے۔

وادی القریٰ:

رسول اللہ ﷺ خیبر کے بعد وادیٔ القریٰ تشریف لے گئے، وہاں کے باشندوں کو جو یہودی تھے اسلام کی دعوت دی، مگر انہوں نے نہ اسلام قبول کیا نہ اطاعت میں داخل ہوئے بلکہ جنگ کے لیے نکل آئے۔ ان کا ایک آدمی میدان میں آیا اور اسے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کردیا۔ پھر دوسرا آیا، اسے بھی انہی نے قتل کیا۔ پھر تیسرا آیا، اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ اس طرح ان کے گیارہ آدمی قتل ہوئے۔ جب بھی کوئی ایک آدمی مارا جاتا تو آپ باقی یہود کو اسلام کی دعوت دیتے اور جب بھی کوئی نماز پڑھتے تو اسلام کی دعوت دیتے، الغرض اسی طرح شام ہوگئی۔ دوسرے دن صبح آپ پھر تشریف لے گئے لیکن سورج ابھی نیزہ برابر بھی بلند نہ ہوا تھا کہ یہود شکست کھا گئے، مسلمانوں نے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا پھر یہود نے گزارش کی کہ ان کے ساتھ بھی اہل خیبر جیسا معاملہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے منظور فرمالیا۔

اہل تیماء کی مصالحت:

''تیماء'' کے یہود کو خیبر، فدک اور وادی القریٰ کی خبریں موصول ہوئیں تو انہوں نے جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت کرلی اور اپنے علاقے میں امن کے ساتھ برقرار رہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی:

حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا کو جب قیدیوں میں شامل کیا گیا تو انہیں رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ نے لے لیا، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے آکر عرض کی کہ وہ صرف آپ کی شایان شان ہے۔ وہ قریظہ اور نضیر کی سردار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلا کراہ پر اسلام پیش کیا، انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں آزاد کرکے ان سے شادی کرلی۔ ان کی آزادی ہی کو مہر قرار دیا اور انہیں بعض

عورتوں کے حوالے کر دیا۔

جب خیبر اور وادی القریٰ فتح ہو گئے، فدک اور تیماء کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی، آپ ﷺ نے مدینہ واپسی کی راہ لی تو ''وادیٔ صہباء'' میں پہنچ کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حلال (حیض سے پاک) ہو گئیں۔ چنانچہ انہیں آپ ﷺ کے پاس رخصت کر دیا گیا۔ آپ نے دولہے کی حیثیت سے ان کے ہمراہ صبح کی۔ کھجور، پنیر اور گھی ملا کر ولیمہ کھلایا اور تین روز شب ہائے عروسی کے طور پر ان کے ساتھ قیام فرمایا، پھر روانہ ہو گئے اور صفر ۷ ہجری کے اواخر یا ربیع الاوّل ۷ ہجری کے اوائل میں مدینہ تشریف لائے۔

غزوۂ ذات الرقاع

(جمادی الاولیٰ ۷ ہجری)

خیبر سے مدینہ آ کر رسول اللہ ﷺ مطمئن ہو چکے تو سنا کہ بنو انمار، ثعلبہ اور محارب کے بدو اکٹھے ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ کا انتظام حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سونپا اور سات سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر واقع مقام نخل کا رخ کیا۔ وہاں بنو غطفان کی ایک جمعیت سے آمنا سامنا ہوا۔ دونوں فریق ایک دوسرے کے قریب آئے اور بعض نے بعض کو خوف زدہ کیا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔ نماز کی اقامت کہی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی، پھر وہ چلے گئے اور دوسرے گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی، اس طرح آپ ﷺ کی چار رکعت نماز ہوئی اور لشکر کی دو دو رکعت۔ یہی ''صلوٰۃِ خوف'' ہے اس کی اور بھی صورتیں ہیں جو احادیث میں مروی ہیں۔

پھر اللہ نے دشمن کے دل میں رعب ڈال دیا۔ اس کی جمعیت پراگندہ ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس آ گئے۔

اس غزوے کا نام اس لیے ''ذات الرقاع'' پڑ گیا کہ مسلمانوں کے قدم پیدل چلنے کی وجہ سے زخمی ہو گئے تھے اور انہوں نے اس پر چیتھڑے لپیٹ لیے تھے۔ چیتھڑوں کو عربی میں ''رقاع'' کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس کی زمین اور پہاڑ مختلف رنگ کے تھے، گویا وہ ''رقاع'' یعنی پیوند تھے اور کہا جاتا ہے کہ غزوے کی جگہ کا نام ہی یہی ہے۔

تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟

اس غزوے میں سب سے دلچسپ بات یہ پیش آئی کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے پڑاؤ ڈالا اور اس پر اپنی تلوار لٹکا کر سو گئے۔ بقیہ لوگ مختلف درختوں کے نیچے جا کر سو گئے، ایک مشرک نے آ کر رسول اللہ ﷺ کی تلوار سونت لی اور آپ ﷺ بے خبر سو رہے تھے مگر اتنے میں آپ جاگ گئے اور تلوار اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی۔ اس نے کہا:

''تم مجھ سے ڈرتے ہو؟''

آپ نے فرمایا: ''نہیں!''

اس نے کہا: ''تو تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ۔''

یہ سن کر اس کے ہاتھوں سے تلوار گر گئی۔ وہ تلوار رسول اللہ ﷺ نے اٹھا لی پھر آپ نے فرمایا:

''اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟''

اس نے کہا: ''آپ اچھے پکڑنے والے ہوئے (یعنی احسان کیجیے)۔''

آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی، وہ مسلمان تو نہ ہوا لیکن یہ عہد کیا کہ وہ نہ آپ سے لڑائی کرے گا نہ لڑنے والوں کے ساتھ ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے اس کی راہ چھوڑ دی۔ اس نے اپنی قوم میں واپس جا کر کہا:

''میں تمہارے پاس سب سے اچھے انسان کے یہاں سے آ رہا ہوں۔''

عام اہل مغازی کہتے ہیں کہ یہ غزوہ ۴ ہجری میں پیش آیا مگر صحیح یہ ہے کہ یہ ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس غزوے میں موجود تھے۔ یہ دونوں نبی ﷺ کے پاس غزوۂ خیبر کے بعد آئے تھے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

اس غزوے سے پہلے اور اس کے بعد راستوں کے امن، ظالموں کی تادیب اور اکٹھا

ہونے والوں کی کو منتشر کرنے کے لیے متعدد ''سرایا'' روانہ کیے گئے لیکن طوالت سے بچنے کے لیے ان کا ذکر چھوڑا جا رہا ہے۔

عمرۂ قضاء

(ذیقعدہ ۷ ہجری)

ذی قعدہ ۷ ہجری میں رسول اللہ ﷺ اس عمرے کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے جس پر حدیبیہ کی صلح میں اتفاق ہوا تھا۔ چنانچہ مدینہ کا انتظام حضرت ابو رہم غفاری رضی اللہ عنہ کو سونپا، قربانی کے ساٹھ اونٹ ساتھ لیے اور ان پر ناجیہ بن جندب اسلمی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ قریش کی غداری کے اندیشے سے ہتھیار ساتھ لے لیے، ایک سو گھوڑے بھی ہمراہ تھے جن پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

پھر ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا اور لبیک پکارا، صحابہ رضی اللہ عنہم "وادیٔ یاجج" پہنچے تو سارے ہتھیار رکھ دیے اور ان کی حفاظت کے لیے حضرت اوس بن خولیٰ انصاری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں دوسو آدمی وہیں چھوڑ دیے۔ صرف سوار کا ہتھیار یعنی میان میں رکھی ہوئی تلواریں لے کر "کداء" کے راستے سے جو "حجون" پر نکلتا ہے، مکہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ بھی لبیک پکار رہے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم تلواریں حمائل کیے آپ کو گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ آپ اپنی "قصواء" اونٹنی پر سوار تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی لبیک پکار رہے تھے، اس طرح آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ چھڑی سے حجر اسود کو چھوا، پھر سواری ہی پر طواف کیا اور مسلمانوں نے بھی طواف کیا۔ وہ قوت وجوانمردی کی شان کے مطابق داہنے کندھے کھولے خانہ کعبہ کے گرد دوڑ رہے تھے اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے آگے آگے تلوار حمائل

کیے یہ اشعار کہہ رہے تھے:

خَلُّوا بَنِی الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِهٖ   خَلُّوا فَکُلُّ الْخَیْرِ فِیْ رَسُوْلِهٖ
اَلْیَوْمَ نَضْرِبُکُم عَلیٰ تَاْوِیْلِهٖ   کَمَا ضَرَبْنَاکُمْ عَلیٰ تَنْزِیْلِهٖ
ضَرْبًا یُزِیْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِیْلِهٖ   وَیُذْهِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِهٖ

''کفار کے بیٹو! ان کا راستہ چھوڑ دو، راستہ چھوڑ دو کہ ساری بھلائی اس کے پیغمبر ہی میں ہے۔ آج ہم اس کی تاویل پر تمہیں ماریں گے، جیسے اس کی تنزیل پر تمہیں مار چکے ہیں۔ مار بھی ایسی ماریں گے کہ کھوپڑی اپنی جگہ سے چھٹک جائے گی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دے گی۔''

مشرکین کعبہ کے شمال میں ''قعیقعان'' پہاڑ پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہا تمہارے پاس ایک ایسی جماعت آ رہی ہے، جسے یثرب کے بخار نے توڑ ڈالا ہے'' لیکن جب مسلمانوں کو دیکھا کہ دوڑ رہے ہیں تو کہنے لگے کہ ''یہ تو ایسے ایسے لوگوں سے بھی تگڑے ہیں۔'' درحقیقت رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ پہلے تین چکروں میں دوڑ لگائیں، تاکہ مشرکین کو اپنی قوت دکھلائیں۔ البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان نہ دوڑیں کیونکہ یہ حصہ جنوب میں تھا جسے مشرکین دیکھ نہیں رہے تھے۔

طواف سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے ''صفا'' اور ''مروہ'' کی سعی کی اور ان کے سات پھیرے لگا کر مروہ کے پاس قربانی کے جانور ذبح کیے۔ وہیں اپنا سر منڈوایا۔ مسلمانوں نے بھی یہی کیا۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کو ''یاجج'' بھیج دیا کہ وہ ہتھیاروں کی حفاظت کریں اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے وہ آ کر اپنا عمرہ ادا کر لیں۔

مکے میں آپ ﷺ نے تین روز قیام فرمایا اور اس دوران میمونہ بنت الحارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ وہ سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں۔ انہیں جب شادی کا پیغام ملا تو انہوں نے اپنا معاملہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ان کی شادی کر دی، اس وقت نبی ﷺ حلال تھے

کیونکہ مکہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے آپ نے عمرہ کیا، پھر ''حلال'' ہوئے تو حلال ہی باقی رہے۔

چوتھے دن صبح رسول اللہ ﷺ نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کی راہ لی۔ مکہ سے نو میل دور مقام ''سرف'' پہنچے تو پڑاؤ ڈال کر قیام فرمایا اور وہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس رخصت ہو گئیں۔ پھر اللہ نے آپ ﷺ کے خواب کی جو تصدیق فرمائی تھی اور اپنے گھر کے طواف کا جو شرف بخشا تھا، اس پر خوش خوش مدینہ واپس تشریف لائے۔

اللہ کی تقدیر کا یہ بھی عجیب پہلو ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات بھی مقام ''سرف'' ہی میں ہوئی اور وہیں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔

عمرۂ قضاء سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ نے مختلف جہات میں چند ''سرایا'' روانہ فرمائے۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت ''سریہ موتہ'' کو حاصل ہے، پھر سریہ ''ذات السلاسل'' کو۔

معرکۂ موتہ

(جمادی الاولیٰ ۸ ہجری)

امراء اور بادشاہوں کو رسول اللہ ﷺ نے جو خطوط لکھے تھے ان کے ذکر میں یہ بات گزر چکی ہے کہ شرحبیل بن عمرو غسانی نے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو...... جو رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر امیر بصریٰ کے پاس جا رہے تھے......قتل کر دیا تھا۔ یہ حرکت اعلان جنگ کے ہم معنی تھی۔ اس لیے جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو آپ پر یہ بات سخت گراں گزری۔ چنانچہ آپ نے تین ہزار کا ایک لشکر تیار کر کے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا۔ نیز فرمایا کہ:

''اگر زید قتل کر دیے جائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ قتل کر دیے جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے۔''

اس لشکر کے لیے آپ نے سفید پرچم باندھا اور اسے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا اور وصیت فرمائی کہ جہاں حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تھے، وہاں پہنچ کر اس مقام کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دیں اور اگر وہ انکار کریں تو لڑائی کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے غزوہ کرو۔ دیکھو! بدعہدی نہ کرنا، کسی بچے اور عورت، فنا کے قریب بڈھے کو اور گرجے میں

رہنے والے تارک الدنیا کو قتل نہ کرنا، کھجور اور کوئی درخت نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا۔''

آپ ﷺ ''ثنیۃ الوداع'' تک لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے۔ پھر اسے الوداع کہا۔ اس لشکر نے جنوبی اردن پہنچ کر معان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ ہرقل ایک لاکھ کا لشکر لے کر ''مآب'' میں خیمہ زن ہے اور اس کے ساتھ مزید ایک لاکھ نصرانی عرب بھی شامل ہوگئے ہیں۔ اس اطلاع پر مسلمانوں نے دو راتیں مشورہ کیا کہ آیا رسول اللہ ﷺ کو لکھ کر آپ سے کمک طلب کریں یا جنگ میں کود پڑیں۔ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انہیں گرما دیا کہ:

''اب آپ لوگ جس بات سے کترا رہے ہیں.....یعنی شہادت...... یہ وہی چیز ہے جس کی طلب میں ہم نکلے ہیں۔''

انہوں نے مزید کہا:

''ہم تعداد اور قوت وکثرت کے بل پر نہیں لڑتے، بلکہ ہماری لڑائی اس دین کے بل پر ہے، جس سے اللہ نے ہمیں نوازا ہے۔ ہمارے سامنے تو دو ہی خوبیاں ہیں: ''غلبہ یا شہادت۔''

لوگوں نے کہا: ''ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں۔''

چنانچہ آگے بڑھ کر موتہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ پھر وہیں لشکر کو ترتیب دیا اور لڑائی کے لیے تیار ہوگئے۔

اب کیا تھا ایک خوفناک اور سنگین معرکہ شروع ہوگیا، جو تاریخ انسانی کا عجیب ترین معرکہ تھا۔ تین ہزار جانباز، دو لاکھ کے لشکر کا مقابلہ کر رہے تھے اور دو بدو ڈٹے ہوئے تھے۔ ہتھیاروں میں غرق یہ بھاری بھرکم لشکر دن بھر حملے کرتا اور اپنے بہت سے بہادر گنوا بیٹھتا تھا، لیکن اس مختصر سی نفری کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا۔

مسلمانوں کا ''علم'' حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لیا، پھر وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ دشمن کے نیزوں میں گھس گئے اور خلعت شہادت سے مشرف ہو کر زمین پر آرہے۔

ان کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا اور خوب خوب جنگ کی۔ جب لڑائی کی شدت شباب کو پہنچی تو اپنے سرخ وسیاہ گھوڑے کی پشت سے کود پڑے، کوچیں کاٹ دیں اور وار پر وار کیے، یہاں تک کہ ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور اسے مسلسل بلند رکھا۔ یہاں تک کہ بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔ پھر دونوں باقی ماندہ بازوؤں کی مدد سے جھنڈا آغوش میں لے لیا اور وہ آسمانی فضا میں لہراتا رہا، یہ نیزوں اور تیر کے نوے (۹۰) سے زیادہ زخم کھا کر خلعت شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ سارے زخم ان کے جسم کے اگلے حصے میں آئے تھے۔

ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی باری تھی، انہوں نے جھنڈا لیا۔ آگے بڑھے، پھر اپنے ''معمعہ'' نامی گھوڑے سے اتر کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ان کی شہادت پر جھنڈا ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے تھام لیا تاکہ گرنے نہ پائے اور مسلمانوں سے کہا کہ ''آپ لوگ کسی آدمی پر اتفاق کر لیں۔'' لوگوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اتفاق کر لیا۔ اس طرح ''جھنڈا'' اللہ کی تلواروں میں سے ایک ''تلوار'' کی طرف منتقل ہو گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اتنی پرزور اور بے نظیر جنگ کی کہ ان کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں، ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مدینہ میں اسی دن تینوں سپہ سالاروں کی شہادت کی خبر دی اور بتلایا کہ اب کمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔ انہیں اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار قرار دیا۔

دن ختم ہوا تو دونوں فریق اپنے اپنے کیمپوں میں واپس چلے گئے۔ صبح ہوئی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لشکر کی ترتیب بدل دی، پیچھے کو آگے، آگے کو پیچھے، دائیں کو بائیں اور بائیں کو دائیں کر دیا۔ دشمن نے سمجھا مسلمانوں کے پاس کمک آ گئی ہے اور اس پر رعب چھا گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہلکی سی جھڑپ کے بعد لشکر کو پیچھے ہٹانا شروع کیا، لیکن دشمن کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی، اسے خطرہ تھا کہ یہ کوئی چال نہ ہو۔ اس طرح مسلمان موتہ کی طرف سمٹ آئے اور سات دن تک دشمن سے جھڑپ کرتے رہے۔ پھر دونوں فریق رک گئے اور لڑائی ختم ہو گئی۔ کیونکہ رومیوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کو مسلسل کمک پہنچ رہی ہے اور وہ چال

چل کر رومیوں کو صحرا میں گھسیٹ لے جانا چاہتے ہیں، جہاں سے بچ نکلنا آسان نہیں۔اس طرح اس جنگ میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا۔

اس غزوے میں بارہ مسلمان شہید ہوئے، دشمن خاصے مارے گئے مگر ان کی تعداد معلوم نہ ہوسکی۔

سریہ ''ذات السلاسل'' (جمادی الاخریٰ ۸ ہجری):

معرکہ ''موتہ'' میں شامی عربوں کا جو موقف تھا اس کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے حکیمانہ اقدام کی ضرورت محسوس کی جو انہیں رومیوں کی مدد سے باز رکھ سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تیس گھوڑوں کے ساتھ روانہ کیا۔ چونکہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی دادی، ان کے قبائل میں سے ایک قبیلہ ''بلی'' سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے مقصود یہ تھا کہ ان کی تالیف قلب کی جائے لیکن اگر وہ انکار کریں تو روم کی تائید میں کھڑے ہونے پر انہیں سبق سکھایا جائے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے بڑی جمعیت فراہم کر رکھی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کمک طلب کی۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو سو سربرآوردہ مہاجرین و انصار کی کمک بھیجی، لیکن امیر عام اور نماز کے امام حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ کمک آجانے کے بعد انہوں نے (بلاد قضاعہ کے علاقہ ''قضاعہ'') کو دور تک روندا، ایک لشکر سے سامنا ہوا لیکن جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو وہ ادھر ادھر بھاگ کر بکھر گیا۔

''سلاسل'' وادی القریٰ سے آگے ایک خطۂ زمین اور ایک چشمے کا نام ہے۔ اسی کی طرف یہ سریہ منسوب ہے، کیونکہ مسلمانوں نے یہیں پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ سریہ جمادی الاخریٰ ۸ ہجری میں یعنی غزوۂ موتہ کے ایک مہینہ بعد بھیجا گیا۔

غزوۂ فتح مکہ

(رمضان ۸ ہجری)

سبب تیاری اور اِخفا:

رمضان ۸ ہجری میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ مکرمہ کی فتح کا شرف بخشا۔ یہ سب سے عظیم فتح تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور رسول ﷺ کو عزت بخشی۔ اپنے گھر اور اپنے شہر کو غلط ہاتھوں سے آزاد کیا۔ اس فتح پر آسمان والوں نے بھی خوشی منائی اور کفار اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوئے۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ بنو بکر حدیبیہ کے معاہدہ میں قریش کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، ان میں اور بنوخزاعہ میں دور جاہلیت سے خون ریزی اور کشمکش چلی آ رہی تھی۔ جس کی آگ اسلام کی آمد آمد کے سبب وقتی طور پر بجھ گئی تھی۔ جب حدیبیہ کی صلح واقع ہو چکی تو ''بنو بکر'' نے اسے غنیمت جانا اور موقع پا کر شعبان ۸ ہجری میں رات کے وقت بنوخزاعہ پر چھاپہ مارا۔ اس وقت بنوخزاعہ ''وتیر'' نامی ایک چشمے پر تھے، بنو بکر نے ان کے بیس سے زیادہ آدمی قتل کیے اور انہیں مکہ تک دھکیل لائے بلکہ مکہ کے اندر بھی ان سے لڑائی کی۔ قریش نے بھی پس پردہ ہتھیاروں اور آدمیوں سے ان کی مدد کی۔

بنوخزاعہ چونکہ صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور ان کے متعدد افراد مسلمان بھی ہو چکے تھے، اس لیے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع دی۔

آپ نے فرمایا:

''واللہ! میں جس چیز سے اپنی حفاظت کرتا ہوں اس سے تمہاری بھی ضرور حفاظت کروں گا۔''

ادھر قریش نے اپنی غلط کاری محسوس کی اور اس کے نتائج سے خوف زدہ ہوئے۔ اس لیے جھٹ ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ وہ عہد کو پختہ کرے اور مدت اور بڑھا دے۔ ابوسفیان مدینہ پہنچا تو اپنی صاحبزادی ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر آیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا:

''بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا؟''

انہوں نے کہا:

''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔''

ابوسفیان نے کہا:

''واللہ! میرے بعد تمہیں شر پہنچ گیا ہے۔''

پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں۔ انہوں نے کہا:

''میں نہیں کر سکتا۔''

اس کے بعد وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، انہوں نے انکار کیا اور سخت بات کی۔ اس کے بعد وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انہوں نے معذرت کی اور مشورہ دیا کہ وہ خود لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کرے اور واپس چلا جائے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوے کی تیاری شروع کر دی، صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دیا اور مدینہ کے گرد و پیش جو اعراب تھے ان میں بھی نفیر کرائی۔ البتہ خبر چھپائے رکھی اور دعا فرمائی کہ:

''اے اللہ! جاسوسوں اور خبروں کو قریش تک پہنچنے سے روک لے، تاکہ ہم ان کے

علاقے میں اچانک ان کے سروں پر پہنچ جائیں۔"

مزید راز داری کے لیے آپ ﷺ نے اوائل رمضان میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے ۳۶ میل دور "بطن اضم" کی طرف روانہ فرمایا تا کہ سمجھنے والا سمجھے کہ آپ اسی علاقہ کا رخ کریں گے۔

ادھر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کو ایک رقعہ لکھ کر یہ اطلاع دے بھیجی کہ رسول اللہ ﷺ حملہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے یہ رقعہ ایک عورت کو دیا اور اسے قریش تک پہنچانے پر معاوضہ رکھا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس آسمان سے خبر آ گئی۔ آپ نے حضرت علی، حضرت مقداد، حضرت زبیر اور حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہم کو یہ کہہ کر بھیجا کہ:

"روضہ خاخ" جاؤ، وہاں ایک ہودج نشین عورت ہو گی، جس کے پاس ایک رقعہ ہو گا۔ وہ اس سے لے لینا۔"

انہوں نے جا کر رقعہ طلب کیا، عورت نے کہا:

"میرے پاس کوئی رقعہ نہیں۔"

ان لوگوں نے کہا:

"یا تو رقعہ نکالو یا ہم تمہیں ننگا کر دیں گے۔"

اس پر اس نے اپنے جوڑے سے رقعہ نکالا۔

یہ لوگ اسے لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"حاطب یہ کیا ہے؟"

حاطب رضی اللہ عنہ نے معذرت کی کہ:

"مکہ میں ان کے اہل وعیال اور بال بچے ہیں۔ قریش میں ان کی کوئی قرابت نہیں کہ اس کی وجہ سے وہ ان کے بال بچوں کی حفاظت کریں۔ اس لیے انہوں نے چاہا کہ قریش پر ایک احسان کر دیں، جس کے عوض وہ ان کے بال بچوں کو حفاظت کریں۔ ورنہ انہوں نے یہ کام نہ اسلام سے مرتد ہونے کے سبب کیا ہے نہ کفر سے راضی ہونے کے سبب۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کے رسول! مجھے چھوڑیے! میں اس کی گردن ماردوں، کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے اور منافق ہو گیا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ جنگ بدر میں حاضر ہو چکا ہے اور تمہیں کیا پتہ؟ ہوسکتا ہے اللہ نے اہل بدر پر نمودار ہو کر کہا ہو تم لوگ جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور کہا:

''اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔''

مکہ کی راہ میں:

۱۰ رمضان ۸ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ چھوڑ کر مکے کا رخ کیا۔ آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ مدینہ پر ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا۔

''جحفہ'' پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ملے، وہ مسلمان ہو کر اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کرتے ہوئے آرہے تھے، ''ابواء'' میں آپ کے چچیرے بھائی ابوسفیان بن حارث اور پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابی امیہ ملے۔ آپ نے ان دونوں سے منہ پھیر لیا کیونکہ یہ دونوں آپ کو سخت اذیت پہنچاتے اور ہجو کرتے رہے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کے چچازاد اور پھوپھی زاد بھائی ہی آپ کے یہاں سب سے بدبخت ہوں۔''

ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کو سکھایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جاؤ اور ان سے وہی کہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا:

قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ ﴿٩١﴾ (یوسف: ۹۱)

''اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔''

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ ٱلْيَوْمَ يَغْفِرُ ٱللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ ﴿٩٢﴾ (یوسف: ۹۲)

''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، اللہ تمہیں بخش دے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔''

اس پر ابوسفیان نے آپ کو چند اشعار سنائے جن میں آپ کی مدح کی تھی اور اپنی پچھلی حرکتوں پر معذرت کی تھی۔

جب آپ ﷺ ''کدید'' پہنچے اور دیکھا کہ لوگوں پر روزہ گراں گزر رہا ہے تو روزہ توڑ دیا اور لوگوں کو بھی توڑنے کا حکم دیا۔ پھر سفر جاری رکھا، یہاں تک کہ عشاء کے وقت ''مرالظہران'' میں نزول فرمایا اور آپ کے حکم سے لشکر نے الگ الگ آگ جلائی یعنی دس ہزار آگ جلائی گئی اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پہرے پر مقرر فرمایا۔

ادھر ابوسفیان خوف و اندیشے کے عالم میں نکلا، اسے کچھ پتہ نہ تھا۔ اس کے ساتھ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء بھی تھے۔ آگ دیکھی تو کہنے لگا:

''آج جیسی آگ اور لشکر تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔''

بدیل نے کہا: ''یہ خزاعہ ہیں۔''

ابوسفیان نے کہا:

''خزاعہ اس سے کہیں کم اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو۔''

ابوسفیان دربارِ نبوت میں:

اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے خچر پر چکر لگا رہے تھے۔ آواز سنی تو پہچان گئے اور کہا: ''ابوحنظلہ'' اس نے کہا:

''ابوالفضل؟'' کہا ''ہاں!'' اس نے کہا ''کیا بات؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان!''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ''یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ لشکر سمیت، ہائے قریش کی تباہی،

...... واللہ!‘‘

اس نے کہا: ’’اب کیا حیلہ ہے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔‘‘

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

’’اگر وہ تمہیں پا گئے تو تمہاری گردن مار دیں گے، لہٰذا اس خچر پر پیچھے بیٹھ جاؤ، میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلتا ہوں۔‘‘

چنانچہ وہ پیچھے بیٹھ گیا۔ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا اور انہوں نے دیکھا تو کہا:

’’ابوسفیان؟ اللہ کا دشمن؟ اللہ کی حمد ہے کہ اس نے بغیر کسی عہد و پیمان کے تجھے (ہمارے) قابو میں کر دیا۔‘‘

اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خچر کو ایڑ لگائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلے پہنچ گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور آپ سے ابوسفیان کی گردن مارنے کی اجازت چاہی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

’’میں نے اسے پناہ دے رکھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر پکڑ لیا اور کہا آج رات میرے سوا کوئی اور آپ سے سرگوشی نہ کرے گا۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: ’’اسے اپنے ڈیرے پر لے جاؤ، صبح میرے پاس لے آنا۔‘‘

پھر صبح خدمت نبوی میں حاضر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا اب بھی تمہارے لیے وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں؟‘‘

ابوسفیان نے کہا:

’’میرے ماں باپ آپ پر فدا، آپ کتنے بردبار، کتنے کریم اور کتنے خویش پرور ہیں، اگر اللہ کے ساتھ کوئی الٰہ ہوتا تو اب تک میرے کچھ کام آیا ہوتا۔‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔"

ابوسفیان نے کہا:

"اس بات کے متعلق تو اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔"

اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اس سے پہلے کہ تمہاری گردن ماردی جائے، اسلام لاؤ۔"

چنانچہ ابوسفیان مسلمان ہو گیا اور حق کی شہادت دی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان رضی اللہ عنہ اعزاز پسند ہے، لہٰذا اسے کوئی اعزاز دیجیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہاں! جو ابوسفیان کے گھر گھس جائے اسے امان ہے اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کرلے اسے امان ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔"

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ:

اسی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ روانہ ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو وادی کی تنگنائے پر پہاڑ کے ناکے کے پاس روک رکھیں تاکہ وہاں سے گزرنے والی خدائی فوجوں کو ابوسفیان دیکھ سکے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ ادھر قبائل اپنے اپنے پرچم لیے گزرنے لگے، جب کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ پوچھتا کہ "عباس رضی اللہ عنہ یہ کون لوگ ہیں؟" جواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے: "فلاں (مثلاً بنوسلیم)۔"

ابوسفیان کہتا: "مجھ کو بنو فلاں سے کیا واسطہ؟"

یہاں تک کہ انصار کا دستہ گزرا، جس کا پرچم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا:

"ابوسفیان! آج خونریزی اور مار دھاڑ کا دن ہے۔ آج کعبہ حلال کیا جائے گا۔"

ابوسفیان نے کہا: "عباس! پامالی کا دن مبارک ہو۔"

پھر رسول اللہ ﷺ اپنے سبز دستے میں تشریف لائے، آپ مہاجرین وانصار کے درمیان فروکش تھے۔ یہاں صرف لوہے کی باڑ دکھائی پڑ رہی تھی۔ ابوسفیان نے کہا:

''سبحان اللہ! عباس! یہ کون لوگ ہیں؟''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ انصار ومہاجرین کے جلو میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''بھلا ان سے محاذ آرائی کی کسے طاقت ہے؟ تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بڑی زبردست ہوگئی۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ نبوت ہے۔'' اس نے کہا: ''اب تو جی ہاں!''

پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات بتلائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''سعد نے غلط کہا، آج کعبہ کی تعظیم کی جائے گی، آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔''

اور پرچم حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے لے کر ان کے صاحبزادے قیس کے حوالے کر دیا۔

نبی ﷺ کے گزرنے کے بعد ابوسفیان تیزی سے مکہ پہنچا اور نہایت بلند آواز سے پکارا:

''قریش کے لوگو! یہ محمد (ﷺ) ہیں تمہارے پاس اتنا لشکر لے کر آئے ہیں کہ مقابلہ کی تاب نہیں، لہٰذا جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائے، اسے امان ہے۔''

لوگوں نے کہا:

''اللہ تجھے مارے، تیرا گھر ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آسکتا ہے؟''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے، اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اسے بھی امان ہے۔''

یہ سن کر لوگ تیزی سے اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔

جب رسول اللہ ﷺ ذی طویٰ پہنچے تو میسرہ کے سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا

کہ وہ کدیٰ کے راستے مکہ میں زیریں حصے سے داخل ہوں اور کوئی آڑے آئے تو اسے کاٹ کر رکھ دیں، یہاں تک کہ صفا پر آپ ﷺ سے آملیں۔ میمنہ کے قائداور رسول اللہ ﷺ کے علم بردار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کداء کے راستے بالائی حصے سے مکہ میں داخل ہوں۔ حجون میں آپ کا پرچم گاڑ دیں اور رسول اللہ ﷺ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔ پیادہ اور بے ہتھیار لوگوں کے قائد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بطن کا راستہ پکڑیں اور مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے آگے اتریں۔

اس موقع پر قریش نے ''خندمہ'' میں کچھ اوباشوں کو جمع کیا۔ کہا کہ اگر انہیں کچھ کامیابی ہوئی تو ہم ان کے ساتھ ہو رہیں گے، ورنہ جو کچھ مطالبہ کیا جائے گا منظور کر لیں گے۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے تو ایک معمولی سی جھڑپ میں ان کے بارہ آدمیوں کو کاٹ ڈالا اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ مکہ کے گلی کوچوں کو روندتے ہوئے کوہِ صفا پر رسول اللہ ﷺ سے جا ملے۔ البتہ ان کے دستے کے دو آدمی راستہ بھٹک کر لشکر سے بچھڑ گئے اور مارے گئے۔

ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حجون میں ''مسجد فتح'' کے پاس جھنڈا گاڑا اور ایک خیمہ نصب کیا۔ جس میں حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما نے قیام کیا اور وہیں ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ تھوڑی دیر استراحت فرمائی، پھر آگے بڑھے۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ پھر آپ سورۂ فتح کی تلاوت کرتے ہوئے مہاجرین وانصار کے جلو میں مسجد حرام کے اندر داخل ہوئے۔ حجر اسود کو بوسہ دیا اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ حالت احرام میں نہ تھے، اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بت تھے، آپ ایک لکڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی انہیں ٹھوکر مارتے جا رہے تھے اور فرما رہے تھے:

جَآءَ ٱلْحَقُّ وَزَهَقَ ٱلْبَٰطِلُ ۚ إِنَّ ٱلْبَٰطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾

(الإسراء: ٨١)

''حق آ گیا باطل چلا گیا، یقیناً باطل جانے ہی والا ہے۔''

جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿٤٩﴾ (سبأ:٤٩)

''حق آ گیا اور باطل کی چلت پھرت ختم ہوگئی۔''

اور اس ضرب سے بت اپنے چہروں اور پہلو کے بل گرتے جا رہے تھے۔

کعبہ کی تطہیر اور اس میں نماز:

جب آپ طواف سے فارغ ہو گئے تو عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی اور اسے کھولنے کا حکم دیا۔ پھر اس میں جو بت تھے انہیں نکلوا کر تڑوا دیا اور جو تصویریں تھیں انہیں موڑ دیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم، اسامہ بن زید اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر اس کے مقابلے کی دیوار سامنے کی اور اس سے تین ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے ہوئے۔ اپنے بائیں ایک کھمبا، دائیں ہاتھ دو کھمبے اور پیچھے تین کھمبے کیے۔ دو رکعت نماز پڑھی، پھر بیت اللہ میں گھوم کر اس کے اطراف میں اللہ کی تکبیر و توحید کے کلمات کہے۔

آج تم پر کوئی سرزنش نہیں:

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھولا، قریش مسجد حرام میں صفیں لگائے کھچا کھچ بھرے تھے۔ آپ نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر ایک بلیغ خطبہ دیا، جس میں اسلام کے بہت سے احکام بیان کیے، امور جاہلیت کو ساقط کیا اور اس کی نخوت کے خاتمے کا اعلان کیا۔ پھر فرمایا:

''قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے؟ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟''

انہوں نے کہا:

''اچھا...... آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

((لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ))

''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

پھر نیچے تشریف لا کر مسجد حرام میں بیٹھے، کنجی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو واپس کی اور فرمایا:

"اسے ہمیشہ ہمیش کے لیے لے لو، تم لوگوں سے اسے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔"

بیعت:

اس کے بعد آپ ﷺ تشریف لائے اور اتنے اوپر چڑھے کہ بیت اللہ کو دیکھ سکیں، پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اس کے بعد لوگوں سے اسلام پر بیعت کی۔ اس دن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ بھی مسلمان ہوئے۔ ان کے اسلام لانے سے رسول اللہ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی۔ پھر مردوں کے بعد آپ نے اس بات پر عورتوں سے بیعت لی کہ:

"اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے گھڑ کر کوئی بہتان نہ لائیں گی اور کسی بھلی بات میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی۔"

اس دن بیعت کرنے والی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ وہ نقاب لگا کر اور بھیس بدل کر آئیں۔ دراصل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ساتھ انہوں نے جو حرکت کی تھی اس کی وجہ سے انہیں اپنی جان کا ڈر تھا۔ جب ان کی بیعت پوری ہو چکی تو انہوں نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر کوئی خیمہ ایسا نہ تھا کہ جس کا ذلیل ہونا مجھے آپ کے خیمے والوں سے بڑھ کر پسند رہا ہو۔ اب روئے زمین پر کوئی خیمہ ایسا نہیں ہے کہ اس کا عزیز ہونا مجھے آپ کے خیمے والوں سے بڑھ کر پسند ہو۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! معاملہ بالکل ایسا ہی ہے۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے نیچے بیٹھے تھے۔ لوگوں کو آپ کی بات پہنچا رہے تھے اور آپ کی طرف سے بیعت بھی لے رہے تھے۔ عورتوں کی بیعت مصافحہ کے بغیر صرف کلام کے ذریعہ ہوتی تھی۔ بعض لوگ رسول اللہ ﷺ سے ہجرت پر بیعت کرنے آئے۔ آپ نے فرمایا:

''ہجرت والے ہجرت کا اجر لے گئے، فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں۔ البتہ جہاد اور نیت ہے اور جب تم سے جنگ میں نکلنے کے لیے کہا جائے تو نکل پڑو۔''

مجرمین جن کے خون رائیگاں قرار دیے گئے:

رسول اللہ ﷺ نے اس دن کچھ اکابر مجرمین کے خون رائیگاں قرار دیے اور حکم دیا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کے پردے سے لٹکے ہوئے بھی پائے جائیں تو بھی ان کی گردن ماردی جائے، اس کی وجہ سے زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی، اب ان میں سے بعض پر تو کلمۂ عذاب برحق ہوا اور وہ مارے گئے۔ بعض پر اللہ کی عنایت ہوئی اور وہ مسلمان ہوگئے۔ جو لوگ مارے گئے ان کے نام یہ ہیں:

ابن خطل، مقیس بن صبابہ، حارث بن نفیل اور ابن خطل کی ایک لونڈی۔ کل چار افراد ...... اور کہا جاتا ہے کہ حارث بن طلاطل خزاعی اور ام سعد کو بھی مارا گیا۔ جب کہ ام سعد کے بارے میں احتمال ہے کہ وہی ابن خطل کی لونڈی رہی ہو، لہٰذا کل پانچ یا چھ افراد ہوئے۔

رہے وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا...... جو پہلے بھاگ یا چھپ گئے تھے، پھر ان کے لیے امن حاصل کیا گیا اور وہ آکر مسلمان ہوگئے......تو یہ تھے عبداللہ بن ابی سرح، عکرمہ ابن ابی جہل، ہبار بن اسود اور خطل کی ایک دوسری لونڈی۔ کل چار افراد...... اور کہا جاتا ہے کہ کعب بن زبیر، وحشی بن حرب اور ابوسفیان کی بیوی بنت عتبہ بھی۔ یعنی کل سات افراد۔

کچھ اور لوگ اپنی جان کے خوف سے چھپ گئے تھے، حالانکہ ان کے خون رائیگاں نہیں قرار دیے گئے تھے۔ ان میں یہ نام آتے ہیں صفوان بن امیہ، زبیر بن ابی امیہ اور سہیل بن عمرو، پھر یہ سب مسلمان ہوگئے۔ وللہ الحمد۔

فتح کی نماز:

رسول اللہ ﷺ چاشت کے وقت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے اور غسل کرکے آٹھ رکعت ''فتح کی نماز'' پڑھی۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دے رکھی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں قتل کرنا چاہتے تھے، ام ہانی

(رضی اللہ عنہا) نے پوچھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے پناہ دی۔''

کعبے کی چھت پر اذان بلالی:

نماز ظہر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انہوں نے کعبہ کی چھت پر اذان کہی۔ یہ غلبہ اسلام کے اعلان کا ہم معنی تھا۔ یہ جس قدر مشرکین کو ناگوار تھا اسی قدر مسلمانوں کے لیے خوش گوار تھا۔ ((وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ))

مکے میں رسول اللہ ﷺ کا قیام:

جب مکہ کی فتح مکمل ہو چکی تو انصار کو اندیشہ ہوا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ وہیں مقیم نہ ہو جائیں کیونکہ یہ آپ کا اور آپ کے خاندان اور قبیلے کا شہر تھا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا فرما رہے تھے، دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

''اللہ کی پناہ! اب زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔''

اس سے انصار مطمئن ہو گئے، ان کا خوف جاتا رہا اور وہ خوش ہو گئے۔

البتہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں انیس (۱۹) روز قیام فرمایا اور اس دوران نقوشِ اسلام کی تجدید کی، مکہ کو آثار جاہلیت سے پاک کیا، نئے سرے سے حدود حرم کے ستون نصب کیے اور آپ کے منادی نے اعلان کیا کہ:

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ چھوڑے، بلکہ اسے توڑ ڈالے۔''

عزیٰ، سواع اور منات کا خاتمہ:

۲۵ رمضان کو رسول اللہ ﷺ نے تیس سواروں کے ساتھ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزیٰ اور اس کا بت خانہ ڈھانے کے لیے نخلہ روانہ کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جا کر اسے ڈھا دیا۔ یہ مشرکین کا سب سے بڑا بت تھا۔

پھر رمضان ہی میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سواع نامی بت ڈھانے کے لیے روانہ

کیا، یہ ہذیل کا سب سے بڑا بت تھا۔ اس کا ''استھان'' مکہ کے شمال مشرق میں ۱۵۰ کلو میٹر کے فاصلہ پر ''رِہاط'' نامی مقام پر تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اسے جا کر ڈھا دیا، اس کا مجاور بت کی بے بسی دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو اسی ماہ رمضان میں بیس سوار دے کر ''منات'' کی جانب روانہ کیا۔ یہ قدید کے پاس مشلل میں تھا اور یہ بنو کلب، خزاعہ، غسان اور اوس وخزرج کا بت تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جا کر اسے توڑ دیا اور بت خانہ ڈھا دیا۔

بنو جذیمہ کے پاس حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی روانگی:

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ شوال میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو جذیمہ کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا، ان کے ساتھ مہاجرین و انصار اور بنو سلیم کے ساڑھے تین سو (۳۵۰) افراد تھے۔ جب انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے کہا: صَبَانا، صَبَانَا (ہم نے اپنا دین چھوڑا، ہم نے اپنا دین چھوڑا) اس پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل اور قید کر لیا۔ پھر ایک دن حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ واپس آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ نے ہاتھ اٹھا کر دو بار کہا:

''اے اللہ! خالد رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے تیری طرف براءت اختیار کرتا ہوں۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مال دے کر بھیجا، انہوں نے ان کے مقتولین کی دیت دی اور ان کا جو مال ضائع ہوا تھا اس کا معاوضہ دیا، کچھ مال فاضل بچ رہا تو وہ بھی ان ہی کے لیے چھوڑ دیا۔

اس موقع پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا تھا اس کی وجہ سے ان میں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میں کچھ سخت کلامی اور بدگمانی بھی ہوگئی تھی۔ جب لوگوں نے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا:

''خالد (رضی اللہ عنہ)! ٹھہر جاؤ، میرے رفقاء کو کچھ کہنے سے باز رہو، واللہ! اگر احد پہاڑ سونا ہو پھر تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو، تب بھی میرے رفقاء میں سے کسی ایک

آدمی کی ایک صبح کی عبادت یا ایک شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔“

غزوۂ حنین

(شوال ۸ ہجری)

مکہ فتح ہو چکا تو قیس عیلان کے قبائل مشورے کے لیے اکٹھے ہوئے، ان میں ثقیف و ہوازن پیش پیش تھے۔ انہوں نے کہا:

''محمد ﷺ اپنی قوم کی جنگ سے فارغ ہو چکے ہیں، اب انہیں ہمارے ساتھ جنگ سے روکنے والا کوئی نہیں، لہٰذا کیوں نہ ہم ہی پہل کریں۔''

چنانچہ انہوں نے جنگ کا فیصلہ کرلیا۔ اپنی سپہ سالاری کے لیے مالک بن عوف نصری کو منتخب کیا اور ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے اوطاس میں اتر پڑے۔ ان کے ساتھ عورتیں، بچے اور مال مویشی بھی تھے۔ لشکر میں دُرَید بن صمہ بھی تھا جو رائے کی پختگی کے لیے مشہور تھا۔ اس نے بچوں اور جانوروں کی آواز سنی تو مالک سے اس کی وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا ''میں نے سوچا کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کے اہل اور مال کو لگا دوں، تا کہ وہ ان کی حفاظت کے جذبے کے ساتھ جنگ کرے۔ دُرَید نے کہا:

''واللہ! بھیڑ کے چرواہے ہو، بھلا شکست کھانے والے کو بھی کوئی چیز روک سکتی ہے؟ دیکھو! اگر جنگ میں تم غالب رہے تو بھی کارآمد تو محض آدمی ہی اپنی تلوار اور نیزے کے ساتھ ہوگا اور اگر شکست کھا گئے تو تمہیں اپنے اہل اور مال کے سلسلے میں رسوا ہونا پڑے گا۔''

پھر دُرَید نے مشورہ دیا کہ انہیں ان کے علاقے میں واپس بھیج دو لیکن مالک نے اس کی رائے قبول نہ کی۔ بال بچوں اور مال مویشی کو وادیٔ اوطاس میں جمع کیا۔ خود فوجیوں کو لے کر ''وادیٔ حنین'' میں منتقل ہو گیا، جو وادیٔ اوطاس کے بازو میں ہے اور وہاں فوجیوں کو کمین گاہوں میں چھپا دیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو ان کے اجتماع کا علم ہوا تو آپ مکہ سے ہفتہ کے دن ۶ شوال کو روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا۔ اس موقع پر آپ نے صفوان بن امیہ سے ایک سو زرہیں ساز و سامان سمیت ادھار لیں اور مکہ کا انتظام عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو سونپا۔ راستے میں لوگوں نے بیر کا ایک بڑا سا درخت دیکھا، جس پر عرب اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، وہاں جانور ذبح کرتے تھے اور درگاہ لگاتے تھے۔ اسے ''ذاتِ اَنواط'' کہا جاتا تھا۔ بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

آپ ہمارے لیے بھی ذَاتِ اَنواط بنا دیجیے، جیسے ان کے لیے ذَاتِ اَنواط ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''اللہ اکبر! تم نے تو ویسی ہی بات کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہی تھی:

اَجْعَل لَّنَآ إِلَـٰهًا كَمَا لَهُمْ ءَالِهَةٌ ۚ ﴿١٣٨﴾ (الأعراف:١٣٨)

''ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیجیے جیسے ان کے لیے معبود ہیں۔''

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا تھا کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو۔ (پھر آپ نے فرمایا) یہ طور طریقے ہیں۔ تم لوگ بھی یقیناً پہلوں کے طور طریقے اپناؤ گے۔''

بعض لوگوں نے لشکر کی کثرت کے پیش نظر کہا کہ آج ہم مغلوب نہ ہوں گے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ پر گراں گزری۔ شام ہوئی تو ایک سوار نے آ کر خبر دی کہ بنو ہوازن عورتوں، بچوں اور اونٹ، بکریوں سمیت نکلے ہیں۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ:

''یہ کل ان شاء اللہ مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔''

۱۰ شوال ۸ ہجری کی رات رسول اللہ ﷺ حنین پہنچے، وادی میں داخل ہونے سے پہلے سحر کے وقت لشکر کو مرتب فرمایا، مہاجرین کا پرچم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا۔ اوس کا

پرچم اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اور خزرج کا پرچم حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو اور کچھ دوسرے پرچم دوسرے قبائل کو دیے۔ دو زرہیں پہنیں، سر اور چہرے پر خود لگائی، اس کے بعد ہراول دستے نے وادی میں اترنا شروع کیا، اسے چھپے ہوئے دشمن کی موجودگی کا علم نہ تھا، ابھی وہ اتر ہی رہا تھا کہ اچانک دشمن نے ٹڈی دل کی طرح تیروں کی بارش کر دی، پھر وہ فردِ واحد کی طرح ٹوٹ پڑا۔

اس اچانک حملے سے ہراول دستے میں اضطراب پھیل گیا اور اس میں موجود عام مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ جو لوگ پیچھے تھے وہ بھی انہی کے ساتھ ہو لیے اور یوں عام شکست ہوگئی۔

اس صورت حال سے بعض مشرکین اور بعض نو مسلم خوش ہو گئے۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اب ان کی بھگدڑ سمندر سے پہلے نہ رکے گی۔''

اور صفوان کے ایک بھائی نے کہا:

''آج جادو باطل ہو گیا۔''

اس کے ایک اور بھائی نے کہا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھیوں کی شکست کی خوشخبری لو۔ اب یہ اس کو کبھی نہیں جوڑ سکتے۔''

مگر اس پر مشرک صفوان اور نو مسلم عکرمہ بن ابی جہل بگڑ گئے اور ان دونوں کو ڈانٹ پلائی۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو یہ نہ صرف یہ کہ آپ تھوڑے سے انصار و مہاجرین کی معیت میں ثابت قدم رہے، بلکہ دشمن کی طرف بڑھنے کے لیے خچر کو ایڑ لگاتے اور فرماتے جا رہے تھے:

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

''میں نبی ہوں جھوٹا نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے آپ کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رکاب تھام رکھی تھی، تاکہ دشمن کی طرف تیزی سے نہ جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خچر سے

اتر گئے، اپنے رب سے دعا کی اور مدد مانگی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو...... جن کی آواز خاصی بلند تھی ...... حکم دیا کہ آپ کے صحابہ کو پکاریں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پکارا اور ...... اپنی آواز سے وادی بھر دی...... کہ ''درخت والو! (بیعت رضوان والو!) کہاں ہو؟'' وہ اس طرح مڑے جیسے گائے اپنے بچوں پر مڑتی ہے۔ کہہ رہے تھے: ''ہاں، ہاں، آئے، آئے۔''

اس طرح جب سو آدمی جمع ہوگئے تو آپ نے دشمن کا استقبال کیا اور لڑائی شروع کردی۔

اس کے بعد انصار کی پکار شروع ہوئی، پھر بنو الحارث بن خزرج میں محدود ہوگئی۔ ادھر مسلمان دستے ایک کے پیچھے ایک آتے چلے گئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ایک بڑی جماعت فراہم ہوگئی۔ اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر سکینت نازل کی اور ان دیکھا لشکر اتارا، چنانچہ مسلمانوں نے پلٹ کر حملہ کیا اور دھواں دھار جنگ شروع ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اب چولھا گرم ہوگیا ہے۔''

پھر آپ نے ایک مٹھی مٹی لے کر قوم کے چہرے پر ماری اور فرمایا:

((شَاهَتِ الْوُجُوْهُ))

''چہرے بگڑ جائیں۔''

اس مٹی سے ان کی آنکھیں بھر گئیں۔ اس کے بعد ان کی دھار کند اور ان کا کام بگڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ پراگندہ ہوکر بھاگ چلے اور مسلمانوں نے مارتے پکڑتے ان کا پیچھا کر لیا۔ چنانچہ عورتوں بچوں کو پکڑ لیا اور بہت سے فوجیوں کو بھی گرفتار کرلیا۔ اس دن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھی بہت سے زخم آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ کی عنایت دیکھ کر بہت سے مشرکین مکہ مسلمان ہوگئے۔

مشرکین کا تعاقب:

مشرکین بھاگے تو تین گروہوں میں بٹ گئے، سب سے بڑا گروہ طائف بھاگا، دوسرے گروہ نے نخلہ کا رخ کیا اور تیسرے گروہ نے اوطاس میں مورچہ بندی کی۔ آپ

نے اوطاس میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے دشمن کو پراگندہ کر کے سارے مالِ غنیمت پر قبضہ کر لیا۔ البتہ خود ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ اس معرکے میں شہید ہو گئے، ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سنبھالی اور مظفر و منصور واپس ہوئے۔

ادھر مسلمان سواروں کی ایک جماعت نے ''نخلہ'' بھاگنے والے مشرکین کا تعاقب کیا، دُرَید بن صمہ کو جا پکڑا اور اسے قتل کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت اور قیدیوں کو جمع کرنے کا حکم دیا، جس کی کل مقدار یہ تھی: اونٹ تقریباً چوبیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار سے زیادہ، چاندی چار ہزار اوقیہ (یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم) عورتیں اور بچے چھ ہزار۔ ان سب کو ''جعرانہ'' میں جمع کر کے حضرت مسعود بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو ان کا نگران مقرر فرمایا۔

غزوۂ طائف (شوال ۸ ہجری):

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا رخ کیا۔ راستے میں مالک بن عوف نصری کے قلعے سے گزرے تو اسے ڈھانے کا حکم فرمایا۔ طائف پہنچے تو دشمن ایک سال کی خوارک کا انتظام کر کے قلعہ بند ہو چکا تھا، لہٰذا اس کا محاصرہ کر لیا۔ پہلے مسلمانوں کا پڑاؤ قریب تھا۔ اس لیے دشمن نے تیر برسا کر کئی مسلمانوں کو زخمی کر دیا۔ لہٰذا وہ اس مقام پر اٹھ آئے جہاں آج طائف کی مسجد ہے۔

مسلمانوں نے دشمن کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے لیے کئی تدبیریں اختیار کیں، لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ روزانہ نکل کر دعوت مبارزت دیتے، لیکن کبھی کوئی آدمی سامنے نہ آیا۔ ان پر منجنیق نصب کی گئی، لیکن یہ بھی کارگر نہ ہوئی۔ مسلمان جانبازوں کا ایک گروہ دودبابوں میں گھس کر نقب لگانے کے لیے قلعہ کی دیوار تک پہنچا لیکن دشمن نے ان پر لوہے کے جلتے ٹکڑے پھینکے جس سے وہ واپسی پر مجبور ہو گیا اور دیوار میں نقب نہ لگا سکا۔ ان کے انگور اور کھجور کے درخت کاٹے گئے، مگر انہوں نے اللہ اور قرابت کا واسطہ دیا تو چھوڑ دیے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ:

"جو غلام قلعے سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے وہ آزاد ہے۔"

اس اعلان پر تئیس (۲۳) غلام اتر آئے، انہی میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، وہ قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر ایک چرخی کی مدد سے، جس کے ذریعہ رہٹ سے پانی کھینچا جاتا ہے، لٹک کر نیچے آ گئے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوبکرہ رکھ دی۔ (عربی میں چرخی کو بکرہ کہتے ہیں) غلاموں کا یہ فرار قلعہ والوں کے لیے بڑا جانکاہ تھا۔

محاصرہ نے طول پکڑا اور فائدہ کچھ نہ ہوا۔ چنانچہ محاصرہ پر تقریباً بیس دن اور کہا جاتا ہے کہ پورا ایک مہینہ گزر گیا۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن معاویہ دیلی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا، اس نے کہا:

"لومڑی اپنے بل میں گھس گئی ہے، اگر آپ ڈٹ گئے تو پکڑ لیں گے لیکن اگر چھوڑ دیا تو یہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔"

یہ سن کر آپ نے کوچ کا اعلان فرمایا۔ بعض لوگوں نے گزارش کی کہ ان پر بددعا کریں۔ آپ نے فرمایا: "اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں لے آ۔"

اموال غنیمت اور قیدیوں کی تقسیم:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے جعرانہ واپس آ کر دس دن سے زیادہ ٹھہرے رہے اور مال غنیمت تقسیم نہ فرمایا۔ آپ کو انتظار تھا کہ ہوازن توبہ کر کے آ جائیں اور اپنے مال اور قیدی واپس لے جائیں۔ لیکن جب کوئی نہ آیا تو آپ نے غنیمت سے خمس نکالا اور اسے تالیف قلب کے لیے کمزور اسلام والوں کو دیا۔ کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیا جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے تاکہ ان کی نظر میں بھی اسلام محبوب ہو جائے۔ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو چالیس اوقیہ چاندی (ایک ہزار چھ سو درہم) اور ایک سو اونٹ دیے۔ پھر اتنا ہی اس کے بیٹے یزید کو دیا اور پھر اتنا ہی اس کے دوسرے بیٹے معاویہ کو دیا۔ صفوان بن امیہ کو سو، پھر سو پھر سو یعنی تین سو اونٹ دیے۔ حکیم بن حزام، حارث بن کلدہ، عیینہ بن حصن، اقرع بن حابس، عباس بن مرداس، علقمہ بن علاثہ، مالک بن عوف، علاء بن حارثہ، حارث بن ہشام، جبیر بن مطعم، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ وغیرہم کو سو سو اونٹ دیے۔ کچھ اور لوگوں کو پچاس اور چالیس

چالیس اونٹ دیے۔ یہاں تک کہ لوگوں میں شہرہ ہوگیا کہ محمد ﷺ اس طرح بے دریغ عطیہ دیتے ہیں کہ انہیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں۔ چنانچہ مال کی طلب میں بدو آپ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کو ایک درخت کی جانب سمٹنے پر مجبور کردیا، جس میں آپ کی چادر پھنس کر رہ گئی۔ آپ نے فرمایا:

"میری چادر دے دو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد میں چوپائے ہوتے تو میں انہیں تم پر تقسیم کردیتا، پھر تم مجھے نہ بخیل پاتے، نہ بزدل، نہ جھوٹا۔"

پھر آپ ﷺ نے ایک اونٹ کی کوہان سے کچھ بال لیے اور فرمایا:

"واللہ! میرے لیے تمہارے مال میں سے کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اتنا سا بال بھی نہیں۔ صرف خمس ہے اور خمس بھی تم ہی پر پلٹا دیا جاتا ہے۔ لہٰذا سوئی اور دھاگا تک ادا کردو، کیونکہ خیانت، صاحب خیانت کے لیے قیامت کے روز عار، رسوائی اور آگ ہوگی۔"

یہ سن کر لوگوں نے غنیمت سے جو کچھ لیا تھا واپس کردیا، خواہ معمولی سی چیز ہی کیوں نہ لی ہو۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ غنیمت کی مذکورہ مقدار کے حساب سے خمس نکالنے کے بعد ایک آدمی کے حصے میں جتنا مال غنیمت آتا ہے۔ اس کی مقدار یہ ہے: تقریباً ڈیڑھ اونٹ، ڈھائی بکری، دس درہم اور ایک قیدی کا ایک تہائی حصہ۔ اب اگر ایک آدمی کو دس درہم دے کر باقی کوئی ایک چیز دی جائے تو اس کے حصے میں یا تو صرف چار اونٹ آئیں گے یا صرف چالیس بکریاں یا ایک قیدی کا صرف دو تہائی حصہ۔

انصار کا شکوہ اور رسول اللہ ﷺ کا خطاب:

انصار کو رسول اللہ ﷺ کے اس فعل پر حیرت ہوئی کہ آپ نے "مؤلفۃ القلوب" کو قیاس سے بڑھ کر عطیے دیے اور انصار کو کچھ نہ دیا۔ چنانچہ بعض انصار نے کہا:

"یہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ آپ قریش کو دے رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیا ہے،

حالانکہ ہماری تلواریں ان کے خون سے ٹپک رہی ہیں۔"

یہ بات انصار کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو پہنچائی، آپ نے تنہا انصار کو جمع کیا، اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر اللہ نے آپ کے ذریعے انصار پر جو احسان فرمایا تھا اسے ذکر فرمایا، پھر فرمایا:

"انصار کے لوگو! تم اپنے جی میں دنیا کی ایک حقیری گھاس کے لیے ناراض ہو گئے جس کے ذریعہ میں نے لوگوں کا دل جوڑا تھا تا کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تم کو تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا۔ اے انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے ڈیروں میں پلٹو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک راہ چلیں اور انصار دوسری راہ چلیں تو میں بھی انصار ہی کی راہ پر چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے بیٹوں کے بیٹوں پر (پوتوں پر)۔"

اس پر لوگ اس قدر روئے کہ ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے:

"ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے اور نصیب میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس ہو گئے اور انصار بھی واپس ہو گئے۔

وفدِ ہوازن کی آمد (ذی قعدہ ۸ ہجری):

مالِ غنیمت تقسیم ہو چکا تو ہوازن کا وفد آ گیا۔ ان کا رئیس زہیر بن صرد تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا، بیعت کی، پھر عرض پرداز ہوئے کہ:

"یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے جنہیں گرفتار کیا ہے ان میں مائیں ہیں، بہنیں ہیں، پھوپھیاں ہیں، خالائیں ہیں یہی قوموں کی رسوائی کا سبب ہوتی ہیں:

فَامْنُنْ عَلَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ كَرَمٍ
فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوْهُ وَ نَنْتَظِرُ

اُمْنُنْ عَلٰی نِسْوَۃٍ قَدْ کُنْتَ تَرْضَعُھَا
اِذْ فُوْکَ تَمْلُؤُہُ مِنْ مَحْضِھَا الدُّرَرُ

''لہٰذا اے اللہ کے رسول! ہم پر احسان وکرم فرمایئے، آپ ایسے آدمی ہیں کہ آپ سے امیدیں وابستہ ہیں اور آپ کے کرم کا انتظار ہے۔ آپ ان عورتوں پر احسان کیجیے جن کا آپ دودھ پیتے تھے، جب آپ کا منہ ان کے دودھ کے موتیوں سے بھر جاتا تھا۔''

اور مزید چند اشعار کہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''میرے ساتھ جو لوگ ہیں انہیں دیکھ ہی رہے ہو اور مجھے سچ بات زیادہ پسند ہے۔ لہٰذا قیدی اور مال میں سے کوئی ایک چیز چن لو۔''

انہوں نے کہا:

''ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔ ہماری عورتیں اور بچے ہمیں واپس کر دیجیے۔ ہم بکری اور اونٹ کے بارے میں کچھ نہ بولیں گے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اچھا تو جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم لوگ اٹھ پڑو، اپنے اسلام کا اظہار کرو اور کہو کہ ہم بھی آپ لوگوں کے دینی بھائی ہیں، پھر کہو کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کی جانب اور مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی جانب سفارشی بناتے ہیں کہ آپ ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔''

ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''جو میرا اور بنو عبدالمطلب کا حصہ ہے وہ تمہارے لیے ہے اور میں ابھی لوگوں سے پوچھ لیتا ہوں۔''

اس پر انصار اور مہاجرین نے کہا:

''جو ہمارا حصہ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔''

البتہ بعض اعراب مثلاً اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن اور عباس بن مرداس نے انکار

کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو بخوشی واپس کردے تو یہ بہت اچھی راہ ہے، ورنہ واپس تو بہرحال کردے اور آئندہ جو سب سے پہلا مالِ ''فے'' حاصل ہوگا اس سے ہم اس کو ایک کے بدلے چھ دیں گے۔''

اس کے بعد عیینہ بن حصن کے علاوہ سارے لوگوں نے بخوشی واپس کردیا اور نبی ﷺ نے سارے قیدیوں کو ایک ایک قبطی چادر عطا فرمائی۔ قیدی واپس کرنے کے بعد ایک آدمی کے حصے میں یا تو صرف دو اونٹ آتے تھے یا بیس بکریاں۔

عمرۂ جعرانہ (ذی قعدہ ۸ ہجری):

مالِ غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہوکر رسول اللہ ﷺ نے عمرے کا احرام باندھا۔ یہی عمرۂ جعرانہ ہے اور عمرے سے فارغ ہوکر مدینہ واپسی کی راہ لی۔ ذی قعدہ کے ۶ دن یا ۳ دن باقی تھے جب مدینہ پہنچ گئے۔

بنو تمیم کی تادیب اور ان کا قبول اسلام:

محرم ۹ ہجری میں مدینہ خبر پہنچی کہ بنو تمیم قبائل کو جزیہ نہ دینے پر اکسا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس سواروں کا ایک دستہ بھیجا۔ انہوں نے صحرا میں حملہ کرکے ان کے گیارہ آدمی، اکیس عورتیں اور بچے گرفتار کرلیے اور انہیں مدینہ لے آئے۔ اس کے بعد بنو تمیم کے دس سردار آئے اور مقابلہ و خطابت و شاعری کی خواہش کی۔ چنانچہ ان کے خطیب عطارد بن حاجب نے خطبہ دیا۔ جس کا جواب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے دیا۔ پھر ان کے شاعر زبرقان بن بدر نے اشعار کہے۔ جواب میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار پیش کیے۔ انہوں نے اسلام کے خطیب اور شاعر کی فضیلت کا اعتراف کیا اور مسلمان ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے قیدی واپس کردیے اور انہیں بہترین تحائف سے نوازا۔

بنو طے کے فُلس کا انہدام اور عدی بن حاتم کا قبول اسلام:

ربیع الاوّل ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سرکردگی

میں سو اونٹ اور پچاس گھوڑوں سمیت ڈیڑھ سو آدمیوں کا ایک دستہ، بنو طے کا فلس نامی بت ڈھانے کے لیے روانہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کالا پرچم اور سفید جھنڈی تھی۔ انہوں نے جود و کرم میں شہرت یافتہ حاتم طائی کے محلے پر چھاپہ مارا۔ اونٹ، بکریاں ہاتھ آئیں اور عورتوں بچوں کو قید کیا۔ قیدیوں میں حاتم طائی کی صاحبزادی سفانہ بھی تھیں، وہ جب مدینہ لائی گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ازراہ احسان بلا فدیہ چھوڑ دیا اور ان کا اکرام کرتے ہوئے انہیں سواری بھی دی۔ وہ ملک شام گئیں، جہاں ان کے بھائی عدی بن حاتم بھاگے ہوئے تھے، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کہ آپ نے ایسا کام کیا ہے کہ تمہارے باپ بھی ویسا نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا ان کے پاس رغبت یا خوف کے ساتھ جاؤ۔ چنانچہ عدی کسی امان یا تحریر کے بغیر آ گئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو وہیں مسلمان ہو گئے۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے آ کر فاقے کی شکایت کی، پھر ایک دوسرے آدمی نے آ کر رہزنی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا:

> ''عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر آئے گی، خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو دیکھو گے کہ آدمی ہتھیلی بھر کر سونا یا چاندی نکالے گا اور ایسے آدمی کی تلاش کرے گا جو اسے قبول کر لے مگر کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔''

حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے ہودج نشین عورت کو نکلتے دیکھا اور کسریٰ کی فتح میں خود موجود رہے۔

بنو تمیم کی تادیب اور بنو طے کے بت کا انہدام، دو اہم واقعے تھے جو فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد پیش آئے۔ ان کے علاوہ اس دوران بعض چھوٹے چھوٹے واقعات بھی پیش آئے لیکن مسلمانوں اور بت پرستوں میں جو محاذ آرائی چلی آ رہی تھی وہ فتح مکہ کے بعد عمومی طور پر ختم ہو گئی اور قریب تھا کہ مسلمان جنگوں سے چھٹکارا پا جائیں لیکن فتح مکہ کے تھوڑے ہی دن

پہلے جو نئی بات پیش آئی وہ یہ تھی کہ شام میں موجود عیسائی قوت نے مسلمانوں کا رخ کر لیا تھا اور اسی کے نتیجہ میں معرکہ موتہ پیش آیا تھا۔ چونکہ اہل فارس کے خلاف مسلسل کامیابی کی وجہ سے اس قوت میں حد درجہ تکبر آ چکا تھا، اس لیے اس نے مسلمانوں کے ساتھ خوں ریزی اور ٹکراؤ کا دروازہ کھول دیا۔ جس کے نتیجے میں نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں غزوۂ تبوک پیش آیا اور آپ کے بعد خلافت راشدہ میں شام کی فتوحات حاصل ہوئیں۔

غزوۂ تبوک

(رجب ۹ ہجری)

معرکۂ موتہ کا اثر رومی قوت کے حق میں اچھا نہ تھا۔صرف تین ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ رومی طاقت کو دبانے میں جو کامیابی حاصل کی تھی اس کا شام کے پڑوسی عرب قبائل پر بڑا زبردست اثر پڑا تھا۔اب یہ قبائل آزادی وخودمختاری کے خواب دیکھ رہے تھے، لہٰذا رومیوں نے ایک فیصلہ کن جنگ کی ضرورت محسوس کی، جس میں وہ مسلمانوں کو ان کے اپنے گھر یعنی مدینہ منورہ کے اندر ہی صاف کردیں۔

رومیوں سے ٹکراؤ کے لیے مسلمانوں کی تیاری:

ادھر رسول اللہ ﷺ کو ان کی تیاری کا علم ہوا تو آپ نے ہر جگہ مسلمانوں میں نفیر عام کرائی اور غزوے کی جہت کا واضح طور پر اعلان فرمایا تاکہ لوگ تیاری مکمل کرلیں۔کیونکہ موسم سخت گرمی کا تھا، لمبا سفر تھا لوگ تنگی اور قحط سے دوچار تھے، اب پھل پک چکے تھے، سائے خوش گوار لگ رہے اور لوگ اس میں قیام پسند کررہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اہل ثروت کو تنگ دستوں کی تیاری کی ترغیب دی اور ان سے جو کچھ بن سکا، لے آئے۔سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا مال پیش کیا، وہ اپنا کل مال لے کر آئے جو چار ہزار درہم تھا۔رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

"اپنے اہل کے لیے بھی کچھ باقی چھوڑا ہے؟"

عرض کی کہ ''ان کے لیے اللہ اوراس کے رسول کو چھوڑا ہے۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لائے۔حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا جاتا ہے کہ دس ہزار دینار، پالان اور کجاوے سمیت تین سو اونٹ اور پچاس گھوڑے عطا کیے...... اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے نوسو اونٹ اور ایک سو گھوڑے دیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہوگا۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دو سو اوقیہ (آٹھ ہزار درہم) چاندی لائے۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت سا مال لائے۔حضرت طلحہ،سعد بن عبادہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی مال لے لے کر آئے۔حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نوے وسق (ساڑھے تیرہ ہزار کلو) کھجور لائے بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق صدقات دیے، یہاں تک کہ کسی نے ایک مد، دو مد صدقہ کیا چونکہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔عورتوں نے بھی جو کچھ ہوسکا زیوارت بھیجے۔

تنگ دست صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری طلب کرنے آئے،آپ نے فرمایا:

''میں کچھ نہیں پاتا جس پر آپ لوگوں کو سوار کروں۔''

تو وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں اس افسوس میں اشک بار تھیں کہ وہ خرچ کرنے کو کچھ نہ پاسکے۔ چنانچہ انہیں حضرت عثمان اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے تیار کیا۔

اس موقع پر منافقین نے چہ میگوئی بھی کی۔جنہوں نے زیادہ خرچ کیا انہیں طعنے دیے، جنہوں نے کم خرچ کیا ان کا مذاق اڑایا اور رومیوں سے ٹکراؤ کی جرأت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مذاق اڑایا۔جب باز پرس ہوئی تو کہنے لگے:

''ہم تو محض کھیل تماشا کررہے تھے۔''

ادھر منافقین اور اعراب بناوٹی عذر لے لے کر آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوے میں نہ جانے کی اجازت چاہی،آپ نے اجازت دے دی۔ان کے علاوہ بعض مخلص سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔

اسلامی لشکر راہِ تبوک میں :

اس تیاری کے بعد رسول ﷺ نے مدینہ کا انتظام محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو سونپا، بال بچوں پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، لشکر کا سب سے بڑا پرچم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا اور کئی لوگوں کو جھنڈیاں عطا فرمائیں۔ چنانچہ مہاجرین کی جھنڈی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دی، اوس کی جھنڈی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اور خزرج کی جھنڈی حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو۔ پھر جمعرات کے دن مدینہ سے کوچ فرمایا۔ آپ کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر تھا اور منزلِ مقصود ''تبوک'' تھی۔ سواری اور توشے کی سخت قلت تھی، اٹھارہ اٹھارہ آدمی ایک ہی اونٹ پر باری باری سوار تھے۔ لوگوں نے درخت کے پتے کھائے، یہاں تک کہ ان کے ہونٹ سوج گئے۔ سواریوں کی قلت کے باوجود اونٹ ذبح کرنے پر مجبور ہوئے تا کہ اس کے معدے اور آنتوں کا پانی پی سکیں۔

لشکر تبوک کے راستے میں رواں دواں تھا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آن ملے۔ وہ منافقین کے طعنے برداشت نہ کر سکے اور نکل آئے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس کر دیا اور فرمایا:

''کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ مجھ سے تمہیں وہی نسبت ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت ہارون علیہ السلام کو تھی، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔''

صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثمود کی سرزمین ''حجر'' میں اترے، اس کے کنویں سے پانی لیا اور آٹا گوندھا۔ آپ نے حکم دیا ان کے کنویں سے لیا ہوا پانی بہا دیں، گوندھا ہوا آٹا جانوروں کو کھلا دیں اور صرف اس کنویں سے پانی لیں جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

جب ثمود کے اس دیار سے گزرے تو آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''ان ظالموں کی جائے سکونت میں داخل نہ ہونا مگر روتے ہوئے کہ کہیں تم پر بھی وہی مصیبت نہ آن پڑے جو ان پر آئی تھی۔''

پھر اپنا سر ڈھکا اور تیزی سے چل کر وادی پار کر گئے۔ راستے میں رسول اللہ ﷺ ظہر

وعصر کی اور مغرب وعشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھتے تھے۔ جمع تقدیم بھی فرماتے تھے اور جمع تاخیر بھی۔

تبوک میں اتر چکے تو حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ آن ملے۔ یہ سچے مومن تھے، بغیر کسی عذر کے پیچھے رہ گئے تھے۔ سخت گرمی کا دن تھا۔ اپنے باغ میں آئے تو دیکھا کہ دونوں بیویوں نے اپنے اپنے چھپر پانی کے چھینٹے دے کر آراستہ کر رکھے ہیں۔ کھانا اور ٹھنڈا پانی بھی فراہم کر رکھا ہے۔ انہوں نے کہا:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سخت گرمی میں ہیں اور ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ ٹھنڈے سائے، میٹھے پانی اور خوب صورت عورتوں میں......؟ یہ انصاف نہیں، واللہ! میں تم میں سے کسی کے چھپر میں داخل نہ ہوں گا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں۔ تم دونوں میرے لیے توشہ تیار کرو۔''

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے، تلوار اور نیزہ لیا اور چل پڑے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت ملے جب آپ تبوک میں اتر چکے تھے۔

تبوک میں بیس دن:

رومیوں کو تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا علم ہوا تو ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، مقابلے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ اندرونِ ملک بکھر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن قیام فرما کر دشمن پر رعب ڈالا اور وفود کا استقبال کیا۔ آپ کے پاس ''ایلہ'' کا حاکم یوحنا بن رؤبہ آیا۔ اس کے ساتھ جرباء، اذرح اور میناء کے بھی وفود تھے، انہوں نے جزیہ کی ادائیگی پر صلح کی اور مسلمان نہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوحنا کو ایک تحریر دی، جس میں اس کو اور باشندگان ایلہ کو امان دی، ان کی کشتیوں اور قافلوں کو سمندر اور خشکی میں ضمانت دی، آمد ورفت کی آزادی عطا فرمائی اور یہ کہ کسی نے کوئی گڑبڑ کی تو اس کا مال اس کی جان کے آڑے نہ آسکے گا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تحریر جرباء اور اذرح کے باشندوں کے لیے لکھی، جس میں ان کو امان دی اور یہ کہ ان پر ہر رجب میں سو دینار ہوں گے۔ اہل میناء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

چوتھائی پھل کی ادائیگی پر صلح کی۔

دومۃ الجندل کے اکیدر کی گرفتاری:

رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کی معیت میں دومۃ الجندل کے ''اکیدر'' کی طرف روانہ کیا اور فرمایا کہ:

''تم اسے نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے، جب فاصلہ اتنا رہ گیا کہ قلعہ نظر آرہا تھا تو ایک نیل گائے نکلی، قلعہ کے دروازے پر سینگ رگڑنے لگی، اکیدر اس کے شکار کو نکلا مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے خود اکیدر کو شکار کر لیا اور اسے گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے جان بخشی فرمائی اور دو ہزار اونٹ، آٹھ سو غلام، چار سو زرہوں اور چار سو نیزوں پر صلح فرمائی، اس نے ایلہ اور میناء کی شرائط پر جزیہ بھی دینے کا اقرار کیا۔

مدینہ کو واپسی:

بیس دن کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ واپسی کی راہ لی، راستے میں آتے جاتے تیس دن لگے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کل پچاس دن مدینہ سے باہر رہے۔

راستے میں لشکر ایک گھاٹی سے گزرا، لوگوں نے وادی کی راہ لی اور رسول اللہ ﷺ نے گھاٹی کا راستہ اختیار کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ صرف حضرت عمار رضی اللہ عنہ تھے جو اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ تھے جو اونٹنی کو ہانک رہے تھے۔ موقع غنیمت جان کر بارہ (۱۲) منافقین نے قتل کے ارادے سے آپ ﷺ کا پیچھا کیا اور آپ کے انتہائی قریب آ گئے۔ یہ چہروں پر ڈھاٹا باندھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ان کی سواریوں کے چہروں پر اپنی ڈھال سے ضرب لگائیں۔ انہوں نے ضرب لگائی تو اللہ نے منافقین پر رعب ڈال دیا اور وہ تیزی سے بھاگ کر لوگوں میں جا ملے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کے نام بھی بتلائے اور ان کا ارادہ بھی، چنانچہ انہیں رسول اللہ ﷺ کا راز داں کہا جانے لگا۔

مسجدِ ضرار کا انہدام:

منافقین نے ضرر رسانی، کفر، مومنین میں تفریق اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والوں کو گھات کی جگہ فراہم کرنے کے لیے قبا میں ایک مسجد بنائی تھی اور رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی تھی کہ آپ اس مسجد میں ان کے لیے نماز پڑھیں۔ اس وقت آپ ﷺ تبوک کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''ابھی تو ہم سفر پر ہیں البتہ واپس آئے تو ان شاء اللہ'' ...... لیکن جب آپ تبوک سے واپسی میں ''ذِی اَوَان'' میں اترے اور مدینہ ایک دن یا اس سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر مسجد کی اصل حقیقت بتائی اور نماز پڑھنے سے منع کیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے آدمی بھیج کر اسے جلوا دیا اور مسمار کرا دیا۔

اہل مدینہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کا استقبال:

جب مدینہ کے آثار دکھائی پڑنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہ رہا طابہ اور یہ رہا احد۔ یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔''

ادھر لوگوں نے آپ ﷺ کی آمد کی خبر سنی تو استقبال میں عورتیں اور بچے، بچیاں نکل پڑے جو یہ شعر گنگنا رہی تھے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

''ہم پر ثَنِیَّۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے ہم پر شکر واجب ہے۔''

آپ ﷺ تشریف لائے، مسجد میں داخل ہوئے، دو رکعت نماز پڑھی اور لوگوں کے لیے بیٹھ گئے۔

مُخلَّفِین:

جو منافقین پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آ آ کر معذرت کی اور قسمیں کھائیں۔ آپ ﷺ

نے ان کا ظاہر قبول کر لیا اور باطن اللہ کے حوالے کر دیا۔ تین سچے مومن بھی آئے جو پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ تھے: کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم۔ انہوں نے سچ سچ کہا اور کوئی عذر نہیں تراشا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اللہ کے فیصلے کا انتظار کریں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے بات نہ کریں چنانچہ ان کے لیے لوگ بدل گئے، زمین انجانی ہو گئی، اپنے آپ سے تنگ آ گئے اور دنیا اندھیر ہو گئی۔ چالیس دن گزرے تو مزید حکم آیا کہ:

''اپنی عورتوں کے قریب نہ جائیں۔''

پھر پچاس دن پورے ہوئے تو اللہ نے ان کی توبہ نازل کی، فرمایا:

وَعَلَى ٱلثَّلَٰثَةِ ٱلَّذِينَ خُلِّفُوا۟ حَتَّىٰٓ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ ٱلْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوٓا۟ أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ ٱللَّهِ إِلَّآ إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١١٨﴾ (التوبة:١١٨)

''اور اللہ نے ان تین آدمیوں کی بھی توبہ قبول کی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی، ان کی جان پر بن آئی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے (بھاگ کر) پناہ کی کوئی جگہ نہیں ہے، اگر ہے تو اسی کی طرف ہے، پھر تو اللہ نے ان پر رجوع کیا تاکہ وہ توبہ کریں، یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔''

اس سے مسلمانوں اور پیچھے رہ جانے والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو خوشخبری اور مبارک باد دی، انعام دیے، صدقے کیے اور یہ ان کی زندگی کا مبارک ترین دن تھا۔

جب کہ کچھ اور آیتوں نے منافقین کا بھانڈا پھوڑ دیا، ان کے جھوٹ کا راز کھول دیا اور سچے مومنوں کو بشارتیں دیں۔ پس تعریفیں تمام جہانوں کے پروردگار کے لیے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجب ۹ ہجری میں تبوک سے واپس ہوئے۔ اسی مہینے نجاشی شاہِ حبشہ

''اصحمہ بن ابجر'' نے وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

پھر ۹ ہجری شعبان میں آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، بقیع میں دفن فرمایا اور ان پر سخت غمگین ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اگر میرے پاس تیسری لڑکی ہوتی تو اس سے بھی تمہاری شادی کر دیتا۔''

پھر ذی قعدہ ۹ ہجری میں منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی فوت ہوا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دعائے مغفرت کی اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے آپ ﷺ کو روکنے کی کوشش بھی کی مگر آپ نہ مانے لیکن پھر قرآن نازل ہوگیا، جس میں منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

غزوات کے بارے میں چند کلمات

جاہلیت میں جنگ کے معنی تھے بغیر کسی رحم و مروت کے قتل و غارت گری، آتش زنی، اکھاڑ پچھاڑ، لوٹ مار، عورتوں کی بے حرمتی، زمین میں فساد، کھیتی باڑی اور جانوروں کی تباہ کاری۔ لیکن اسلام نے آ کر اس معنی کو مکمل طور پر بدل دیا چنانچہ اس نے جنگ کو مظلومین کی مدد، ظالموں کی سرکوبی، زمین پر امن و امان پھیلانے، عدل قائم کرنے، کمزوروں کو طاقتوروں کے چنگل سے چھڑانے، بندوں کی عبادت سے اللہ کی عبادت کی طرف نکالنے اور ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لانے کا ذریعہ بنا دیا۔

عربوں کی عادت نہ تھی کہ کسی کے سامنے سر جھکائیں، خواہ جنگ جتنی بھی طول پکڑ لے اور قیمت جتنی بھی زیادہ چکانا پڑے چنانچہ بکر و تغلب کے درمیان جنگ ''بسوس'' چالیس سال تک چلتی رہی اور فریقین کے کوئی ستر ہزار آدمی مارے گئے مگر کسی نے دوسرے کے سامنے سر نہ جھکایا۔ اوس و خزرج کی لڑائی سو سال سے زیادہ چلی مگر کسی نے دوسرے کے سامنے سر نہ جھکایا۔ یہ اسلام سے پہلے عربوں کی عادت تھی، جنگ جاری رکھنا اور دشمن کے سامنے سر نہ جھکانا۔

پھر رسول اللہ ﷺ اسلام لے کر آئے تو عربوں نے آپ ﷺ کا بھی اسی اسلوب سے سامنا کیا اور آپ کو بھی میدانِ جنگ تک گھسیٹ لائے۔ لیکن آپ نے ایک دوسرے ہی اسلوب سے ان کا سامنا کیا جو نہایت حکیمانہ تھا۔ یہاں تک کہ ان کا ملک فتح کرنے سے پہلے ان کے دل جیت لیے۔ آپ ﷺ کے غزوات میں کام آنے والوں کی تعداد اور ان غزوات کے نتائج کا تقابل جب جاہلیت میں پیش آنے والی جنگوں کے نتائج سے کیا جائے تو

عجیب وغریب بات سامنے آتی ہے۔ آپ کے غزوات اور جنگوں میں شہید ہونے والے سارے مسلمان، مشرکین اور یہود ونصاریٰ کی تعداد، مجموعی طور پر کم وبیش ایک ہزار بنتی ہے۔ ان غزوات میں جو مدت صرف ہوئی وہ آٹھ سال سے زیادہ نہیں مگر اتنے تھوڑے عرصے میں اور اتنا تھوڑا سا خون بہا کر آپ نے تقریباً پورے جزیرۂ عرب کو اپنے تابع فرمان بنا لیا اور اس کے اطراف واکناف میں امن وامان کا دور دورہ ہو گیا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ تلوار کی قوت سے ممکن ہے؟ بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو معمولی معمولی بات پر نہ ختم ہونے والی جنگ چھیڑ دیتے تھے اور ہزاروں پر ہزار قربان کرتے جاتے تھے مگر یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سر جھکائیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ آپ نے جو کچھ پیش فرمایا وہ نبوت اور رحمت تھی، رسالت اور حکمت تھی، دعوت اور معجزہ تھا، اللہ کا فضل اور اس کی نعمت تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حج

(سنہ ۹ ہجری)

عرب سمجھتے تھے کہ وہ دین ابراہیم علیہ السلام پر ہیں اوراس دین کا جو شعار اب تک انہوں نے قائم رکھا تھا، وہ بیت اللہ شریف کا حج ہے چنانچہ وہ ہر سال حج کا زبردست اہتمام کرتے تھے اور اس میں انہوں نے بہت سی تبدیلیاں اور بدعتیں بھی داخل کر لی تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ ہجری میں مکہ فتح کیا اور عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر کیا تو اس سال انہی کی امارت میں مسلمان اور مشرکین سب نے حج کیا، جیسے کہ وہ جاہلیت میں حج کرتے آرہے تھے،کوئی چیز تبدیل نہیں کی گئی۔ لیکن اگلے سال ۹ ہجری کا حج آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا کہ وہی لوگوں کو حج کرائیں۔ وہ ذی قعدہ ۹ ہجری کے اواخر میں تین سو اہل مدینہ کے ساتھ روانہ ہوئے، ان کے ساتھ قربانی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس اونٹ اور اپنے پانچ اونٹ تھے۔

اس کے بعد سورۂ براءت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، جس میں ان تمام مشرکین سے عہد توڑنے کا حکم تھا جنہوں نے اپنے عہد کی پاس داری نہیں کی تھی اور ان کو اور ان لوگوں کو جن کا سرے سے کوئی عہد ہی نہیں تھا، چار مہینے کی مہلت دی گئی تھی کہ اس دوران جس طرح چاہیں زمین میں گھوم پھر لیں تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ کو بے بس نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کر کے رہے گا۔ البتہ جو مشرکین اپنے عہد پر قائم تھے، اسے توڑا نہیں تھا اور مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہیں کی تھی، ان کا عہد پورا کرنے کا حکم دیا گیا۔

یہ آیات نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے کر بھیجیں کہ وہ ''حج اکبر'' کے دن اسے لوگوں تک پہنچا دیں اور فرمایا کہ ''میری طرف سے میرا ہی آدمی اعلان کرے گا۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات ''ضجنان'' یا ''عرج'' میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''امیر ہو یا مامور؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''مامور۔''

چنانچہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔ جب (دسویں تاریخ) قربانی کا دن آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمرہ کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں پر ''سورۂ براءت'' کی ابتدائی آیات پڑھیں جس میں عہد توڑنے، مہلت دینے اور پابندی کرنے والوں کا عہد پورا کرنے کا حکم ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو بھیج کر یہ منادی کرائی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرسکتا اور نہ کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف کرسکتا ہے۔

وفود، مبلغین اور عمال:

قریش اور نبی ﷺ میں جو کشاکش برپا تھی، عرب اس کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ باطل قوت اور فتح کے ذریعہ مسجد حرام پر قبضہ نہیں ہوسکتا۔ اصحاب فیل کا واقعہ ابھی کچھ پہلے ہی کی بات تھی، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام میں داخلے کا شرف بخشا اور کفار مکہ پر غلبہ عطا فرما دیا تو آپ کے رسول برحق ہونے میں انہیں کوئی شبہ نہ رہا۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں آنے والے عرب وفود کا تانتا بندھ گیا جو آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لاتے اور آپ کی اطاعت کا اقرار کرتے تھے۔ اس طرح لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ تھوڑے دنوں میں اسلامی حکومت کا رقبہ ''بحر احمر'' کے ساحل سے خلیج عرب کے ساحل تک نیز جنوب اردن اور اطراف شام کے علاقے سے یمن اور عمان کے ساحل تک پھیل گئے اور نبی ﷺ اس دور دور تک پھیلے

ہوئے ملک کا نظم ونسق ٹھیک کرنے میں لگ گئے۔ چنانچہ آپ نے مبلغین بھیجے، حاکم مقرر فرمائے، صدقات وصول کرنے والوں کو روانہ کیا، بندوں اور شہروں کا نظام جن قضاۃ وعمال کا محتاج ہوتا ہے انہیں فراہم کیا، آئندہ سطروں میں ہم ان شاء اللہ حسب ضرورت ان سب کا ذکر کریں گے۔

جو وفود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ عام سیر کے مطابق ان کی تعداد ستر سے زیادہ ہے۔ بعض اہل علم نے ان وفود کی صحیح تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ خواہ روایت ثابت ہو یا نہ ہو تو ان کی تعداد تقریباً سو تک پہنچ گئی۔ ان وفود کی آمد فتح مکہ سے پہلے شروع ہو چکی تھی اور بعض وفود تو ہجرت کے ابتدائی سالوں میں آئے تھے، لیکن ان کی آمد کا عام سلسلہ اور پے در پے شکل میں، فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں شروع ہوا۔ یہ سلسلہ ۱۰ ہجری بلکہ اس کے بعد تک قائم رہا۔ اسی لیے ۹ ہجری کو "وفود کا سال" کہا جاتا ہے۔

یہ وفود زیادہ تر قبائل کے سردار، رؤساء اور اہل حل وعقد پر مشتمل ہوتے تھے۔ بسا اوقات آدمی تنہا یا چھوٹی سی جماعت لے کر آتا تھا۔

پھر ان وفود کے آنے کا مقصد ہر وفد کے اعتبار سے الگ الگ ہوتا تھا۔ کوئی قیدیوں اور گرفتاروں کو چھڑانے آتا تھا، جیسا کہ وفد ہوازن اور وفد تمیم کے ذکر میں گزرا، کوئی فقط اپنے لیے یا اپنے اور اپنی قوم دونوں کے لیے امان کا طالب بن کر آیا، کوئی فخر ومباہات یا مناظرے اور مجادلے کے لیے آیا، کوئی یہ گزارش کرنے آیا کہ اسلامی لشکر واپس بلا لیا جائے تاکہ اس کی قوم پر حملہ نہ ہو، کسی نے آکر اطاعت اور جزیہ کا اقرار کیا، کسی نے آکر اسلام میں اپنی رغبت ظاہر کی اور اپنی قوم سے بھی اسی توقع کا اظہار کیا، کوئی مسلمان فرمانبردار اور اپنی قوم کا نمائندہ بن کر آیا اور کسی نے اسلامی تعلیمات واحکام جاننے کی رغبت ظاہر کی۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس بشاشت اور کریمانہ اخلاق پر پیدا فرمایا تھا، اس کے مطابق آپ ان وفود کا استقبال فرماتے تھے، انہیں خوش کن تحائف سے نوازتے تھے، اسلام کی ترغیب دیتے تھے اور ایمان وشریعت کی باتیں سکھاتے تھے کہ وہ اپنے پیچھے والوں کو سکھائیں۔ درحقیقت یہ وفود صحراؤں میں رہنے والے بدوؤں کے اندر اظہار دین کا اہم ترین

ذریعہ تھے۔ چنانچہ ان کے نتائج اغراض ومقاصد کے تنوع اور اختلاف کے باوجود یہ تھے کہ پہلے وفد میں آنے والوں نے اسلام قبول کیا پھر جلد یا تھوڑے ہی دن بعد قوم نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ اس سے صرف بعض وفود مستثنیٰ ہیں مثلاً بنوحنیفہ اور مسیلمہ کذاب کا وفد۔ اب ذیل میں چند اہم وفود کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قبیلہ عبدالقیس کا وفد:

یہ لوگ مشرقی عرب کے باشندے تھے اور مدینہ سے باہر پہلے پہل ان ہی نے اسلام قبول کیا تھا۔ چنانچہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ انہی کی مسجد میں ادا کیا گیا جو بحرین کے ''جواثی'' نامی گاؤں میں تھی۔ بنوعبدالقیس کا وفد دو مرتبہ آیا، ایک مرتبہ ۵ ہجری میں اور ایک مرتبہ وفود کے سال یعنی ۹ ہجری میں۔ پہلی بار آنے والوں کی تعداد تیرہ یا چودہ تھی۔ یہ لوگ مدینہ پہنچے اور نبی ﷺ کو دیکھا تو مسجد کے دروازے ہی پر اپنے آپ کو سواریوں سے دے پھینکا۔ لپک کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور سلام کیا۔ ان کے ساتھ ایک شخص عبداللہ بن عوف الاشج رضی اللہ عنہ تھا جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس نے سواریوں کے پاس رک کر انہیں بٹھایا، اسباب جمع کیے، دو کپڑے نکال کر پہنے، پھر اطمینان سے چل کر آیا اور نبی ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا:

''تم میں دو خصلتیں ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پسند کرتے ہیں، دوراندیشی اور بردباری۔''

نبی ﷺ نے ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے فرمایا تھا کہ:

''تم پر ایک قافلہ نمودار ہوگا جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے۔ جسے اسلام پر مجبور نہیں کیا گیا، انہوں نے اپنی سواریاں تھکائیں اور اپنا توشہ ختم کیا۔ اے اللہ! عبدالقیس کو بخش دے۔''

پھر جب یہ وفد آ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''تمہیں خوش آمدید ہو، نہ رسوا ہوئے نہ نادم۔''

انہوں نے آپ ﷺ سے فیصلہ کن بات پوچھی جس پر خود بھی عمل کریں اور جنہیں پیچھے

چھوڑ آئے تھے، انہیں بھی باخبر کریں تو آپ ﷺ نے چار باتوں کا ان کو حکم دیا، جو یہ ہیں:

① ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کی گواہی دینا۔

② نماز قائم کرنا۔

③ زکوٰۃ دینا۔

④ رمضان کے روزے رکھنا۔

ابھی چونکہ حج فرض نہیں ہوا تھا اس لیے اس کا حکم نہیں دیا۔ البتہ ان سے یہ بھی طلب کیا کہ مال غنیمت سے پانچواں حصہ ادا کریں۔ انہیں نشہ آور مشروبات سے منع کیا جنہیں وہ بکثرت پیتے تھے اور ان برتنوں سے بھی منع فرمایا جن میں وہ یہ شراب بنایا کرتے تھے۔

دوسری بار وفد میں چالیس آدمی آئے جن میں جارود بن علاء عبدی تھے، یہ نصرانی تھے، یہاں آکر مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

سعد بن بکر کے رئیس ضمام بن ثعلبہ کی آمد:

یہ بادیہ (جنگل) کے رہنے والے اکھڑ مزاج تھے۔ دو چوٹیاں رکھے ہوئے تھے، مدینہ پہنچے تو مسجد نبوی میں اپنی اونٹنی بٹھا کر باندھی، پھر کہا:

''تم میں ابن عبدالمطلب کون ہے؟''

لوگوں نے بتایا تو آپ ﷺ کے قریب آئے اور کہا:

''اے محمد (ﷺ)! میں آپ سے پوچھوں گا اور پوچھنے میں آپ پر سختی کروں گا، مجھ پر اپنے جی میں غصہ نہ کریں۔''

آپ نے فرمایا: ''جو چاہو پوچھو۔''

انہوں نے کہا: ''ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا اور اس نے بتایا کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

آپ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا۔''

انہوں نے کہا: ''اچھا تو آسمان کس نے پیدا کیے؟''

آپ نے فرمایا: ''اللہ نے۔''

انہوں نے کہا: ''اچھا تو زمین کس نے پیدا کی؟''
آپ نے فرمایا: ''اللہ نے۔''
انہوں نے کہا: ''اچھا یہ پہاڑ کس نے نصب کیے اور ان میں جو کچھ بنایا کس نے بنایا؟''
آپ نے فرمایا: ''اللہ نے۔''
انہوں نے کہا: ''تو اس ذات کی قسم جس نے آسمان پیدا کیا، زمین پیدا کی اور ان پہاڑوں کو نصب کیا، کیا اللہ نے آپ کو رسول بنایا ہے؟''
آپ نے فرمایا: ''ہاں۔''
انہوں نے کہا: ''آپ کے قاصد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔''
آپ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا۔''
انہوں نے کہا: ''تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟''
آپ نے فرمایا: ''ہاں''
انہوں نے کہا: ''آپ کے قاصد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم پر ہمارے اموال میں زکوۃ ہے۔''
آپ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا۔''
انہوں نے کہا: ''تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟''
آپ نے فرمایا: ''ہاں!''
انہوں نے کہا: ''آپ کے قاصد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم پر سال میں رمضان کے مہینے کا روزہ ہے۔''
آپ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا۔''

انہوں نے کہا: ''تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''ہاں!''

انہوں نے کہا: ''آپ کے قاصد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم میں جو بیت اللہ تک راستے کی طاقت رکھتا ہو، اس پر حج فرض ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا۔''

انہوں نے کہا: ''تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''ہاں!''

پھر اس نے پیٹھ پھیری اور کہا:

''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ان پر نہ زیادتی کروں گا اور نہ ان میں کمی کروں گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر اس نے سچ کہا ہے تو یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔''

پھر جب وہ مسلمان ہو کر، بتوں سے کنارہ کش ہو کر اپنی قوم میں گئے اور اپنی قوم کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس بات کا حکم دیا ہے اور کس چیز سے روکا ہے تو ان کی قوم میں کوئی بھی مرد اور کوئی بھی عورت ایسی نہیں تھی جو مسلمان نہ ہوگئی ہو۔ پھر انہوں نے مسجدیں بنائیں اور نماز کے لیے اذان کہی، لہٰذا کوئی بھی آنے والا ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہ تھا۔

عذرہ اور بلی کا وفد:

صفر ۹ ہجری میں بنو عذرہ کے بارہ آدمی آئے اور قصی سے اپنی قرابت کا ذکر کیا۔ بنو بکر و بنو خزاعہ کو مکہ سے نکالنے میں اس کی جو مدد کی تھیں، اسے بتلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مرحبا کہا اور ملک شام فتح ہونے کی بشارت دی۔ کاہنوں سے (قسمت کا حال) پوچھنے اور استھانوں کے ذبیحوں کی ممانعت کی، وہ لوگ مسلمان ہوگئے اور چند دن ٹھہر کر واپس چلے گئے۔

ان کے بعد ربیع الاوّل ۹ ہجری میں ''بلی'' کا وفد آیا۔ یہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور تین دن ٹھہر کر واپس گئے۔

بنو اسد بن خزیمہ کا وفد:

۹ ہجری کے شروع میں ان کے دس آدمی آئے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ان لوگوں نے سلام کیا، پھر ان کے ترجمان نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! ہم نے شہادت دی کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے اور آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ نے ہمارے پاس کسی کو نہیں بھیجا پھر بھی ہم نے آ کر اسلام قبول کر لیا اور بنو فلاں کی طرح آپ سے لڑائی نہیں کی۔ ہمارے پیچھے جو لوگ ہیں ہم ان کے لیے پیغام صلح ہیں۔''

اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾

(الحجرات: ۱۷)

''وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے، تم کہو کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ۔ بلکہ اللہ تم پر یہ احسان جتاتا ہے کہ اگر تم واقعی مومن ہو تو اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی ہے۔''

انہوں نے جاہلیت کے کچھ کاموں کے متعلق پوچھا، مثلاً فال گیری کے لیے چڑیا بھگانا، کہانت کرنا اور کنکری مارنا۔ آپ نے ان سب باتوں سے انہیں منع کیا۔ انہوں نے رمل کے متعلق پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اسے ایک نبی جانتے تھے، اب اگر کسی کا علم اس نبی کے علم کے مطابق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں اور معلوم ہے کہ اب مطابقت کا جاننا محال ہے۔ یہ سارے اعمال غیب میں اندازہ لڑانے کے سوا کچھ نہیں۔''

اس وفد نے چند دن ٹھہر کر فرائض سیکھے پھر واپس ہو گیا۔ اسے تحائف سے بھی نوازا گیا۔

تجیب کا وفد:

تجیب قبیلہ کندہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ اپنی قوم کے جو صدقات ان کے فقراء سے بچ رہے تھے انہیں لے کر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خوشی ہوئی اور آپ نے ان کا اعزاز واکرام کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہمارے پاس عرب کا کوئی ایسا وفد نہیں آیا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ ایمان کے لیے کھول دیتا ہے۔''

یہ لوگ قرآن اور سنتوں کو پوچھتے اور سیکھتے تھے، پھر واپسی کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں افضل ترین تحفے دیے اور پوچھا کہ کوئی آدمی باقی رہ گیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ایک لڑکا ہم نے ڈیرے میں چھوڑ رکھا ہے، وہ ہم میں سب سے کم عمر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اسے بھی بھیجو۔''

وہ آیا تو عرض پرداز ہوا کہ:

''اے اللہ کے رسول! میں اسی جماعت سے ہوں جو ابھی آپ کے پاس آئی تھی۔ آپ نے ان کی ضرورت پوری کردی، اب میری بھی ضرورت پوری کیجیے!''

آپ نے پوچھا:

''تمہاری ضرورت کیا ہے؟''

اس نے کہا:

''آپ اللہ سے دعا کردیں کہ وہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی کردے۔''

آپ نے اس کے لیے اس کی دعا کردی اور دوسرے ساتھیوں جیسے تحفے کا حکم دیا۔

چنانچہ یہ سب سے زیادہ قناعت پسند انسان ہوا، زمانہ ارتداد میں نہ صرف اسلام پر ثابت رہا،

بلکہ اپنی قوم کو وعظ ونصیحت کی اور وہ بھی اسلام پر ثابت قدم رہی۔

بنی فزارہ کا وفد:

یہ وفد نبی ﷺ کی تبوک سے واپسی کے بعد آیا۔ بیس سے کچھ زیادہ آدمی تھے، اسلام کے اقراری اور قحط کے مارے ہوئے۔ نبی ﷺ نے ان سے علاقے کا حال پوچھا تو قحط سالی کی شکایت کی اور عرض کیا کہ:

''اللہ سے دعا کردیں ہم پر بارش برسائے۔ آپ ہمارے لیے اپنے رب سے سفارش کردیں اور آپ کا رب ہمارے لیے آپ سے سفارش کردے۔''

آپ نے فرمایا:

''سبحان اللہ! تم پر افسوس، یہ کیا کہہ رہے ہو۔ میں تو اپنے رب سے سفارش کروں گا، لیکن ایسا کون ہے جس سے ہمارا رب سفارش کرے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اعلیٰ وعظیم ہے، اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہیں اور وہ اس کی عظمت وجلال سے اس طرح چرچراتے ہیں جیسے نیا کجاوا چرچراتا ہے۔''

اس کے بعد آپ نے منبر پر چڑھ کر اللہ سے دعا کی اور اللہ نے انہیں بھرپور بارش اور رحمتِ کامل سے نوازا۔

نجران کا وفد:

نجران حدود یمن پر ایک بڑا سا علاقہ ہے، جس کا طول تیز رفتار سوار ایک دن میں طے کرسکتا تھا۔ ۷۳ بستیوں پر مشتمل تھا اور اس میں ایک لاکھ بیس ہزار مردان جنگی تھے، جو سب کے سب عیسائی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے اسقف کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی، وہ خط پڑھ کر گھبرا گیا اور پہلے خواص سے پھر عوام سے مشورہ کیا۔ رائے یہ قرار پائی کہ ایک وفد ارسال کریں، جو اس قضیے کو حل کرے۔ چنانچہ انہوں نے ساٹھ ارکان پر مشتمل ایک وفد بھیجا۔ یہ لوگ نبی ﷺ کے پاس اس حالت میں پہنچے کہ دھاری دار یمنی کپڑے کے جوڑے زیب تن کیے ہوئے تھے اور

انہیں گھسیٹ رہے تھے، ریشمی چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور سونے کی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بات نہ کی۔ بعض کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ کپڑے بدل دیں اور انگوٹھیاں اتار دیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بات کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم آپ سے پہلے مسلمان ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہیں اسلام سے تین چیزیں روکتی ہیں: (۱) صلیب کی عبادت (۲) سور کھانے کی عادت (۳) تمہارا یہ خیال کہ اللہ کے لیے لڑکا ہے۔''

انہوں نے کہا:

''تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مثل کون ہے جو بغیر باپ کے پیدا کیا گیا ہو؟''

اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ ٱللَّهِ كَمَثَلِ ءَادَمَ ۖ خَلَقَهُۥ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ ٱلْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا۟ نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ ٱللَّهِ عَلَى ٱلْكَـٰذِبِينَ ﴿٦١﴾ (آل عمران: ٥٩-٦١)

''بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے، اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ حق تیرے رب کی طرف سے ہے۔ پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو، پھر تمہارے پاس علم آ جانے کے بعد جو کوئی تم سے اس (عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں حجت کرے تو اس سے کہہ دو کہ ہم بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو، پھر مباہلہ کریں (اللہ سے

گڑگڑا کر دعا کریں) پس اللہ کی لعنت ٹھہرائیں جھوٹوں پر۔‘‘

یہ آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر تلاوت کیں اور انہیں مباہلے کی دعوت دی۔ انہوں نے مہلت مانگی، باہم مشورہ کیا اور کہا کہ اگر یہ نبی ہے اور ہم نے اس سے ملاعنت کی تو ہمارا کوئی بال اور کوئی ناخن بھی تباہی سے نہ بچ سکے گا۔ چنانچہ وہ جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ ہزار جوڑا صفر میں، ہزار جوڑا رجب میں، ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ چاندی (یعنی چالیس درہم) اور آپ نے ان کے لیے ذمہ، امان اور دین کی حریت منظور فرمائی۔ پھر انہوں نے کہا کہ:

’’ہمارے ساتھ امانت دار آدمی بھیجیں۔‘‘

آپ نے ابوعبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور یہیں سے ان کا لقب ’’امین الامت‘‘ پڑ گیا۔

نجران واپسی کے دوران وفد کے دو آدمی مسلمان ہو گئے۔ پھر ان میں اسلام پھیلتا گیا، یہاں تک کہ سب مسلمان ہو گئے۔

اہل طائف کا وفد:

یہ گزر چکا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے بعد طائف کا محاصرہ کر لیا تھا۔ پھر انہیں ان کی جگہ چھوڑ کر واپس آ گئے تھے، جب آپ واپس ہوئے تو عروہ بن مسعود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے آیا، مدینہ پہنچنے سے پہلے آپ سے ملا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی، یہ ان کی نظر میں اپنی لڑکیوں اور عورتوں سے بھی زیادہ محبوب تھا، اس لیے اس کا خیال تھا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں گے۔ لیکن لوگوں نے ہر جانب سے تیر چلا کر اسے جان سے مار ڈالا۔ پھر آپس میں مشورہ کیا اور محسوس کیا کہ ان میں گردوپیش کے عربوں سے جنگ کی طاقت نہیں، لہٰذا عبد یالیل بن عمرو کو دوسرے پانچ اشراف کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ یہ رمضان ۹ ہجری کی بات ہے۔

جب وہ مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے ایک گوشے میں ان کے لیے خیمہ نصب کرایا، تاکہ وہ قرآن سنیں اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں۔

یہ لوگ ٹھہر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے رہے اور آپ انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر وہ مسلمان نہیں ہو رہے تھے۔ انہوں نے آپ سے گزارش کی آپ انہیں زنا کاری، شراب نوشی اور سود خوری کی اجازت دیں۔ یہ کہ ''لات'' کو نہیں ڈھائیں گے، ان سے نماز معاف رکھیں گے اور ان کے ہاتھوں ان کے بت نہ تڑوائیں گے۔ آپ نے ان باتوں کے ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ انہوں نے آپ کی بات مان لی اور مسلمان ہو گئے، البتہ یہ شرط لگائی کہ ''لات'' کو ڈھانے کا انتظام آپ خود فرمائیں۔ ثقیف اسے اپنے ہاتھوں ہرگز مسمار نہ کریں گے۔ آپ نے یہ بات منظور فرمالی۔

حضرت عثمان بن العاص ثقفی رضی اللہ عنہ اس وفد کے سب سے کم عمر ممبر تھے، لہٰذا یہ لوگ انہیں ڈیرے ہی میں چھوڑ جایا کرتے تھے۔ مگر یہ لوگ جب آتے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں جا کر قرآن پڑھتے اور اگر آپ کو سویا ہوا دیکھتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پڑھتے۔ یہاں تک کہ بہت سا قرآن آپ نے یاد کر لیا مگر اپنے ساتھیوں سے چھپائے رکھا۔ جب وہ لوگ مسلمان ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو ان کا امیر بنا دیا، کیونکہ انہیں اسلام، قراءت اور دین سیکھنے کی رغبت تھی۔

وفد اپنی قوم میں واپس گیا تو ان سے اپنا ایمان چھپائے رکھا اور جنگ و قتال کا خوف دلایا۔ کہا کہ ہم ایک سخت اور تندمزاج آدمی کے پاس گئے تھے جو تلوار کے زور سے غالب آ گیا ہے اور لوگ اس کے تابع فرمان ہو گئے ہیں۔ اس نے ہم پر سخت باتیں پیش کی ہیں۔ مثال میں زنا کاری، شراب نوشی اور سود خوری وغیرہ ترک کرنے کا ذکر کیا، اگر اسے تسلیم نہ کیا تو وہ ہم سے جنگ کرے گا۔ اس پر انہیں نخوت نے جا پکڑا اور وہ دو تین روز تک جنگ کی تیاری کرتے رہے، پھر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے وفد سے کہا:

''واپس جاؤ اور جو کچھ اس نے مانگا ہے اسے دے دو۔''

وفد نے کہا: ''ہم اس سے طے کر آئے ہیں اور مسلمان ہو چکے ہیں۔''

اس پر ثقیف بھی مسلمان ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید اور مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہما کو کچھ آدمیوں کے ساتھ

''لات'' کو مسمار کرنے کے لیے طائف بھیجا، انہوں نے بت توڑ ڈالا اور عمارت مسمار کر دی۔

بنو عامر بن صعصعہ کا وفد:

اس وفد میں اللہ کا دشمن عامر بن طفیل تھا...... جس نے اصحاب بئر معونہ کے ساتھ غدر کیا تھا...... اور اربد بن قیس اور جبار بن اسلم تھے۔ یہ اپنی قوم کے رؤساء اور شیاطین تھے۔ عامر اور اربد بن قیس نے نبی ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا، جب یہ لوگ مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ عامر نے...... جو وفد کا ترجمان تھا...... کہا:

''میں آپ کو تین باتوں کا اختیار دیتا ہوں۔ ① آپ کے لیے وادی کے باشندے ہوں اور میرے لیے بادیہ کے۔ ② میں آپ کے بعد آپ کا خلیفہ بنوں۔ ③ ورنہ میں غطفان کو ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار گھوڑیوں سمیت آپ پر چڑھا لاؤں گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کوئی بات نہ مانی اور دعا کی کہ:

''اے اللہ! عامر کے لیے مجھے کافی ہو اور اس کی قوم کو ہدایت دے۔''

ادھر جس وقت عامر باتیں کر رہا تھا۔ اربد گھوم کر نبی ﷺ کے پیچھے گیا اور اپنی تلوار میان سے ایک بالشت نکالی۔ پھر اللہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ تلوار سونتنے پر قادر ہی نہ ہو سکا۔

جب یہ لوگ واپس ہوئے تو راستے میں عامر اپنی قوم بنوسلول کی ایک عورت کے پاس اترا اور اس کے گھر میں سو گیا۔ اسی دوران اللہ نے اس پر طاعون بھیج دیا اور اس کے حلق میں گلٹی نکل آئی۔ اس نے کہا اونٹ کی گلٹی جیسی گلٹی اور ایک سلولی عورت کے گھر میں موت؟ میرے پاس میرا گھوڑا لاؤ، چنانچہ وہ سوار ہوا اور گھوڑے ہی پر مر گیا۔

ادھر اربد اور اس کے اونٹ پر اللہ نے بجلی بھیج دی، جس سے دونوں جل مرے اور اسی بارے میں اللہ نے آیت نازل فرمائی:

وَيُرْسِلُ ٱلصَّوَٰعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَن يَشَآءُ وَهُمْ يُجَٰدِلُونَ فِى ٱللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ ٱلْمِحَالِ ﴿١٣﴾ (الرعد:١٣)

"وہ بجلی ہے پس اس کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے، وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں اور وہ سخت پکڑ والا ہے۔"

ان دونوں کا قصہ انہی کے قبیلے بنو عامر کے ایک صحابی موئلہ بن جمیل رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کی عمر بیس سال تھی، انہوں نے بیعت کی، آپ کا داہنا ہاتھ چھوا اور اپنے اونٹ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے دوسالہ مادہ اونٹنی صدقہ میں لی۔ اس کے بعد وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور اسلام کی حالت میں سو سال زندہ رہے۔ انہیں ان کی فصاحت کے سبب "دو زبان والا" کہا جاتا تھا۔

بنو حنیفہ کا وفد:

یہ ۹ ہجری میں آیا۔ اس میں مسیلمہ کذاب سمیت سولہ افراد تھے، یہ لوگ ایک انصاری آدمی کے گھر میں اترے، پھر خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے، البتہ مسیلمہ کذاب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا...... اور کہا جاتا ہے پیچھے رہ گیا تھا اور خدمت نبوی میں حاضر ہی نہ ہوا تھا...... اور کہا تھا کہ:

"اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے بعد کاروبار حکومت مجھے دینا طے کر دیا تو میں اس کی پیروی کروں گا۔"

اس سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ خواب دیکھ چکے تھے کہ آپ کے پاس روئے زمین کے خزانے لا کر رکھ دیے گئے ہیں۔ اس میں سے سونے کے دو کنگن آپ کے ہاتھ میں آ پڑے ہیں۔ آپ کو یہ دونوں بہت گراں اور رنج دہ محسوس ہوئے۔ آپ کو وحی کی گئی کہ ان دونوں کو پھونک دیجیے۔ آپ نے پھونک دیا تو وہ دونوں اڑ گئے۔ اس کی تعبیر آپ نے یہ فرمائی کہ آپ کے بعد دو کذاب (پرلے درجے کے جھوٹے) نکلیں گے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسیلمہ کے پاس آئے، آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی اور آپ کے ہمراہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ مسیلمہ کے سر پر جا کھڑے ہوئے جو اپنے ساتھیوں کے درمیان تھا اور اس سے گفتگو کی۔ مسیلمہ نے کہا:

"اگر آپ چاہیں تو ہم حکومت آپ کے ہاتھ میں رہنے دیں، لیکن اپنے بعد اس کو ہمارے لیے طے فرما دیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر تم مجھ سے (کھجور کا) یہ ٹکڑا چاہو گے تو یہ بھی تمہیں نہ دوں گا اور تم اپنے بارے میں اللہ کے مقرر کیے ہوئے فیصلے سے آگے نہیں جا سکتے۔ اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تمہیں توڑ کر رکھ دے گا۔ واللہ! میں تجھے وہی شخص سمجھتا ہوں جس کے بارے میں مجھے (خواب میں) دکھلایا گیا ہے جو کچھ کہ دکھلایا گیا ہے۔ یہ ثابت بن قیس ہیں جو تمہیں میری طرف سے جواب دیں گے۔"

پھر آپ واپس پلٹ آئے۔

وفد واپس گیا تو مسیلمہ کچھ دن ٹھہرا رہا، پھر دعویٰ کیا کہ اسے نبی ﷺ کے ساتھ کار نبوت میں شریک کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا، سجعات (مقفی کلام) گھڑنے لگا اور اپنی قوم کے لیے شراب اور زنا حلال کر دیا۔ قوم بھی فتنے میں پڑ گئی اور اس کا معاملہ بہت سنگین ہو گیا۔ ابھی یہ صورت حال برپا تھی کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے۔ اس سے اس کی قوم مزید فتنے میں پڑ گئی۔ آخر کار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر بھیجے۔ ان میں اور مسلمانوں میں خوب لڑائیاں ہوئیں۔ مسیلمہ اور اس کا بیشتر لشکر مارا گیا اور اس کا فتنہ ختم ہوا۔ اس کا قاتل وحشی بن حرب تھا جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ (دوسرا کذاب جو نبی ﷺ کو دکھلایا گیا اسود عنسی تھا۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے)۔

شاہان حمیر کے قاصد کی آمد:

تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد مالک بن مرہ رہاوی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے پاس شاہان حمیر حارث بن عبدکلال، نعیم بن عبدکلال اور نعمان، نیز سربراہان ذی رعین و معافر و ہمدان کے خطوط تھے۔ یہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور اسی اطلاع کے ساتھ اس کو بھیجا تھا۔ نبی ﷺ نے انہیں جوابی خط لکھا جس میں ان کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں بیان فرمائیں اور معاہدین کو ذمہ عطا کیا۔

پھر ان کے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بھیجا، یہ عدن کے اطراف میں ''سکون وسکاسک'' کے مابین بالائی یمن کے قاضی، جنگوں کے حاکم، صدقہ و جزیہ کی وصولی پر مامور اور پانچوں نمازیں پڑھاتے تھے۔

زیریں یمن، زبید، مآب، زمع اور ساحل کے لیے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا کہ:

''تم دونوں آسانی کرنا سختی نہ کرنا، خوشخبری دینا نفرت نہ دلانا اور مل کر رہنا اختلاف نہ کرنا۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یمن ہی میں رہے۔ البتہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔

ہمدان کا وفد:

ہمدان یمن کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اس کا وفد ۹ ہجری میں تبوک سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ اس میں مالک بن نمط تھا، جو بہترین شاعر تھا، اس نے کہا:

حَلَفْتُ بِرَبِّ الرَّاقِصَاتِ اِلٰی مِنًی

صَوَادِرُ بِالرُّکْبَانِ مِنْ هَضْبِ قَرْدَدِ

بِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ فِیْنَا مُصَدَّقٌ

رَسُوْلٌ اَتٰی مِنْ عِنْدِ ذِی الْعَرْشِ، مُهْتَدِ

فَمَا حَمَلَتْ مِنْ نَاقَةٍ فَوْقَ رَحْلِهَا

اَشَدُّ عَلٰی اَعْدَائِهٖ مِنْ مُحَمَّدِ

''میں نے منیٰ کا چکر لگانے والیوں اور قردد کی بلندی سے قافلوں کے ساتھ پلٹنے والیوں کے رب کی قسم کھائی کہ اللہ کے رسول ہم میں سچے مانے گئے ہیں، یہ وہ ہدایت یافتہ رسول ہیں جو عرش والے کے پاس سے آئے ہیں۔ کسی اونٹنی نے اپنے کجاوے پر کوئی ایسا انسان سوار نہیں کیا جو اپنے دشمن پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کڑا ہو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک تحریر لکھی، جو کچھ انہوں نے مانگا تھا وہ انہیں دیا اور جو لوگ اسلام لائے تھے ان پر مالک بن نمط کو مقرر فرمایا۔ پھر باقی لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا، انہوں نے چھ مہینے گزار دیے مگر وہ لوگ مسلمان نہ ہوئے، اس کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خط پڑھ کر سنایا اور اسلام کی دعوت دی تو سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بشارت لکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا:

''ہمدان پر سلام، ہمدان پر سلام۔''

بنو عبدالمدان کا وفد:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الآخر ۱۰ ہجری میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سرزمین یمن کے علاقہ نجران میں بنو عبدالمدان کے پاس روانہ کیا کہ انہیں تین دن تک اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو لڑائی کریں، چنانچہ وہاں پہنچ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سواروں کو ہر طرف اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیج دیا، جو کہتے تھے کہ ''لوگو! اسلام لاؤ، سالم رہو گے۔'' لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان ایسے لوگوں کو مقرر کیا جو اسلام کی تعلیم دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع لکھ بھیجی۔ آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو پیغام دیا کہ ان کا وفد لے کر آئیں، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ:

''جاہلیت میں جو تم سے لڑتا تھا، اس پر تم لوگ کس وجہ سے غالب آتے تھے؟''

انہوں نے کہا:

''ہم یکجا ہو جاتے تھے، متفرق نہ ہوتے تھے اور کسی پر ظلم کا آغاز نہ کرتے تھے۔''

آپ نے فرمایا:

''تم لوگوں نے سچ کہا۔''

اور قیس بن حصن رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ وہ لوگ شوال کے آخر یا ذی قعدہ کے شروع میں اپنی قوم کے پاس واپس گئے، پھر آپ نے ان کے پاس عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ انہیں دین سمجھائیں، سنت اور اسلام کی چیدہ چیدہ باتیں سکھائیں اور ان سے صدقات وصول کریں۔ آپ نے اس کے متعلق انہیں ایک تحریر بھی لکھ کر دی، جو بہت مشہور ہے۔

بنو مذحج کا اسلام:

یہ بھی ایک یمنی قبیلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو رمضان ۱۰ ہجری میں اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ جب تک وہ لڑائی نہ کریں لڑائی نہ کرنا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور ان کی جمعیت کا سامنا ہوا تو انہیں اسلام کی دعوت دی، مگر انہوں نے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر تیر چلائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی اور ان سے لڑ کر انہیں شکست دی۔ لیکن ان کے تعاقب سے کچھ دیر رکے رہے، پھر اسلام کی دعوت دی۔ اب کی بار وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ ان کے رؤساء نے بیعت کی اور کہا کہ ہماری قوم کے جو لوگ پیچھے ہیں ہم ان کے ذمہ دار ہیں یہ ہمارے صدقات ہیں، ان میں سے آپ اللہ کا حق لے لیجیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا، پھر پلٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو حجۃ الوداع میں مکہ کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔

اَزدِ شنوءہ کا وفد:

یہ بھی یمن کے اطراف کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اس کا وفد صرد بن عبداللہ ازدی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں آیا اور مسلمان ہو گیا۔ آپ نے حضرت صرد رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنا دیا اور حکم دیا کہ جو اسلام لا چکے ہیں ان کو ساتھ لے کر اہل شرک سے لڑائی کریں۔

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی آمد اور ''ذوالخلصہ'' کا انہدام:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے، یہ مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ ان کے قبیلہ بجلیہ اور خثعم کا ایک بت اور ایک بہت بڑا بت خانہ تھا

جسے ذوالخلصہ کہتے تھے۔اس سے خانہ کعبہ کی ہمسری کرتے تھے۔ چنانچہ کعبہ کو''کعبہ شامیہ'' کہتے تھے اور اپنے اس بت خانے کو''کعبہ یمانیہ'' کہتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''کیا تم مجھے ذوالخلصہ سے راحت نہ دو گے؟''

انہوں نے شکوہ کیا کہ وہ گھوڑے پر برقرار نہیں رہ پاتے، آپ نے دست مبارک سے ان کے سینے پر ضرب لگائی اور فرمایا:

''اے اللہ! انہیں ثابت رکھ اور انہیں ہادی بنا۔''

چنانچہ اس کے بعد وہ گھوڑے سے کبھی نہیں گرے۔

پھر وہ اپنی قوم احمس ...... جو بجلیہ کی ایک شاخ ہے...... کے ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ ذوالخلصہ گئے، اسے ویران کر دیا اور جلا کر خارش زدہ اونٹ کی طرح چھوڑ دیا اور ابوارطاۃ کو اس کی بشارت دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، آپ نے احمس کے گھوڑوں اور لوگوں کے لیے پانچ بار برکت کی دعا کی۔

اسود عنسی کا ظہور اور قتل:

یمن میں امن اور اسلام کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اس کے تمام اطراف میں رسول اللہ ﷺ کے عمال موجود تھے کہ اچانک ''کہف حنان'' نامی شہر میں سات سو جنگجوؤں کے ساتھ اسود عنسی ظاہر ہوا۔ وہ اپنے لیے نبوت اور حکومت کا دعوے دار تھا۔اس نے آگے بڑھ کر صنعاء پر قبضہ کر لیا، پھر اس کا معاملہ مزید سنگین،اس کا فتنہ سخت اور اس کی حکومت طاقت ور ہو گئی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے عمال ''اشعریین'' کے علاقے میں سمٹ آئے اور مسلمانوں نے اس کے ساتھ تقیہ سے کام لیا۔ یہ سلسلہ تین یا چار مہینے جاری رہا۔ پھر فیروز دیلمی اور اس کے فارسی ساتھیوں نے جو مسلمان ہو چکے تھے، کوئی چال چلی اور فیروز نے اسے قتل کر کے اس کا سر کاٹا اور قلعہ کے باہر پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر اس کے ساتھی بھاگ نکلے۔ اسلام اور اہل اسلام غالب آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے عمال اپنے اپنے کاموں پر واپس آ گئے اور آپ کو اس کی اطلاع لکھ بھیجی۔

اسود عنسی کے قتل کا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف ایک دن اور ایک رات پہلے پیش آیا تھا۔ اس کے متعلق آپ کے پاس وحی آئی اور آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی اطلاع دی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خط بھی آ گیا۔

حجۃ الوداع

(سنہ ۱۰ ہجری)

جب جزیرۂ عرب میں دعوت کی تبلیغ مکمل ہوگئی اور اللہ نے اہل ایمان کی ایک ایسی جماعت پیدا فرما دی جو دعوت کی حفاظت کی ضامن اور اسے زمین کے کونے کونے تک پہنچانے کی کفیل تھی تو اللہ نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ کو انتقال سے پہلے ان کے جہد پیہم کا ثمرہ بھی دکھلا دے، چنانچہ آپ کو ذی الحجہ ۱۰ ہجری میں بیت اللہ کے حج سے مشرف فرمایا۔

آپ ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اس کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ مدینہ میں بہت سے لوگ جمع ہوگئے، ہفتہ کے دن جبکہ ذی القعدہ میں پانچ دن باقی تھے، یعنی ۲۶ ذی القعدہ کو آپ نے بالوں میں کنگھی کی، تیل لگایا، تہبند پہنا، چادر اوڑھی اور ظہر کی نماز کے بعد مدینہ سے چل پڑے۔ عصر پڑھنے سے پہلے ذُوالحلیفہ پہنچ گئے، وہاں پہنچ کر دو رکعت عصر پڑھی، پھر وہیں رات گزاری، صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"آج میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا: "اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو "حج میں عمرہ ہے۔""

یہ درحقیقت ایام حج میں عمرے کی اباحت تھی جسے اہل جاہلیت انتہائی برا سمجھتے تھے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے ظہر سے پہلے غسل کیا، سر اور بدن میں خوشبو لگائی، جس میں مشک بھی تھا۔ پھر تہبند پہنا، چادر اوڑھی، پھر دو رکعت ظہر پڑھی، مصلّٰی ہی پر حج اور عمرے کا احرام

باندھا اور دونوں میں قران کیا۔ فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجٍّ))

"اے اللہ! میں عمرے اور حج کے لیے حاضر ہوں۔"

پھر صدائے لبیک بلند کی:

((لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ، لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ))

"ہم بار بار حاضر ہیں، اے اللہ! ہم بار بار حاضر ہیں، بار بار حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں ہم بار بار حاضر ہیں، یقیناً حمد اور نعمت تیرے لیے ہے اور بادشاہت بھی، تیرا کوئی شریک نہیں۔"

اور کبھی کبھی فرماتے:

((لَبَّیْكَ اِلٰهَ الْحَقِّ))

"معبود برحق! ہم بار بار حاضر ہیں۔"

پھر مصلّٰی سے نکل کر اونٹنی پر سوار ہوئے اور پھر لبیک پکارا۔ جب اونٹنی آپ کو لے کر میدان میں برابر ہوئی تو آپ نے پھر لبیک پکارا، نماز کے بعد ذوالحلیفہ ہی میں آپ نے ہدی (قربانی کے جانوروں) کے کوہان چیرے اور انہیں قلادے پہنائے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا، ہفتہ بھر بعد مکہ کے قریب پہنچے تو ذی طویٰ میں رات گزاری اور وہیں فجر پڑھ کر غسل فرمایا۔ پھر مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ یہ اتوار ۴ ذی الحجہ کی صبح تھی۔ آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا، صفا و مروہ کی سعی کی پھر بالائی مکہ میں حجون کے پاس قیام فرمایا اور دوبارہ پلٹ کر طواف نہیں کیا۔ البتہ احرام برقرار رکھا، کیونکہ آپ قارن تھے یعنی حج اور عمرے کا احرام اکٹھا باندھا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ہدی (قربانی کا جانور) ساتھ لائے تھے۔ چنانچہ جو کوئی بھی اپنے ساتھ ہدی لایا تھا آپ نے اسے حکم دیا کہ اپنا احرام برقرار رکھے۔ البتہ جو لوگ ہدی نہیں لائے انہیں حکم دیا کہ طواف وسعی کے بعد سر منڈوا لیں

اور پورے طور پر حلال ہو جائیں۔ اپنے اس عمل کو عمرہ قرار دے لیں، خواہ انہوں نے حج کی نیت سے احرام باندھا ہو یا عمرے کی نیت سے یا دونوں کی نیت سے۔ آپ نے فرمایا:

"اگر مجھے پہلے وہ بات معلوم ہو جاتی جو بعد میں معلوم ہوئی تو میں ہدی نہ لاتا، اسے عمرہ قرار دے دیتا اور حلال ہو جاتا۔"

چنانچہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہیں تھی وہ حلال ہو گئے۔

پھر آپ ﷺ ۸ ذی الحجہ، ترویہ کے دن منیٰ تشریف لے گئے۔ جو لوگ حلال ہو چکے وہ بھی حج کا احرام باندھ کر منیٰ گئے۔ وہاں آپ نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کل پانچ نمازیں پڑھیں۔ چار رکعت والی نمازیں قصر کر کے دو دو رکعت پڑھیں، پھر سورج طلوع ہونے کے بعد منیٰ سے چل پڑے اور عرفات تشریف لائے۔ وہاں وادئ نمرہ میں آپ کے لیے قبہ لگا ہوا تھا۔ آپ اسی میں استراحت فرما ہوئے۔ سورج ڈھلا تو "قصواء" اونٹنی پر سوار ہو کر وادئ عرنہ میں تشریف لائے، لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع تھے، آپ نے ان کے اندر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اللہ کی حمد و ثنا کی، کلمات شہادت کہے، اللہ کے تقویٰ کی وصیت کی، پھر جو باتیں کہیں ان میں آپ نے فرمایا:

"لوگو! میری بات سنو۔ مجھے نہیں معلوم، غالباً میں تم سے اپنے اس سال کے بعد اس مقام پر کبھی نہ مل سکوں گا۔ تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن کی، موجودہ مہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی، جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیے گئے اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے (یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ بنو ہذیل نے اسے قتل کر دیا) نیز جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ اب یہ سارے کا سارا سود ختم ہے۔"

ہاں! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے

ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعے ان کی شرم گاہیں حلال کی ہیں۔ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ تم انہیں مار سکتے ہو لیکن سخت مار نہ مارنا۔تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں معروف کے ساتھ کھلاؤ اور پہناؤ۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔ ''تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو کیا کہو گے؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا:

''ہم شہادت دیں گے کہ آپ نے تبلیغ کر دی، پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا فرما دیا۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا:

''اے اللہ! گواہ رہ، اے اللہ! گواہ رہ، اے اللہ! گواہ رہ۔''

اس خطبے میں آپ نے مزید کئی امور بیان فرمائے اور جب فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَـٰمَ دِينًا ۚ ﴿٣﴾ (المائدۃ:۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا۔''

چنانچہ یہ نعمت، سعادت اور شکر کا دن تھا۔

خطبہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان اور پھر اقامت کہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر اقامت کہی اور آپ نے دو رکعت عصر کی نماز پڑھائی، دونوں کو ظہر کے وقت میں جمع تقدیم کے طور پر اکٹھا کیا اور ان دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔ پھر جائے وقوف پر تشریف لائے، اونٹنی کا شکم چٹانوں کی جانب کیا اور قبلہ رخ ہو کر

مسلسل وقوف فرمایا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور تھوڑی زردی چلی گئی۔ پھر روانہ ہو کر مزدلفہ تشریف لائے۔ وہاں مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھی اور درمیان میں کوئی نماز نہ پڑھی۔ پھر آپ ﷺ لیٹ گئے اور طلوع فجر تک لیٹے رہے۔ پھر صبح تڑکے فجر کی نماز پڑھی اور مشعر حرام آ گئے۔ وہاں قبلہ رخ ہو کر دعا، تکبیر و تہلیل اور توحید کے کلمات کہتے رہے، یہاں تک کہ خوب اجالا ہو گیا۔

اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے۔ جمرۂ کبریٰ پر آ کر اسے سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے، اس جمرہ کو کنکری مارنے تک آپ لبیک پکارتے رہے اور کنکری مارنے کے ساتھ ہی تلبیہ ختم کر دیا۔ نیز اس جمرہ کے پاس ٹھہر کر آپ یہ بھی فرماتے رہے کہ:

''مجھ سے اپنے اعمال حج لے لو غالباً میں اپنے اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں گا۔''

پھر آپ ﷺ منیٰ میں اپنے ڈیرے پر تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے سو (۱۰۰) میں سے تریسٹھ (۶۳) اونٹ نحر کیے۔ باقی یعنی سینتیس (۳۷) اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نحر کیے۔ پھر آپ کے حکم سے ہر اونٹ کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر ہنڈیا میں ڈالا اور پکایا گیا۔ پھر آپ نے اور لوگوں نے اس کا گوشت تناول کیا اور شوربا پیا۔

قربانی سے فارغ ہو کر حجام کو بلایا اور سر کا داہنا حصہ دیا۔ اس نے مونڈ کر ایک ایک دو دو بال لوگوں میں تقسیم کر دیے، پھر بایاں حصہ مونڈ کر ابوطلحہ کو دے دیا۔

پھر آپ ﷺ نے اپنے کپڑے پہنے، خوشبو لگائی اور اس کے بعد سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لائے، طواف افاضہ کیا، لیکن صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی۔ اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر بنو عبد المطلب کے پاس آئے۔ وہ لوگ زمزم پلا رہے تھے، آپ نے فرمایا:

''بنو عبد المطلب! تم لوگ پانی کھینچو، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے پانی پلانے کے اس کام میں تمہیں مغلوب کر دیں گے تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کھینچتا۔''

چنانچہ انہوں نے آپ کو ایک ڈول پانی دیا اور آپ ﷺ نے اسے پیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ منیٰ واپس آ گئے، وہاں ایامِ تشریق یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ تک ٹھہر

کر تینوں جمرات کو روزانہ سورج ڈھلنے کے بعد کنکریاں مارتے رہے۔ جمرۂ صغریٰ سے شروع کرتے، اسے سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے۔ پھر جمرۂ وسطیٰ اور اس کے بعد جمرۂ کبریٰ کے ساتھ یہی کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے یوم النحر (دسویں تاریخ) کو بھی ایک خطبہ دیا۔ پھر ایام تشریق کے درمیان دن ۱۲ ذی الحجہ کو بھی ایک خطبہ دیا۔ جس میں خطبہ عرفہ کی باتوں کی تاکید فرمائی اور مزید نصیحتیں بھی کیں۔ ایام تشریق کے درمیانی دن خطبہ سے پہلے 'سورۂ نصر'' نازل ہوئی۔

۱۳ ذی الحجہ کو جو ایام تشریق کا تیسرا اور حج سے واپسی کا دوسرا اور آخری دن ہے۔ یہ منگل کا دن تھا۔ نبی ﷺ نے جمرات کو کنکر مار کر منیٰ سے کوچ فرمایا۔ ابطح میں اتر کر وہیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں۔ وہیں سے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھیجا کہ انہیں تنعیم سے عمرہ کرا لائیں۔ چنانچہ انہوں نے احرام باندھ کر عمرہ کیا پھر بوقت سحر ابطح میں آپ کے پاس پہنچ گئیں۔ ادھر ابطح میں آپ نے آرام فرمایا اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آ گئیں تو کوچ کا اعلان کیا۔ سوار ہو کر خانہ کعبہ تشریف لے گئے، طواف وداع کیا اور فجر کی نماز پڑھی۔ پھر زیریں مکہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا۔ جب مدینہ قریب آ گیا اور اس کے نقوش دکھائی دینے لگے تو تین بار ''اللہ اکبر'' کہا۔ پھر فرمایا:

((لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، آئِبُوْنَ، تَآئِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ))

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہت ہے، اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم پلٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت گزار، سجدہ کرنے والے، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا ساری جماعتوں کو شکست دی۔''

سریہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما (ربیع الاول ۱۱ ہجری):

رسول اللہ ﷺ نے واپس آ کر مدینہ میں قیام فرمایا اور ۲۳ سال پہلے آپ نے جو دعوت شروع کی تھی اس کی کامیابی اور اللہ کے دین میں فوج در فوج لوگوں کے داخلے کا جو منظر آپ کے رب نے آپ کو دکھایا اس پر اس کی حمد و تسبیح کرتے رہے۔ اس دوران بعض وفود کا استقبال بھی کیا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو سات سو فوجیوں کے ساتھ تیار کیا اور حکم دیا کہ:

''بلقاء کا علاقہ اور دار روم کی فلسطینی زمین سواروں کے ذریعہ روند آؤ۔''

یہ لشکر روانہ ہو کر مدینہ سے تین میل دور مقام جرف میں خیمہ زن ہوا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے متعلق تشویشناک خبروں کے سبب وہیں رک کر نتیجہ کا انتظار کرنے لگا۔ اللہ کا فیصلہ یہ ظاہر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور یہ لشکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کی پہلی فوجی مہم قرار پایا۔

رفیق اعلیٰ کی جانب

جب رسول اللہ ﷺ نے رسالت کی تبلیغ فرمالی، امانت ادا کرلی اور امت کی خیر خواہی کا کام مکمل کرلیا تو آپ کے اقوال وافعال میں دنیا سے رخصتی کے آثار نمایاں ہونا شروع ہوگئے۔
آپ ﷺ نے دسویں سال رمضان میں بیس دن اعتکاف فرمایا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا۔ آپ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آچکا ہے۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن رخصت کیا تو انہیں وصیت کرنے کے بعد فرمایا:

''اے معاذ! غالباً میرے اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہ کرسکو گے اور میری اس مسجد اور میری قبر سے گزرو گے۔''

یہ سن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم سے رونے لگے۔

آپ نے حجۃ الوداع میں کئی بار کہا:

''غالباً میں تم لوگوں سے اپنے اس سال کے بعد نہ مل سکوں گا۔ غالباً میں اپنے اس سال کے بعد حج نہ کرسکوں گا۔''

اسی طرح ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ......﴾ اور ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ کا نزول اس بات کا پیغام تھا کہ آپ دنیا میں اپنی مہم سے فارغ ہوچکے ہیں۔ اسی وجہ سے اس حج کا نام ''حجۃ الوداع'' رکھا گیا۔ کیونکہ آپ نے اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کی طرف منتقل ہونے کے لیے لوگوں کو الوداع کہا۔

اوائل صفر ۱۱ ہجری میں آپ احد تشریف لے گئے اور شہداء کے لیے اس طرح دعا کی گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر واپس آ کر منبر پر فروکش ہوئے اور فرمایا:

''میں تمہارا پیش رو ہوں اور تم پر گواہ ہوں، میں واللہ! اس وقت اپنا حوض دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین یا زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! مجھے تم پر یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، بلکہ اس کا اندیشہ ہے کہ دنیا میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ میں لگ جاؤ گے۔''

ماہِ صفر کے آخر میں آپ ﷺ رات کے وقت بقیع غرقد تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی اور فرمایا:

''ہم بھی تم سے آن ملنے والے ہیں۔''

مرض کا آغاز:

ماہِ صفر کے آخری دو شنبہ کو رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں بقیع تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ بقیع سے واپس تشریف لائے تو میں اپنے سر میں درد محسوس کر رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کہ ''ہائے میرا سر'' آپ نے فرمایا:

''بلکہ میں۔ واللہ! اے عائشہ! ہائے میرا سر۔''

یہ آپ ﷺ کی بیماری کی ابتدا تھی۔ آپ اس کے باوجود باری باری سب عورتوں کے پاس دن گزارتے رہے۔ یہاں تک کہ مرض سخت ہو گیا۔ اس وقت آپ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے اور پوچھ رہے تھے کہ میں کل کہاں رہوں گا؟ میں کل کہاں رہوں گا؟'' مقصود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی۔ ازواجِ مطہرات نے اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں۔ چنانچہ آپ حضرت فضل بن عباس اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے درمیان ٹیک لگا کر دونوں پاؤں زمین پر گھسیٹتے ہوئے نکلے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر منتقل ہو گئے۔

عہد اور وصیت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ میرے گھر تشریف لائے اور بیماری نے زور پکڑا تو

آپ ﷺ نے فرمایا:

''مجھ پر سات مشکیزے پانی ڈالو جن کا بندھن نہ کھولا گیا ہو، تاکہ میں لوگوں کو وصیت کروں۔''

چنانچہ ہم نے آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ایک لگن میں بٹھا کر ان مشکیزوں سے پانی ڈالا، حتیٰ کہ آپ اشارہ فرمانے لگے کہ تم لوگوں نے کام پورا کر دیا۔ پھر آپ لوگوں کی جانب تشریف لے گئے، انہیں نماز پڑھائی اور خطاب فرمایا۔

اس خطاب میں آپ ﷺ نے من جملہ اور باتوں کے فرمایا:

''تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو مساجد بنا لیتے تھے، تو تم لوگ قبروں کو مساجد نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔''

مزید فرمایا:

''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ...... انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔''

مزید فرمایا:

''تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔''

پھر آپ ﷺ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا، انصار کے متعلق خیر کی وصیت کی، پھر فرمایا:

''ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ وہ دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے جو چاہے لے لے، یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے، تو اس بندے نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کیا۔''

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا:

''ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان!''

اس پر ہمیں تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا:

''اس بڈھے کو دیکھو، رسول اللہ ﷺ تو ایک بندے کے بارے میں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار دیا کہ دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں

سے جو چاہے اسے اللہ دے دے یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے اور یہ بڑھا کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان۔"

(لیکن چند دن بعد واضح ہوا کہ) جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ صاحب علم تھے۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور ان کے دروازے کے سوا مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا۔

یہ بدھ کے روز کی بات ہے۔ جمعرات کو آپ ﷺ کی بیماری نے اور شدت اختیار کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لاؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"آپ ﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے۔ اللہ کی یہ کتاب تمہارے لیے کافی ہے۔"

اس پر لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور جب شور اور اختلاف زیادہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔"

اسی دن آپ ﷺ نے وصیت کی کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے۔ وفود کو اسی طرح نوازا جائے جیسے آپ نوازتے تھے۔ نماز، غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق بھی تاکید فرمائی اور فرمایا کہ:

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے، کتاب اللہ اور میری سنت۔"

نماز کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانشینی:

نبی ﷺ مرض کی شدت کے باوجود نماز خود پڑھایا کرتے تھے، لیکن اس دن ...... جمعرات کو ...... جب عشاء کا وقت ہوا تو آپ نے ایک لگن میں غسل فرمایا، تاکہ مرض میں تخفیف ہو جائے۔ پھر اٹھنے لگے تو غشی طاری ہو گئی۔ پھر افاقہ ہوا تو دوبارہ غسل فرمایا، لیکن پھر

اٹھنے لگے تو پھر غشی طاری ہوگئی۔ پھر تیسری بار غسل فرمایا،لیکن پھر اٹھنے لگے تو پھر غشی طاری ہوگئی۔ آخر آپ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ اس وقت سے بقیہ ایام میں ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، آپ کی حیاتِ مبارکہ میں ان کی پڑھائی نمازوں کی کل تعداد سترہ ہے۔

ہفتہ یا اتوار کو رسول اللہ ﷺ نے کچھ افاقہ محسوس کیا۔ چنانچہ دو آدمیوں کے درمیان ظہر کی نماز کے لیے تشریف لائے، اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، آپ کو ان کے بائیں بٹھا دیا گیا۔ چنانچہ اب ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے کہ وہی لوگوں کو تکبیر سنا رہے تھے۔

جو کچھ تھا سب صدقہ فرما دیا:

اتوار کے دن نبی ﷺ نے اپنے غلام آزاد کر دیے، آپ کے پاس سات دینار تھے انہیں صدقہ کر دیا، ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ کر دیا۔ رات آئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا چراغ ایک عورت کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ اپنی کپی سے ہمارے چراغ میں گھی ٹپکا دو۔ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس (۳۰) صاع (تقریباً ۷۵ کلو) جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔

حیاتِ مبارکہ کا آخری دن:

دو شنبہ کی صبح ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور لوگوں کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ ایڑی کے بل پیچھے ہٹے اور سمجھا کہ آپ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر مسلمان اس قدر خوش ہوئے کہ چاہا کہ نماز ہی کے اندر فتنے میں پڑ جائیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرلو۔ پھر حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ گرا لیا۔

اسی دن یا اسی ہفتے رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا، کچھ سرگوشی کی، وہ رونے لگیں۔ پھر کچھ سرگوشی کی تو ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو چھپا لے

گئیں لیکن جب نبی ﷺ کی وفات ہوگئی تو بتلایا کہ آپ نے پہلی دفعہ فرمایا:

''آپ اپنے اسی مرض میں وفات پا جائیں گے۔ اسی لیے وہ روئیں اور دوسری بار فرمایا کہ آپ کے اہل وعیال میں سب سے پہلے وہی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) آپ کے پیچھے جائیں گی، اس لیے وہ ہنسیں۔ آپ نے انہیں یہ بھی بشارت دی کہ آپ ساری خواتین عالم کی سیدہ (سردار) ہیں۔''

ادھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے کرب کی شدت دیکھی تو بے ساختہ پکار اٹھیں:

((وَاہ كُرْبَ اَبَاهُ))

''ہائے! ابا جان کی تکلیف۔''

آپ نے فرمایا:

''تمہارے ابا پر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں۔''

آپ ﷺ نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چوما اور ازواجِ مطہرات کو بلا کر وعظ ونصیحت کی۔ ادھر لحہ بہ لحہ تکلیف بڑھتی جارہی تھی اور اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا، جسے آپ کو خیبر میں کھلایا گیا تھا۔ چنانچہ آپ اس کے الم کی شدت محسوس کرنے لگے۔ آپ نے چہرے پر ایک چادر ڈال رکھی تھی۔ جب سانس پھولنے لگتا تو چہرے سے ہٹا دیتے۔ اسی حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔''

مقصود ان کے جیسے کام سے روکنا تھا۔

''سرزمین عرب میں دو دین نہ باقی رہنے دیے جائیں۔''

یہ آخری ارشاد اور وصیت تھی جو آپ نے لوگوں کو فرمائی، اس کے بعد کئی بار فرمایا:

((اَلصَّلَاةُ اَلصَّلَاةُ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ))

''نماز، نماز اور تمہارے زیر دست، یعنی لونڈی اور غلام۔ یعنی ان کا خیال رکھنا۔''

نزعِ رواں اور وفات:

پھر نزع کی حالت ہوگئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اپنے سینے اور گلے کے درمیان سہارا دے کر ٹیک لیا۔ اسی دوران ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ آئے، ان کے پاس کھجور کی تازہ شاخ کی مسواک تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کی طرف دیکھنے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ اسے چاہتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا تو آپ نے سر سے اشارہ کیا کہ ''ہاں!'' چنانچہ انہوں نے مسواک لے کر چبائی اور نرم کی۔ پھر آپ نے اسے لے کر نہایت اچھی طرح مسواک کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کٹورے میں پانی تھا، آپ پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٌ))

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ موت کے لیے سختیاں ہیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ یا انگلی اٹھائی، نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹوں پر کچھ حرکت ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو آپ فرما رہے تھے۔

''ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ جنہیں تو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر اور مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے۔ اے اللہ! رفیق اعلیٰ۔''

آخری فقرہ تین بار دہرایا اور روح پرواز کر گئی، ہاتھ جھک گیا اور آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ یہ دوشنبہ کا دن ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کی تاریخ اور چاشت کا وقت تھا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر (۶۳) سال پوری ہو چکی تھی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ (البقرۃ:۱۵۶)

صحابہ کی حیرت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف:

اس حادثۂ دل فگار کی خبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فوراً پھیل گئی اور ان پر دنیا تاریک ہوگئی۔ قریب تھا کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھتے، چنانچہ کوئی دن اس سے تابناک اور بہتر نہ تھا جس میں

رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تھے اور کوئی دن اس سے زیادہ تاریک اور قبیح نہ تھا، جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی، وہ رورو کر اس طرح آہیں بھر رہے تھے جیسے حاجیوں کا شور برپا ہو۔

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر مسجد میں فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے، جب تک اللہ تعالیٰ منافقین کو فنا نہ کر لے۔ اس شخص کو کاٹنے اور قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے جو یہ کہے کہ آپ وفات پا گئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے گرد مسجد میں حیرت غم کی تصویر بنے موجود تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صبح کو آپ کے مرض میں تخفیف دیکھی تو سنخ میں واقع اپنے مکان پر چلے گئے۔ آپ کی وفات ہوگئی تو اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور اتر کر مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ لوگوں سے کوئی بات نہ کی، سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے اور رسول اللہ ﷺ کا قصد فرمایا۔ آپ ﷺ کا جسد مبارک دھاری دار یمنی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ انہوں نے چہرۂ مبارک کھولا، اسے چوما اور روئے۔ پھر فرمایا:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا، جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو آ چکی۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور کہا "عمر بیٹھ جاؤ۔" مگر انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ان کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر کے پاس آ گئے اور اس کے بازو میں کھڑے ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر یہیں آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ ٱلرُّسُلُ ۚ أَفَإِيْن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ ٱنقَلَبْتُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَـٰبِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ ٱللَّهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِى ٱللَّهُ ٱلشَّـٰكِرِينَ ﴿١٤٤﴾

(آل عمران: ۱٤٤)

''اما بعد! تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کو پوجا کرتا تھا تو (جان لے کہ) محمد ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے: ''محمد نہیں ہیں مگر رسول ہی۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر ان کی موت واقع ہو جائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑی کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑی کے بل پلٹ جائے تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ:

'' واللہ! ایسا لگتا تھا کہ لوگوں نے جانا ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے یہاں تک کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو سارے لوگوں نے ان سے یہ آیت اخذ کی اور اب میں جس کسی انسان کو سنتا تو وہ اس کو تلاوت کر رہا ہوتا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''واللہ! میں نے جونہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو جان گیا کہ یہ برحق ہے۔ پس میں ٹوٹ کر رہ گیا، حتیٰ کہ میرے پاؤں مجھے اٹھا ہی نہیں رہے تھے اور میں زمین کی طرف لڑھک گیا۔ میں جان گیا کہ واقعی نبی ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔''

خلافت کے لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے اہم قضیہ یہ تھا کہ ایک امیر منتخب کیا جائے جو عوام اور ملک کے معاملات چلانے کے لیے آپ کا جانشین ہو۔ اس سلسلے میں حضرت علی بن ابی طالب یہ سمجھتے تھے کہ وہ جانشینی کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ وہ نبی ﷺ کے خاص قریبی ہیں۔ چنانچہ وہ، حضرت زبیر اور بنو ہاشم کے کچھ لوگ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں جمع ہوئے، جب کہ انصار نے اپنے اندر سے ایک امیر منتخب کرنے کے لیے سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کیا۔ باقی مہاجرین حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے ہو لیے۔

حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما سقیفہ بنی ساعدہ تشریف لے گئے، ان کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہاجرین بھی تھے۔ وہاں مہاجرین و انصار میں بحث وگفتگو ہوئی۔ انصار نے اپنی فضیلت اور استحقاق کا ذکر کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ لوگوں نے جس خیر کا ذکر کیا آپ لوگ واقعی اس کے مستحق ہیں، لیکن عرب اس کاروبار (حکومت) کو قریش کے اس قبیلے کے سوا کسی اور کے لیے نہیں جانتے یعنی وہ قریش کے سوا کسی اور کی حکمرانی تسلیم نہیں کرسکتے۔ وہ عرب میں نسب اور رہائش گاہ دونوں لحاظ سے افضل ہیں۔''

پھر انہوں نے حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑے اور فرمایا:

''میں آپ لوگوں کے لیے ان دونوں میں سے کسی بھی ایک کو پسند کرتا ہوں۔''

اس پر انصار کے ایک آدمی نے کہا:

''ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر آپ لوگوں میں سے۔''

اس پر بڑا شور ہوا، آوازیں بلند ہوئیں اور اختلاف کا خطرہ ہو چلا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''ہاتھ پھیلائیے!'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پھیلایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور مہاجرین و انصار نے بیعت کر لی۔

تجہیز و تکفین اور تدفین:

منگل کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا، غسل دینے والے حضرات یہ تھے: حضرت عباس، حضرت علی، حضرت عباس کے دو صاحبزادگان فضل اور قثم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام شقران، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم اور حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں صاحبزادے آپ کی کروٹ بدل رہے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور شقران رضی اللہ عنہ پانی بہا رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے اور حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے سینے سے ٹیک رکھا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی اور بیر کے پتوں سے تین بار غسل دیا گیا، پانی قباء میں واقع حضرت

سعد بن خیثمہ کے ''غرس نامی'' کنویں کا تھا۔ آپ پینے کے لیے بھی اس کنویں کا پانی استعمال فرمایا کرتے تھے۔

پھر آپ ﷺ کو تین سفید سوتی، یمنی چادروں میں کفنایا گیا، ان میں کرتا اور پگڑی نہ تھی۔ بس آپ کو چادروں میں لپیٹ دیا گیا تھا۔

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسی جگہ آپ کی قبر کھودی جہاں آپ نے وفات پائی تھی، قبر لحد والی کھودی۔ پھر آپ کی چارپائی قبر کے کنارے رکھ دی گئی۔ دس دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اندر داخل ہوتے تھے فرداً فرداً نماز (جنازہ) پڑھتے، کوئی امام نہ ہوتا۔ سب سے پہلے آپ کے خانوادے نے نماز جنازہ پڑھی، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر بچوں نے، پھر عورتوں نے، یا پہلے عورتوں نے پھر بچوں نے۔

نماز جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن اور بدھ کی بیشتر رات گزر گئی۔ اس کے بعد رات کے اواخر میں آپ کا جسد پاک سپردِ خاک کیا گیا۔ (ﷺ)

خانۂ نبوت

❀ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن:

مختلف اوقات میں نبی ﷺ کی کل گیارہ یا بارہ بیویاں ہوئی ہیں۔ان میں سے نو بیویاں زندگی کے اخیر میں آپ ﷺ کے ساتھ موجود تھیں اور دو یا تین بیویاں آپ کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں۔ نیچے ان سب کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا:

یہ گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ نے جس وقت ان سے شادی کی ان کی عمر چالیس برس اور آپ ﷺ کی عمر پچیس برس تھی۔ حضرت ابراہیم کے سوا آپ کی تمام اولاد انہیں کے بطن سے تھی اور آپ نے ان کے جیتے جی دوسری شادی نہیں کی۔ رمضان ۱۰ نبوت ۶۵ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی اور انہیں ''حجون'' میں دفن کیا گیا۔

۲۔ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا:

یہ اپنے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کے تحت تھیں۔ دونوں نے اسلام قبول کیا اور حبشہ ہجرت کی۔ پھر مکہ واپس آئے اور حضرت سکران رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد شوال ۱۰ نبوت میں......یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے کوئی ایک مہینہ بعد...... نبی ﷺ نے ان سے شادی کر لی، ان کی وفات شوال ۵۴ ہجری میں ہوئی۔

۳۔ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا:

نبی ﷺ نے ان سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ایک سال بعد شوال ۱۱ نبوت میں شادی کی، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، پھر ہجرت کے سات مہینے بعد شوال ۱ ہجری میں آپ کو رخصت کیا گیا، اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ آپ نے ان کے علاوہ کسی باکرہ عورت سے شادی نہیں کی۔ یہ امت کی سب سے فقیہ عورت ہیں اور عورتوں پر ان کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید (کھانے) کی فضیلت ہے۔ ۱۷ رمضان ۵۷ ہجری یا ۵۸ ہجری کو ان کی وفات ہوئی اور انہیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

۴۔ام المؤمنین حضرت حفصہ بنتِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا:

یہ حضرت خنیس بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہ کے تحت تھیں، انہیں غزوۂ بدر میں ایک زخم آیا تھا جو بعد میں پھوٹ پڑا اور اس کی وجہ سے وہ بدر و احد کے درمیانے عرصہ میں انتقال کر گئے۔ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عدت گزر گئی تو نبی ﷺ نے شعبان ۳ ہجری میں ان سے شادی کر لی۔ انہوں نے ساٹھ سال کی عمر میں مدینہ کے اندر شعبان ۴۵ ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

۵۔ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا:

یہ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے تحت تھیں جو بدر میں شہید ہوگئے۔ ان کے بعد رمضان ۳ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی...... اور کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے تحت تھیں، وہ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ۴ ہجری میں ان سے شادی کی۔ انہیں جاہلیت میں ام المساکین کہا جاتا تھا کیونکہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔ آپ ﷺ سے شادی کے آٹھ مہینے بعد یا تقریباً تین مہینے بعد ربیع الآخر ۴ ہجری میں ان کا انتقال ہوگیا۔ نبی ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن کیا گیا۔

٦۔ام المؤمنین حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا:

یہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے تحت تھیں اوران سے ان کی کافی اولاد تھی۔ ابوسلمہ جمادی الاخریٰ ۴ ہجری میں وفات پاگئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۴ ہجری میں چندروز باقی تھے کہ ان سے شادی کرلی۔ یہ فقیہ ترین اور عقل مند ترین عورتوں میں سے تھیں۔ ۸۴ سال کی عمر میں ۵۹ ہجری میں...... اور کہا جاتا ہے کہ ۶۲ ہجری...... میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

۷۔ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش بن رأب رضی اللہ عنہا:

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں، ان کی شادی حضرت زید بن حارثہ سے کی گئی۔لیکن دونوں میں ہم آہنگی نہ ہوسکی حتیٰ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا متبنیٰ (لے پالک) بنا رکھا تھا اور اس کی وجہ سے انہیں ''زید بن محمد'' کہا جاتا تھا۔ جیسا کہ گزرچکا ہے اور اہل جاہلیت میں رواج تھا کہ وہ متبنیٰ کی بیوی کو متبنیٰ بنانے والے باپ پر اسی طرح حرام سمجھتے تھے جیسے حقیقی بیٹے کی بیوی ہو۔اس لیے جب حضرت زید رضی اللہ عنہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت گزرچکی تو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی شادی کردی اور متبنیٰ بنانے کے عمل کو لغو قرار دے دیا۔ یہ ذی قعدہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے...... اور کہا جاتا ہے کہ ۴ ہجری میں کسی وقت یہ بات پیش آئی ...... یہ بڑی عبادت گزار اور زبردست صدقہ کرنے والی خاتون تھیں۔ ۵۳ سال کی عمر میں ۲۰ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امہات المومنین میں سب سے پہلے انہی نے وفات پائی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن کی گئیں۔

۸۔ام المومنین حضرت جویریہ بنت الحارث:

یہ شعبان ۶ ہجری یا ۵ ہجری میں غزوۂ بنو المصطلق کے اندر قید کی گئیں اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔ انہوں نے طے کیا کہ ایک مخصوص رقم ادا کرکے آزاد ہو

جائیں، نبی ﷺ نے ان کی طرف سے مقررہ رقم ادا کر کے انہیں آزاد کر دیا اور شادی کر لی۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد کر دیے اور کہا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سسرال ہیں چنانچہ یہ اپنی قوم کے لیے بڑی بابرکت خاتون ثابت ہوئیں۔ ۶۵ سال کی عمر میں ربیع الاوّل ۵۶ ہجری...... اور کہا جاتا ہے کہ ۵۵ ہجری...... میں وفات پائی۔

۹۔ام المومنین حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا:

یہ عبید اللہ بن جحش کے تحت تھیں اور اس سے حبیبہ پیدا ہوئیں تو ان کی نسبت سے ان کی کنیت ام حبیبہ پڑ گئی۔ انہوں نے عبید اللہ کے ساتھ حبشہ ہجرت کی، لیکن وہ نصرانی ہو کر حالت ارتداد ہی میں وفات پا گیا مگر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نامۂ مبارک دے کر نجاشی کے پاس روانہ کیا تو اسے حکم دیا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی شادی نبی ﷺ سے کر دے۔ چنانچہ نجاشی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے ان کی شادی کر دی اور اپنے پاس سے چار سو دینار مہر دیا۔ حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہیں روانہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپس آ کر صفر یا ربیع الاوّل ۷ ہجری میں انہیں رخصت کرایا۔ ۴۲ ہجری، ۴۴ ہجری یا ۵۰ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

۱۰۔ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا:

یہ بنو نضیر کے سردار کی صاحبزادی اور بنی اسرائیل میں حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ خیبر میں قید ہوئیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا اور ان پر اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گئیں، آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ یہ فتح خیبر ۷ ہجری کے وقت کی بات ہے، مدینہ واپس ہوتے ہوئے خیبر سے ۱۲ میل کے فاصلے پر وادیٔ صہبا پہنچ کر انہیں رخصت کرایا، ۵۰ ہجری میں...... اور کہا جاتا ہے کہ ۵۲ ہجری میں...... اور کہا جاتا ہے کہ ۳۶ ہجری میں...... ان کی وفات ہوئی اور بقیع میں دفن کی گئیں۔

۱۱۔ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا:

یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل لبابہ الکبریٰ بنت حارث ہلالیہ کی بہن ہیں۔

ان سے رسول اللہ ﷺ نے ذی القعدہ ۷ ہجری میں عمرۂ قضا سے حلال ہونے کے بعد شادی کر لی اور مکہ سے نو میل کے فاصلے پر مقام سرف میں انہیں رخصت کرایا۔ ان کی وفات بھی مقام ''سرف'' ہی میں ۶۱ ہجری میں اور کہا جاتا ہے کہ ۶۳ ہجری میں اور کہا جاتا ہے کہ ۳۸ ہجری میں ہوئی ...... اور وہیں دفن بھی ہوئیں۔ ان کی قبر اب بھی وہاں معروف ہے۔

یہ گیارہ عورتیں ہیں جو بالاتفاق رسول اللہ ﷺ کی بیویاں اور امہات المومنین ہیں۔ ان کے علاوہ ایک عورت ریحانہ بنت زید رضی اللہ عنہا کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ آپ کی بیوی تھیں یا لونڈی تھیں۔ یہ بنو نضیر سے تھیں اور بنو قریظہ کے ایک شخص کے عقد میں تھیں۔ غزوۂ بنو قریظہ میں قید ہوئیں اور نبی ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا...... پھر کہا جاتا ہے کہ آپ نے انہیں آزاد کر کے محرم ۶ ہجری میں شادی کر لی...... اور وہ ام المومنین قرار پائیں اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے انہیں آزاد نہیں کیا بلکہ بحیثیت لونڈی رکھا۔ نبی ﷺ حجۃ الوداع سے واپس آئے تو ان کا انتقال ہو گیا اور آپ نے انہیں بقیع میں دفن فرمایا۔

ان عورتوں کے علاوہ آپ ﷺ کی ایک لونڈی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں، جنہیں مقوقس نے ان تحائف کے ضمن میں بھیجا تھا جو آپ کے پاس آپ کے خط کے جواب میں روانہ کیے تھے۔ یہ بادشاہوں کی اولاد سے تھیں۔ انہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے خاص فرمایا اور ان کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ ۱۲ ہجری میں...... اور کہا جاتا ہے کہ محرم ۱۵ ہجری میں...... انہوں نے وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

❀ اولاد:

یہ گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم کے سوا آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھی، ذیل میں ان کا مختصر ذکر دیا جاتا ہے:

۱۔ قاسم:

یہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے، انہیں کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو القاسم تھی، انہوں نے اتنی عمر پائی کہ چلنے لگے تھے، پھر تقریباً دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

۲۔ زینب رضی اللہ عنہا:

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، اللہ کی راہ میں مصائب سے دوچار ہوئیں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ میری سب سے افضل بیٹی ہیں۔'' قاسم کے بعد پیدا ہوئیں۔ ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی ہوئی۔ جو ان کی خالہ ہالہ بنت خویلد کے صاحبزادے تھے۔ زینب رضی اللہ عنہا سے ایک بیٹا علی اور ایک بیٹی امامہ پیدا ہوئیں، انہیں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں گود لیا کرتے تھے۔ ۸ ہجری کے اوائل میں مدینہ کے اندر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔

۳۔ رُقیہ رضی اللہ عنہا:

ان سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور ان کے بطن سے ایک صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے۔ وہ چھ سال کے تھے کہ مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ مار دی، جس کے اثر سے بالآخر وہ وفات پا گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں تھے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے تو انہیں دفن کیا جا چکا تھا۔

۴۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا:

رقیہ کی وفات کے بعد بدر سے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ انہوں نے شعبان ۹ ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

۵۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا:

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور سب سے محبوب صاحبزادی تھیں، یہ اہل جنت کی عورتوں کی سیدہ (سردار) ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بدر کے بعد ان سے شادی کی، ان کے بطن سے دو صاحبزادے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور دو صاحبزادیاں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما پیدا ہوئیں۔ یہ وہی ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں جن سے حضرت عمر

ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور ان سے حضرت زید پیدا ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو ام کلثوم کے چچیرے بھائی عون بن جعفر نے ان سے شادی کر لی۔ پھر عون کی وفات ہوگئی تو ان کے بھائی محمد نے شادی کر لی، پھر محمد بھی وفات پا گئے تو دوسرے بھائی عبداللہ نے ان سے شادی کر لی، پھر عبداللہ کے عقد میں رہتے ہوئے خود ام کلثوم نے وفات پائی......

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ مہینہ بعد ہوئی۔

(یہ پانچوں اولاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف نبوت سے مشرف ہونے سے پہلے پیدا ہوئیں)۔

۶۔عبداللہ:

ان کے بارے میں اختلاف ہے، کہا جاتا ہے کہ زمانۂ اسلام میں پیدا ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلے پیدا ہوئے...... انہوں نے بھی بچپن ہی میں وفات پائی، یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری صاحبزادے تھے۔

۷۔ابراہیم:

یہ جمادی الآخر ۹ ہجری میں آپ کی لونڈی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۲۹ شوال ۱۰ ہجری کو، جس دن مدینہ میں سورج گرہن لگا تھا، وفات پائی۔ اس وقت ۱۶ یا ۱۸ مہینے کے بچے تھے اور ابھی دودھ پیتے تھے، انہیں بقیع میں دفن کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان کے لیے ایک دایہ جنت میں ان کی رضاعت پوری کر رہی ہے۔''

صفات واخلاق

رسول اللہ ﷺ جمالِ خلقت اور کمال اخلاق میں سب سے نمایاں تھے، اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں، یہاں ان کے معانی ومطالب کا لب لباب اور خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

چہرۂ مبارک اور اس کے متعلقات:

رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک گورا، پر کشش، گول، روشن، رنگ سرخی آمیز تھا۔ چودھویں کے چاند کی طرح جگمگاتا ہوا تھا۔ جب آپ خوش ہوتے تو چہرۂ مبارک اس طرح دمک اٹھتا گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔ دھاریاں اس طرح چمکتیں جیسے روشن بادل چمکتا ہے، گویا سورج اس میں دوڑ رہا ہے، بلکہ اگر تم حضور ﷺ کو دیکھتے تو گویا طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھتے، چہرہ پر پسینہ یوں محسوس ہوتا گویا موتی ہے اور پسینے کی خوشبو مشک خالص سے بھی بڑھ کر ہوتی۔ جب آپ غصہ میں ہوتے تو چہرہ یوں سرخ ہو جاتا گویا دونوں رخسار میں انار کے دانے نچوڑ دیے گئے ہیں۔ دونوں رخسار ہلکے، پیشانی کشادہ، ابرو کمان دار، باریک اور کامل تھے۔ باہم ملے نہ تھے......اور کہا جاتا ہے کہ ملے تھے۔ آنکھیں کشادہ تھیں اور ان کی سفیدی میں سرخی کی آمیزش تھی۔ پتلی سخت سیاہ تھی، پلکوں کے بال لمبے اور گھنے تھے۔ تم دیکھتے تو کہتے کہ آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے، حالانکہ سرمہ نہ لگائے ہوتے۔

ناک کا بانسہ بلند اور خم دار تھا۔ اس پر نور سا بلند ہوتا محسوس ہوتا۔ دونوں کان مکمل تھے، منہ

خوب صورت اور بڑا تھا۔ سامنے کے دونوں دانتوں میں ذرا فاصلہ تھا، بقیہ دانت بھی الگ الگ تھے، دانتوں میں چمک تھی۔ جب آپ مسکراتے تو ایسا لگتا گویا اولے ہیں اور جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو ان دانتوں کے درمیان سے نور جیسے نکلتا دکھائی دیتا۔ غرض آپ کے دانت سب سے خوب صورت تھے۔

ڈاڑھی خوب صورت، گھنی، کنپٹی تک بھر پور، سینے کو بھرے ہوئے اور سخت کالی تھی۔ صرف دونوں کنپٹیوں اور ڈاڑھی بچے میں چند گنے چنے بال سفید تھے۔

سر، گردن اور بال:

کھوپڑی بھاری، سر بڑا اور گردن لمبی تھی، گویا چاندی کا لوٹا اور گڑوے کی گردن ہے۔ بال دونوں کانوں کے نصف یا لو تک ہوا کرتے، کبھی کبھی اس سے بھی نیچے اور کبھی کبھی دونوں کندھوں کو چھوتے۔ چند بال پیشانی کے بھی سفید تھے، مگر اتنے کم کہ سر اور ڈاڑھی ملا کر بھی کل بیس بال سفید نہ تھے۔ سر کے بال ذرا ذرا سے گھونگھریالے تھے، آپ ناغے سے سر اور ڈاڑھی میں کنگھی فرماتے اور سر کے درمیان سے مانگ نکالتے۔

اعضاء واطراف:

ہڈیوں کے سرے مثلاً کہنیاں، کندھے اور گھٹنے بڑے بڑے تھے۔ کلائیاں بڑی بڑی اور ان کے جوڑ لمبے لمبے تھے، ہتھیلیاں اور قدم کشادہ تھے، تلوا گہرا تھا، دونوں ہاتھ حریر و دیبا سے زیادہ نرم، برف سے زیادہ ٹھنڈے اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھے۔ کہنی سے اوپر اور نیچے دونوں بازو اور اطراف بھاری بھر کم تھے۔ ایڑیاں اور پنڈلیاں ہلکی تھیں، دونوں کندھوں کے درمیان دوری تھی۔ اطراف لمبے، سینہ کشادہ اور بال سے خالی تھا، صرف لمبے سے ناف تک بالوں کی ایک لکیر تھی، اس کے علاوہ شکم اور سینے پر بال نہ تھے، کندھے اور اس سے متصل بازو پر بال تھے، سینہ اور شکم برابر تھے بغل کا رنگ مٹیالا تھا اور پیٹھ ایسی تھی گویا ڈھلی ہوئی چاندی۔

قد و قامت اور جسم:

آپ ﷺ کا قد خوب صورت، قامت معتدل اور پیکر سیدھا تھا، نہ آپ ناٹے کھوٹے

تھے نہ لمبے تڑنگے لیکن طول سے قریب تر تھے۔ چنانچہ کوئی شخص جو طول کی طرف منسوب ہوتا وہ آپ کے ساتھ چلتا تو آپ اس سے لمبے ہوتے۔ جسامت معتدل تھی اور بدن گٹھا ہوا۔ نہ زیادہ موٹے تھے نہ زیادہ دبلے پتلے، بلکہ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ تھے جو تینوں میں سے سب سے زیادہ خوش منظر تھی۔ آپ کا قد سب سے زیادہ خوب صورت تھا۔

خوشبو:

آپ ﷺ کا پسینہ اور اعضاء تمام خوشبوؤں سے زیادہ خوشبودار تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:

"میں نے کبھی کوئی عنبر یا مشک یا کوئی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے بہتر رہی ہو۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

"آپ کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپ کے بعد کوئی اور گزرتا تو آپ کی خوشبو کی وجہ سے ضرور جان جاتا کہ آپ وہاں سے گزرے ہیں۔"

آپ کسی آدمی سے مصافحہ فرماتے تو وہ دن بھر اس کی خوشبو محسوس کرتا۔ آپ کسی بچے کے سر پر اپنا ہاتھ رکھتے تو اس کی خوشبو کی وجہ سے وہ بچوں کے درمیان سے پہچان لیا جاتا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ کا پسینہ ایک شیشی میں محفوظ کر رکھا تھا، اسے خوشبو میں ڈالتی تھیں کیونکہ وہ سب سے عمدہ خوشبو تھی۔

رفتار:

آپ ﷺ بہت تیز رفتار تھے، بازار میں چلنے والے شخص کی رفتار سے چلتے تھے، درماندہ اور سست نہ تھے۔ کوئی آپ کا ساتھ نہ پکڑ پاتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر تیز رفتار نہیں دیکھا، گویا زمین آپ کے لیے لپیٹ دی جاتی تھی۔ ہم تو اپنے آپ کو تھکا مارتے اور آپ بے پروائی سے چلتے۔"

آپ جب قدم رکھتے تو پورا قدم رکھتے، تلوے میں گہرائی نہ تھی اور جب مڑتے تو پورے مڑتے، سامنے ہوتے تو مکمل اور پیچھے مڑتے تو مکمل، چلتے تو جھٹکے سے اٹھتے اور یوں چلتے گویا ڈھلوان سے اتر رہے ہیں۔ پھر جھٹکے سے پاؤں اٹھاتے اور نرمی سے چلتے۔

آواز اور گفتگو:

آپ ﷺ کی آواز میں ہلکا سا بھاری پن تھا اور آپ شیریں گفتار اور باوقار تھے۔ خاموش رہتے تو باوقار اور گفتگو کرتے تو پرکشش، بول ایسے کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ بات کو اس کے اطراف سے شروع اور ختم فرماتے، گفتگو دوٹوک ہوتی، نہ مختصر نہ فضول۔ ہر حرف واضح ہوتا، آپ فصیح و بلیغ اور رواں طبیعت تھے۔ نکھرے ہوئے کلمات بولتے، کوئی شخص خواہ کیسا ہی فصیح و بلیغ ہوتا آپ کی ہمسری نہ کرسکتا۔ آپ کو حکمت اور دوٹوک خطاب کے ساتھ جامع کلمات عطا کیے گئے تھے۔

اخلاق کی ایک جھلک:

آپ ﷺ کے چہرے پر ہمیشہ بشاشت ہوتی، سہل خو اور نرم پہلو تھے۔ جفاجو اور سخت خو نہ تھے۔ بازاروں میں اونچی آواز نہ لگاتے، سب سے زیادہ تبسم فرماتے۔ غصے سے سب سے زیادہ دور اور رضا میں سب سے آگے۔ دو کاموں میں جو زیادہ آسان ہوتا اسی کو اپناتے بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہو، اگر گناہ کا کام ہوتا تو پھر سب سے زیادہ دور ہوتے۔ اپنے لیے کبھی انتقام نہ لیا، البتہ اللہ کی حرمت چاک کی جاتی تو اس کے لیے انتقام لیتے۔

آپ ﷺ سب سے سخی، سب سے کریم، سب سے بہادر، سب سے شہ زور، اذیت پر سب سے بڑھ کر صبر کرنے والے، سب سے زیادہ باوقار اور سب سے بڑھ کر حیا دار تھے۔ کوئی چیز ناپسند فرماتے تو چہرہ پر اس کے آثار دیکھے جاتے، اپنی نظر کسی کے چہرے پر نہ جماتے اور نہ ناپسندیدگی کے ساتھ کسی کا سامنا کرتے۔

سب سے زیادہ عادل، پاک نفس و پاک دامن، صادق اور عظیم الامانت تھے۔ نبوت سے پہلے ہی امین کے لقب سے مشہور تھے۔ سب سے زیادہ متواضع اور تکبر سے دور تھے۔

سب سے بڑھ کر عہد کے پاس دار، صلہ رحم، سب سے عظیم شفقت ورحمت والے، سب سے عمدہ معاشرت وادب والے، سب سے زیادہ کشادہ اخلاق، فحش اور لعنت ملامت سے سب سے زیادہ دور، جنازوں میں تشریف لے جاتے۔ فقراء اور مساکین کے ساتھ بیٹھتے، غلام کی دعوت قبول کرتے۔ کھانے اور لباس میں ان پر برتری نہ اختیار فرماتے۔ جو آپ کی خدمت کرتا آپ خود اس کی خدمت فرماتے۔ اپنے خادم کو عتاب نہ کرتے، یہاں تک کہ کبھی اسے ''اف'' تک نہ کہا۔

غرض آپ کے اوصاف کو احاطۂ بیان میں لانا ممکن نہیں۔ لہٰذا اس مختصر بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اس حقیر سی پونجی کو قبول فرمالے اور ہمیں سید المرسلین، امام الانبیاء والمتقین، خیر الخلائق محمد ﷺ کی پیروی کی توفیق دے۔ اے اللہ! تو نبی ﷺ پر، آپ کی آل پر اور آپ کے نیک اور مکرم اصحاب پر درود وسلام بھیج اور ہمیں قیامت کے روز آپ ﷺ کے پرچم کے نیچے جگہ نصیب فرما۔ آمین یارب العالمین!

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ))

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کے فضل وکرم سے اچھے اچھے کام پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔''

دوشنبہ ۱۱ شوال ۱۴۱۵ ہجری

مختصر سیرۃ النبی ﷺ

سیرتِ نبوی اور اُسوۂ محمدی ہی وہ واحد منبع ہے جس سے مُسلمانوں کی زندگی سنورتی اور انسانی معاشرے کی سعادت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ سیرت کے مطالعہ سے ایک امتی کے لیے اپنے نبی ﷺ کی مکمل شخصیت اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا اخلاق، رہن سہن، عادات واطوار، اندازِ تربیّت، دعوت کا طریقۂ کار کیسا تھا؟ ان کی خانگی، عائلی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کا کیا رنگ ڈھنگ تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ پتہ چلتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ تلوار دے کر اور نبیٔ جہاد بنا کر مبعوث کئے گئے تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی بہترین جہادی زندگی تھی۔ ان سب باتوں سے ایک مسلمان کے دل میں جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت انگڑائیاں لیتا ہے۔ آپ کے ہاتھوں میں تھمی ہوئی یہ کتاب انہی چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

"مختصر سیرۃ النبی ﷺ" بین الاقوامی شہرت یافتہ مصنف کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر ہر مبتدی اور منتہی کے لیے بیش بہا خزینۂ ادب ومعلومات ہے جو اپنے دلچسپ اسلوبِ تحریر کی بنا پر شروع سے آخر تک کے مطالعہ پر آپ کو مجبور کر دے گی۔ ان شاءاللہ

دارالاندلس
۴-لیک روڈ، چوبرجی لاہور
فون: 7230549-7231106 - 7240940